الغزالی فورم کا ترجمان مجلہ

افکار قاسمی

شمارہ اپریل تا جون 2023

خصوصی اشاعت بیاد مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمتہ اللہ علیہ

شائع کردہ: الغزالی فورم

www.algazali.org

ماہنامہ افکار قاسمی

اشاعت خاص

بیاد

عالم باعمل، صدر جامعہ دارالعلوم کراچی، مفتی اعظم پاکستان، ممتاز علمی شخصیت

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ

ضروری وضاحت

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ایک مکمل، باقاعدہ اور منفرد مجلہ کی حیثیت سے یہ "افکار قاسمی "کا شمارہ اپریل تاجون قارئین کرام آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہاہے۔ سب کام انسانوں کے ہاتھ ہوتاہے اس لیے غلطی رہ جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔اس لیے قارئین کرام آپ سے گزارش ہے کہ کوئی غلطی بھی نظر آئے توبراہ کرم مطلع فرمائیے۔

- آپ ہمیں منتخب مضامین اور شعراء کا منتخب کلام بھی بھیج سکتے ہیں۔
- حمد ونعت اور فکاہیہ مضامین جواخلاقی حدود میں رہ کرلکھے گئے ہوں/منتخب کیے گئے ہوں، بھی بھیجے سکتے ہیں۔
- دینی، علمی، کمپوزشدہ مضامین قابل قبول ہوں گے۔
- نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہ ہوں گے۔
- بعض قارئین اخبارات ورسائل سے تحریریں من وعن نقل کرکے اپنے نام سے ارسال کرتے ہیں ایساہرگز نہ کیجئے کیونکہ ایسی تحاریر شائع نہیں کی جاتیں۔
- مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہوناضروری نہیں۔

مضامین ہماری ویب سائٹ www.algazali.org پر رجسٹر ہوکر ماہنامہ افکار قاسمی سیکشن میں بھیج سکتے ہیں یا افکار قاسمی مجلہ کے کسی رکن کوپی ایم کردیں یاپھر qasmimag@gmail.com پرای میل بھی کرسکتے ہیں۔

منتظم اعلی الغزالی فورم ومدیرافکار قاسمی

محمد داؤدالرحمن علی

افکار قاسمی اراکین

بدعا

حضرت مولانا خادم حسین

صاحب دامت برکاتہم العالیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا احمد قاسمی

صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مدیر اعلیٰ

مفتی ناصر الدین مظاہری

صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مدیر

مولانا محمد داؤد الرحمن علی

صاحب

مدیر معاون

ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب

ڈیزائننگ

طاہرہ فاطمہ

فہرست مضامین

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ حالات زندگی و خدمات پر نظر

مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ کے چند بیانات

مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی وفات پر علماء کرام کے تعزیتی پیغامات

اخبارات سے شہ سرخیاں اور دعائیہ کلمات

مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی وفات پر شاعرانہ کلام

07

"مغموم فضائیں ہیں سنسان ہے مے خانہ"

(مفتی محمد رحیق حنفی قاسمی سیتاپوری)

278

اداریہ

(از قلم مدیر)

اللہ عز و جلّ نے اس کائنات میں جن وانس کی خلقت فرمائی اور ان کی ہدایت ور ہنمائی کے لئے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔رسولوں کی آمد کا یہ سلسلہ آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ منقطع ہوگیا تورب تعالیٰ نے انبیاء کرام کے مشن کی انجام دہی کے لئے علمائے کرام کی جماعت تیار فرمائی۔

علمائے کرام حقیقی معنوں میں سماج ومعاشرہ کی اصلاح کے اولین ذمہ دار اور انسانیت کے حقیقی بہی خواہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کاندھوں پر عوام کو سیدھی راہ دکھانے کی ذمہ داری رکھی ہے اور کتاب وسنت کی توضیح وتفسیر اور دعوت وارشاد کا فریضہ عائد کیا ہے۔رب تعالیٰ کی زبانی یہ لوگ رب تعالیٰ سے حقیقی معنوں میں خوف کھاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انما يخشى الله من عباده العلماء"

اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت دیکھئے کہ انبیاء کرام کی وفات کے ساتھ ہی وہ علم دین وشریعت کو اٹھاتا نہیں ہے بلکہ انبیاء کرام اپنی وفات سے پہلے پہلے اس عظیم نعمت کا مخصوص انسانوں کو وارث بنادیتے ہیں۔انبیاء کرام کے بعد یہ لوگ لوگوں کی تعلیم وتعلم کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اور اپنی زندگی میں انبیائی مشن کی انجام دہی کرتے ہیں۔

علماء معاشرے کا حسن اور وقار ہوتے ہیں۔ تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ عوام کی ایک بڑی تعداد ہر دور میں پختہ علماء اور آئمہ کے ساتھ وابستہ رہی اور ان کے دروس اور خطبات کو نہایت جوش و خروش اور عقیدت و احترام کے ساتھ سنا جاتا رہا۔ پختہ اور سنجیدہ علماء کے ساتھ تعلق ہونا یقیناً ہر سنجیدہ اور باشعور شخص کے لیے باعث عزت و افتخار ہے۔

جید علماء کی رفاقت یقیناً دین و دنیا کی بہتری کا ذریعہ ہے۔ کسی بھی جید عالم کی رحلت یقیناً بہت بڑا سانحہ ہوتی ہے اور اس کی وفات سے پیدا ہو جانے والا خلا مدت مدید تک پر نہیں ہوتا اور انسان تا دیر معاشرے میں ان کی کمی کو محسوس کرتا ہے۔ کسی بھی باعمل عالم کی رحلت پر ہر دین پسند انسان بہت زیادہ بے چینی اور غم کو محسوس کرتا ہے۔ اس لیے کہ اُس کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ علماء کی روحوں کے قبض ہو جانے سے انسان نہیں، بلکہ علم بھی اُٹھ رہا ہے، جس طرح سنن ترمذی کی حدیث ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اُٹھائے گا کہ اُسے لوگوں کے سینوں سے کھینچ لے، لیکن وہ علم کو علماء کی وفات کے ذریعے اُٹھائے گا۔"

کہتے ہیں کہ ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہے۔ بات بالکل درست ہے کہ ایک عالم کی موت ایک شخص کی موت نہیں بلکہ علم کے ایک جہاں کی موت ہے۔ جو علم اس نے حاصل کیا وہ تو اپنے ساتھ لے گیا، اب دنیا اس کے علوم سے محروم ہو گئی۔ موجودہ دور میں پہلے ہی مخلص لوگوں کی کمی ہے، ہر طرف افراتفری ہے، ہر شخص اپنی ذات کی فکر میں ہے، ایسی صورتحال میں امت کا غم اور درد رکھنے والی شخصیات کا تیزی سے چلے جانا آفت سے کم نہیں۔

علماء کرام کا تیزی سے دنیا سے رخصت ہونا کوئی خیر یا بے فکری کی بات نہیں ہے۔ یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ علماء کرام کا اس طرح مسلسل اور تیزی کے ساتھ وفات پا جانا بہت زیادہ نقصان اور خسارے کی بات ہے۔

گزشتہ چند سالوں کے دوران بے شمار علماء کرام دنیا سے رخصت ہو گئے، اتنی بڑی تعداد میں جید علماء کرام خالق حقیقی کے پاس جا پہنچے کہ ملک کے سنجیدہ حلقوں میں تشویش پھیل گئی اور وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر ایسی کیا بات ہے کہ علماء کرام یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔

آخر اللہ رب العزت کی ذات عالی ہم سے کس بات پر اتنی ناراض ہے کہ ہمارے درمیان سے اپنے برگزیدہ بندوں کو چن چن کر نکال رہی ہے اور ہم روز بہ روز تنہا ہوتے چلے جا رہے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب اس کی عطا کردہ نعمت کی قدر کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے تو وہ نعمت میں اضافہ کرتا ہے اور جب اس کی کسی نعمت کی ناقدری کی جائے اور اس کی ناشکری کی جائے تو وہ اس نعمت کو چھین لیتا ہے۔ شاید اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو ہم سے چھین لیا ہے اور آج امت خالی خالی محسوس ہونے لگی ہے۔

گزشتہ چند سالوں کے دوران رفتہ رفتہ علماء کرام اٹھتے گئے، شاید یہ الارم تھا کہ سنبھل جاؤ لیکن ہم اس وقت نہ سمجھے، نہ سنبھلے تو پھر یک دم بہت سے علماء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جوار رحمت میں بلا لیا اور ہم ان کے فیض سے محروم ہو گئے، گنتی کے علماء کرام ہی رہ گئے ہیں جن کی قدردانی ضروری ہے۔

آہ! اپنی یتیمی پہ رونا آرہا ہے کہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ جیسے نیر تاباں ہمارے درمیان سے روپوش ہوتے جا رہے ہیں پھر المیہ برآں یہ ہے کہ جو جا رہا ہے وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ کر جا رہا ہے اور یہ خلا حالات حاضرہ کو دیکھ کر پر ہوتی ہوئی نظر بھی نہیں آرہی (لیکن اللہ جل مجدہ کریم قادر مطلق ہے کہ ان کے امثال پیدا کردے)۔

ہر طرف شور و غوغہ کہیں سکون و یکسوئی نہیں کہیں آپسی اختلاف تو کہیں مشربی اختلاف ہر طرف فتنہ ہی فتنہ ہم آپس میں دست و گریباں ہیں شیرازہ بکھرتا چلا جا رہا ہے کسی کو کوئی فکر نہیں سب اپنی دوکان داری چمکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ علماء و مشائخ عظام کے یہ اٹھتے جنازہ ہمیں یہ پیغامِ عمل دے رہیں ہیں کہ ہم تو جا رہے ہیں لیکن تم خود کو اور آئندہ نسلوں کو علم و عمل کے لحاظ سے مضبوط رکھنا۔

اے کاش! ہمیں اپنے بزرگوں کی قدر نصیب ہوتی بہر حال افسوس ہی کیا سکتا ہے مگر افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے زندگی عمل سے بنتی ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل اختیار کریں اور اپنے اکابر کے مشن کے فروغ کے لئے آگے بڑھیں۔

مولانا محمد مفتی رفیع عثمانی
صاحبؒ کی حالات زندگی
اور خدمات پر نظر

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ

(مولانا محمد اعجاز مصطفی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان)

الحمد للہ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی

دارالعلوم کراچی کے صدر، وفاق المدارس العربیہ کے سرپرست، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے برادرِ کبیر، ہزاروں علمائے کرام کے شیخ، استاذ ومربی، کئی مدارس وجماعتوں کے سرپرست ورکن شوریٰ، کئی سرکاری وغیر سرکاری کمیٹیوں اور کمیشن کے رکن حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد ۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۸؍ نومبر ۲۰۲۲ء بروز جمعہ ۸۶ سال کی عمر میں اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ کر راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شيءٍ عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی پیدائش ۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶؍ جولائی ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے ''صدر مفتی''، وسابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ کے ہاں ہندوستان کے قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ آپ کا نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ''محمد رفیع'' تجویز کیا اور فرمایا: ایک سجع بھی بے ساختہ ذہن میں آگیا: ''از جملہ خلائق محمد رفیع''، ''جس کا معنی ہے تمام مخلوق سے محمد بلند وبالا۔''

آپ کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد دارالعلوم دیوبند کے ''صدر مفتی'' تھے، اس لیے حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ نے تعلیم کا آغاز اپنے والد ماجد سے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں قاعدہ بغدادی سے کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے پندرہ پارے حفظ کیے، تقسیم ہند کی بنا پر پاکستان کراچی میں آکر کچھ عرصہ ''جامع مسجد جیکب لائن'' اور اس کے بعد ''مسجد باب الاسلام'' آرام باغ میں حفظ قرآن کی تکمیل کی، اور آپ کا ختم قرآن فلسطین کے مفتی اعظم الحاج امین الحسینیؒ نے کرایا۔ اور آپ نے تراویح میں پہلا قرآن کریم ۱۳۷۰ء میں مسجد باب الاسلام میں موجود دارالافتاء میں سنایا۔ اور اسی مسجد میں آپ کے فارسی کے

ابتدائی اسباق شروع ہوئے۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ، حضرت مولانا امیر الزمان کشمیریؒ، اور حضرت مولانا بدیع الزمان قدس اللہ اسرارہم جیسی عبقری شخصیات تھیں۔ اور چند ماہ بعد ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں باقاعدہ دارالعلوم نانک واڑہ کا آغاز ہوا تو آپ اس کے اولین طلباء میں تھے۔ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں آپ نے دورہ حدیث کر کے درسِ نظامی کی تعلیم کا فاتحہ فراغ پڑھا۔ اس دوران ۱۳۷۸ھ میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ دورہ حدیث کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد کی زیر نگرانی قائم ہونے والے شعبہ تخصص فی الافتاء میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی تین اسباق کی تدریس آپ کے سپرد ہوئی۔ تخصص فی الافتاء کی تکمیل پر آپ نے فقہی تحقیقی مقالہ "حقوقِ مجردہ کی بیع" تحریر فرمایا۔

آپ کے مشہور اساتذہ میں حضرت مولانا قاری فتح محمدؒ، حضرت مولانا قاری رحیم بخشؒ، مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ، حضرت مولانا سبحان محمودؒ، حضرت مولانا اکبر علی سہارن پوریؒ، حضرت مولانا رعایت اللہؒ، حضرت مولانا محمد حقیقؒ نور اللہ مراقدہم ہیں۔ آپ کو درج ذیل حضرات ومشائخ سے اجازتِ حدیث حاصل تھی: ا: فضیلۃ الشیخ محمد حسن بن محمد مشاط المکی المالکیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، فضیلۃ الشیخ ابوالفیض محمد یٰسین بن محمد عیسی الفادانی المکیؒ، فضیلۃ الشیخ ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ نور اللہ مراقدہم۔

درسِ نظامی اور تخصص سے فراغت کے بعد آپ مستقل طور پر تدریس فرمانے لگے، تقریباً گیارہ سال ۱۳۷۹ھ تا ۱۳۹۰ھ میں آپ نے درسِ نظامی کی اکثر کتب کی تدریس مکمل کرلی تھی اور ۱۳۹۱ھ سے علم حدیث اور اصولِ افتاء کی تعلیم وتدریس ہی آپ سے متعلق رہی۔ آپ کی تدریس کی خصوصیات میں سے تھا کہ آپ مشکل ترین اور دقیق ترین مباحث کو آسان اور عام فہم انداز میں بیان کرتے۔ غیر ضروری مباحث اور نکات سے حتی الامکان اجتناب برتتے۔ صحتِ عبارت اور صحتِ تلفظ پر خصوصی نظر رکھتے۔ دورانِ سبق مصنف یا کسی بھی عالم اور بزرگ کا نام آنے پر محبت سے نام لیتے اور آخر میں اس کے لیے دعائیہ کلمات کا استعمال کرتے، خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آنے پر یہ تعظیمی کیفیت اور بڑھ جاتی۔ واضح تلفظ کے ساتھ "صلی اللہ علیہ وسلم"، ہر مرتبہ خود بھی پڑھتے اور طلبہ کو بھی اس کی تلقین کرتے۔

درس نظامی کی تدریس اور فقہ ظاہر میں ممتاز مقام کے حامل ہونے کے باوصف آپ فقہ باطن یعنی احسان وسلوک اور تصوف میں بھی بہت اہتمام سے مصروف اور مشغول رہے، اسی لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے

خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہوئے اور انہوں نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔آپ عوام اور طلبہ کی اصلاح و تربیت کے لیے ہر بدھ کو جامع مسجد دار العلوم میں اصلاحی بیان فرماتے۔اس کے علاوہ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں عام لوگوں کو مختلف معاشرتی، اخلاقی اور سماجی موضوعات پر وعظ و نصیحت فرماتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے خطبات اور بیانات میں دو باتوں پر زیادہ زور دیا کرتے تھے: ایک یہ کہ دنیا کے سامنے دین اسلام کا صحیح نقشہ اور صحیح تصویر پیش کریں اور دوسرا یہ کہ ہر معاملے میں اتباعِ سنت کا اہتمام کریں اور ہر کام کو انتہائی نظم و ضبط اور صفائی و سلیقہ کے ساتھ کریں۔آپ کے نظم و ضبط اور صفائی و سلیقہ کا شاہکار دار العلوم کی تعمیرات، جامع مسجد اور دار العلوم کا نظام ہے۔آپ نے تقریباً پچاس سے زائد ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے ہاں پہنچ کر وقتاً فوقتاً ان کی دینی و علمی راہنمائی کی اور ان کی دینی پیاس کو بجھایا۔

ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ نے تحریر و تصنیف کا میدان بھی نہیں چھوڑا۔آپ تحریر میں نہایت محتاط اور جچی تلی بات لکھنے کے قائل تھے،اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر ٹھوس معلومات کی بنیاد پر ہوتی۔آپ نے درج ذیل کتب تصنیف فرمائیں، جو رہتی دنیا تک آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور امت مسلمہ کی راہنمائی کرتی رہیں گی

عقائد و کلام کے موضوع پر: مسئلہ تقدیر کا آسان حل، علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح۔ حدیث کے موضوع پر: التعلیقات النافعة علی فتح الملهم، درسِ مسلم شریف، کتابت حدیث عہد رسالت و عہد صحابہؓ میں۔ فقہ و صولِ فقہ کے موضوع پر: ضابط المفطرات في مجال التداوي (عربی)، الأخذ بالرخص وحكمه (عربی) درسِ شرح عقود رسم المفتي (عربی، اردو)، فقہ میں اجماع کا مقام (اردو، عربی)، نوادر الفقہ (دو جلد)، احکامِ زکوٰۃ، رفیق حج، بیع الوفاء (عربی) المقالات الفقهية (عربی، دو جلد)۔ سیاست و معیشت کے موضوع پر: دینی جماعتیں اور موجودہ سیاست، عورت کی سربراہی کا شرعی حکم، یورپ کے تین معاشی نظام، اسلام میں غلامی کا تصور، دینی مدارس اور نفاذِ شریعت، دو قومی نظریہ، اسلامی معیشت کی خصوصیات اور صنعتی تعلقات۔

اصلاح و ارشاد کے موضوع پر: اصلاحی تقریریں (دس جلد) اختلاف رحمت ہے، فرقہ بندی حرام، مستحب کام اور ان کی اہمیت، محبت رسول اور اس کے تقاضے، طلبائے دین سے خطاب، حب جاہ ایک باطنی مرض، حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟، اللہ کا ذکر، مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاؤ، مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی (تاریخ کے آئینہ میں)۔ سفر نامے کے موضوع پر: یہ تیرے پر اسرار بندے، انبیاء کی سرزمین میں، گلگت کے پہاڑوں پہ یاد گار آپ بیتی۔ سوانح کے موضوع پر: حیاتِ مفتی اعظمؒ، میرے مرشد حضرت عارفیؒ۔ متفرقات: علم الصیغہ مع اردو تشریحات، الفضل الرباني في أسانيد محمد رفيع العثماني، علمائے دین کے تین فرائض

منصبی، فقہ اور تصوف، ایک تعارف، دینی تعلیم اور عصبیت، خدمت خلق، جہادِ کشمیر اور ہماری ذمہ داریاں، دوسرا جہادِ افغانستان، حقوقِ نسواں بل ۲۰۰۶ء کی حقیقت۔

حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ: دیوبندیت اعتدال و توازن، اتباع سنت اور خلوص وللّٰہیت کا نام ہے اور دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں پڑھانے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ آج ہم علم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، لیکن علم پر عمل کرنا نہ سیکھا جاتا ہے اور نہ سکھایا جاتا ہے، اِلا من رحم ربي۔ اس لیے ہم جو پڑھتے ہیں، اس پر ہمارا عمل نہیں ہوتا۔ ہمارے اکابر جو فرماتے تھے، اس پر ان کا عمل ہوتا تھا۔ سنتِ نبوی ﷺ پر ہمارے اکابر کا یہ عمل تھا کہ شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ سے ایک بار کسی نے سوال کیا کہ فلاں مسئلہ کے دو پہلوؤں میں سے اقرب الی السنۃ کون سا پہلو ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کا عمل معلوم کرو کہ وہ کس پہلو پر عمل کرتے تھے، جو ان کا عمل تھا، وہی اقرب الی السنۃ ہے۔ اب دیکھیے کہ حضرت گنگوہیؒ کے عمل کو اقرب الی السنۃ کی دلیل کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اور پیش کرنے والے خود بھی بڑے محدث ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کہ آج کل ہر ایک کو یہ فکر ہے کہ وہ بڑا کہلائے اور بڑا بن جائے، جبکہ ہمارے اکابر میں یہ رجحان نہیں تھا۔ ہمارے بزرگوں میں ایک بڑی خوبی ''فنائیت'' کی تھی، وہ فنا فی اللہ تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جب حضرت تھانویؒ سے بیعت کی تو علامہ اقبال مرحوم نے انہیں خط لکھا کہ آپ تو بہت بڑے عالم ہیں، یہ آپ نے کیا کیا؟ سید سلیمان ندویؒ نے جواب دیا کہ میں نے تو اپنا قبلہ درست کر لیا ہے، آپ بھی اپنا قبلہ درست کر لیں تو بہتر ہے۔

سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ: جب میں تھانہ بھون کچھ دن رہ کر رخصت ہونے لگا تو حضرت تھانویؒ نے آخری نصیحت کے طور پر انگلی میرے سینے پر رکھ کر فرمایا کہ: ہمارے پاس تو ایک ہی چیز ہے: فنائیت، خود کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے فنا کر دینا۔ مگر آج فنائیت کا یہ جذبہ ہم میں کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور بڑا بننے کے چکر میں اکابر کے مسلک اور مزاج سے ہم دور ہوتے جارہے ہیں۔ بہرحال! حضرت مفتی صاحبؒ محل و موقع کی مناسبت سے علماء، طلبہ اور عوام الناس میں مختلف موضوعات پر بیانات اور نصائح کیا کرتے تھے، جو کتابی شکل میں موجود ہیں اور رہتی دنیا تک ان شاءاللہ! امت مسلمہ کی راہبری وراہنمائی کرتی رہیں گی۔

چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کے اکلوتے صاحبزادے مولانا زبیر اشرف عثمانی صاحب بیرونِ ملک سفر پر تھے، جن کے آنے میں تاخیر تھی، اس لیے ولی اقرب کا لحاظ وخیال رکھتے ہوئے دوسرے دن بروز اتوار صبح نو بجے نمازِ جنازہ کا اعلان ہوا، آپ کی

نمازِ جنازہ میں پورے ملک کے بڑے بڑے اکابر، مشائخ، علماء کرام اور مختلف سیاسی، مذہبی جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہان شریک ہوئے، خصوصاً حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، سید مختار الدین شاہ صاحب، گورنر سندھ کامران ٹیسوری، پی ایس پی کے سربراہ جناب مصطفیٰ کمال، جماعت اسلامی کراچی کے امیر جناب نعیم الرحمٰن، جناب اسد اللہ بھٹو، حضرت مولانا شمس الرحمٰن عباسی کے علاوہ ہزاروں علماء، طلبہ، تاجر برادری اور عوام الناس نے شرکت کی۔آپ کی نمازِ جنازہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے پڑھائی۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری دامت برکاتہم کے سفر پر ہونے کی وجہ سے جامعہ کی نمائندگی جامعہ کے نائب رئیس حضرت مولانا سید احمد یوسف بنوری صاحب، جامعہ کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا امداد اللہ یوسف زئی صاحب اور راقم الحروف نے کی، ان کے علاوہ کئی اساتذہ کرام اور طلبہ عظام شریک ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب کو آپ کے والدین کے درمیان دارالعلوم کے قدیم قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ حضرتؒ کے پسماندگان میں ایک اہلیہ، ایک صاحبزادہ مولانا زبیر اشرف عثمانی (جو کہ دارالعلوم میں استاذ الحدیث اور مفتی کے منصب پر فائز ہیں) اور تین صاحبزادیاں جو کہ سب شادی شدہ اور اپنے گھروں میں آباد ہیں۔اس کے علاوہ پوری دنیا میں آپ کے ہزاروں شاگرد، متوسلین اور معتقدین آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو کروٹ کروٹ راحتیں نصیب فرمائے، آپ کی جملہ دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے، آپ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور آپ کے اعزہ واقرباء، متوسلین اور متعلمین کو صبرِ جمیل کی توفیق سے نوازے، آمین یارب العالمین!

قارئینِ بینات سے حضرت مفتی صاحبؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمتہ اللہ علیہ، سوانح، حیات وخدمات

(سلیمان عثمانی)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ طویل علالت کے بعد 86 برس کی عمر میں 18 نومبر بروز جمعۃ المبارک کو کراچی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936ء کو بھارت کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد اور تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما مفتی محمد شفیع عثمانیؒ دار العلوم دیوبند میں استاذ تھے، مفتی محمد رفیع عثمانیؒ دار العلوم کراچی کے بانی، نامور مفسر قرآن، فقیہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع کے بڑے صاحبزادے اور معروف عالم دین اور وفاق المدارس العربیہ کے صدر مفتی محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے، انہوں نے دار العلوم دیوبند میں آدھا قرآن حفظ کیا اور 1948 کو ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

انہوں نے آرام باغ کی مسجد باب الاسلام میں قرآن حفظ مکمل کیا اور آخری سبق فلسطینی مفتی اعظم امین امینی کے ساتھ پڑھا۔ وہ 1951 میں دار العلوم کراچی میں داخل ہوئے اور 1960 میں درس نظامی سے فارغ التحصیل ہوئے 1378ء میں، انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی" اور "منشی" (جسے مولوی فاضل) بھی کہا جاتا ہے کے امتحانات پاس کیے۔ انہوں نے 1960 میں دار العلوم کراچی میں اسلامی فقہ (افتاء) میں مہارت حاصل کی۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے مفتی رشید احمد لدھیانویؒ سے صحیح بخاری، اکبر علی سہارن پوریؒ سے صحیح مسلم، موطا امام محمد اور سنن نسائی حضرت سبحان محمودؒ سے، سنن ابو داؤد حضرت ریاضت اللہؒ اور جامع ترمذی مولانا سلیم اللہ خان سے پڑھی۔ انہوں نے سنن ابن ماجہ کے کچھ حصوں کا محمد حقیقؒ سے مطالعہ کیا اور اس کا مطالعہ مکمل کیا۔ انہیں حسن بن محمد السید محمد لوی محمد شفیع دیوبندی محمد طیب قاسمیؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور ظفر احمد عثمانیؒ نے حدیث کی ترسیل کا اختیار دیا تھا۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ آل پاکستان علماء کونسل، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور حکومت سندھ کی زکوٰۃ کونسل کے رکن بھی رہے، وہ شریعت اپیلنٹ بنچ سپریک کورٹ آف پاکستان کے مشیر بھی رہے، انہوں نے وفاق المدارس العربیہ کی امتحانی کمیٹی کے رکن کے طور پر خدمات انجام دیں، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی اور جامعہ کراچی کے سنڈیکیٹ کے رکن تھے اور وفاق المدارس العربیہ کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھے، انہوں نے ساری زندگی دار العلوم کراچی کے احاطے میں اپنے والد کی مسند علم وارشاد پر قرآن وسنت کی تعلیم دیتے گزاری، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے عربی اور اردو میں تقریباً 27 کتابیں تصنیف کیں، 1988 سے 1991 تک انہوں نے اپنی جہادی یادداشتیں دارالعلوم کراچی نے اردو ماہنامہ البلاغ کے علاوہ اردو روزنامہ جنگ اور HUJI سے تعلق رکھنے والے اردو ماہنامہ الارشاد میں شائع کیں۔

یہ جہادی یادداشتیں بعد میں تیرے پراسرار بندے کے نام سے ایک کتاب میں شائع ہوئیں، آپ پاکستان کے موجودہ مفتی اعظم اور مشہور درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے رئیس الجامعہ ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف، درس مسلم، نوادر الفقہ قابل ذکر ہیں، ہر ہفتہ وبدھ کے دن آپ اپنے والد کی تفسیر معارف القرآن کا درس دیتے ہیں جس میں مخصصات کے طلبہ کی شرکت لازمی ہوتی تھی، کتاب میں مصنف یا کسی بزرگ کا اسمِ گرامی آئے تو نہایت احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے، خصوصاً نبی کریم ﷺ کا نامِ نامی آنے پر یہ تعظیمی کیفیت مزید بڑھ جاتی، واضح تلفظ کے ساتھ پورا ﷺ ہر مرتبہ خود پڑھتے اور طلبہ کو بھی صحیح تلفظ کے ساتھ اس کے پڑھنے کی تلقین کرتے اور اس میں فروگزاشت (بھول چوک) نہیں ہونے دیتے، اس معاملے میں آپ نہایت حساس اور بے لچک تھے۔

ویسے تو آپ تمام علومِ اسلامیہ پر تحقیقی عبور اور دسترس رکھتے ہیں مگر بنیادی طور پر آپ کے ذہن و مذاق اور فکر و نظر پر فقہ وافتا کی حکمرانی رہی، اللہ تعالیٰ نے علم فقہ میں آپ کو جودتِ نظر، علمی فکری فہم و بصیرت عطا کی ہے وہ کم ہی کسی علمی شخصیت کے نصیب میں آتی ہے؛ آپ کی ان صلاحیتوں کو تسلیم کرتے ہوئے عصر حاضر کے علمائے کرام کی چار سو سے زائد تعداد نے حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی صدارت میں منعقدہ ایک نمائندہ اجلاس میں بالاتفاق آپ کو ''مفتی اعظم پاکستان'' کا خطاب دیا، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اور مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے بعد آپ تیسری شخصیت رہے جنھیں اس خطاب سے نوازا گیا، فقہ ظاہر میں ممتاز مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ فقہِ باطن میں بھی بہت اہتمام سے مشغول رہے، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ خاص عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحہ عارفیؒ سے آپ کا اصلاحی تعلق رہا اور شیخ کے فیوض و برکات اور ان کے ارشادات اور اصلاحی مشوروں پر مکمل عمل پیرا ہو کر آپ نے سلوک کے منازل طے کیے اور اپنے شیخ کی نظر میں خصوصی مقام پا

کر خلعتِ خلافت سے نوازے گئے، اس نعمت کو آگے منتقل کرنے کے لیے دیگر علمی وانتظامی مصروفیات کے باوجود عامۃالناس کی اصلاح وتربیت کی ذمے داری بھی آپ بڑے حوصلے اور تدبر کے ساتھ انجام دی۔

آپ طبعی طور پر نہایت رقیق القلب تھے، ہر رقت آمیز منظر، واقعہ اور خبر پر آپ کا آبدیدہ ہو جانا آپ کی طبعی خاصیت رہی، اسی وجہ سے آپ ہر عام وخاص اور خصوصاً طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے، اسی طرح فطری طور پر آپ شگفتہ مزاج، ہشاش بشاش اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے، اعتدال و نفاست طبع، قدردانی، اصول و قوانین کی پاسداری، اصابت رائے اور فکری استقلال آپ کی امتیازی خصوصیات ہیں، ہر شعبے میں اتباعِ سنت کا اہتمام، ورع وتقویٰ اور بطورِ خاص حقوق العباد اور مالی معاملات میں آپ کا تقوی گفتن کے بجائے دیدن سے تعلق رکھتا ہے۔

آپ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جنھیں اللہ رب العزت نے عبادت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، بڑھاپے کی حالت میں بھی جس خشوع وخضوع اور بے نظیر اہتمام کے ساتھ آپ طویل قیام وقرأت پر مشتمل نوافل ادا کرتے وہ قابلِ دید ہونے کے ساتھ قابل رشک بھی ہے، ہر وقت زبان پر ذکر واوراد کے کلمات جاری رہتے، روزانہ کے معمولات، تلاوت، مناجات، تسبیحات کی بڑی پابندی فرماتے، سفر ہو یا حضر کسی بھی صورت میں ناغہ نہیں ہونے دیتے۔

ان کا شمار پاکستان کے سر کردہ علماء میں ہوتا تھا، حضرت کئی ماہ سے علیل تھے، حضرت مفتی صاحبؒ 18 نومبر 2022 بروز جمعۃالمبارک کو کراچی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ہمیں اور طلباء وعلماء کو یتیم کر گئے، یقیناً عالم اسلام ایک مربی ومحسن اور ایک عالم سے محروم ہو گیا، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی رحلت عظیم سانحہ ہے، جن کی وفات سے ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے جو برسوں پورا نہیں ہو گا، وہ ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے، مفتی محمد رفیع عثمانیؒ سچے عاشق رسول ﷺ محافظ ختم نبوت، زہد وتقویٰ اور علم وعمل کے پیکر تھے ان کی تمام زندگی درس وتدریس، اسلام کی اشاعت گذری وہ اپنے اکابرین واسلاف کی جیتی جاگتی عملی تصویر تھے ان کی وفات سے ملک ایک جید عالم دین سے محروم ہو گیا۔

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر سیاسی، سماجی، دینی، ملی، رہنماؤں و دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے اپنے طور پر تعزیت کا اظہار کیا، جس میں صدر، وزیر اعظم، آرمی چیف و دیگر اعلیٰ سول وملٹری قیادت سیاسی وسماجی ومذہبی قائدین سمیت متعدد شخصیات نے افسوس کا اظہار کیا ہے، صدر عارف علوی کا کہنا تھا کہ عالم اسلام یک شخصیت سے محروم ہو گیا ہے، وزیر اعظم شہباز شریف کا کہنا تھا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ کی رحلت عظیم سانحہ ہے، گورنر سندھ کامران ٹیسوری نے معروف عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کیلئے عظیم نقصان ہے،

گورنر سندھ نے کہا کہ دینی تعلیمات کے فروغ کیلئے مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی خدمات بے مثال ہیں، مرحوم کے انتقال سے پیدا ہونے والا خلا ایک عرصہ تک پر نہیں ہوسکے گا، وزیر اعلیٰ سندھ مراد علی شاہ نے انتقال پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ممتاز عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کا انتقال اسلام کیلئے عظیم سانحہ ہے۔

مرحوم کی دینی خدمات لازوال ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، جے یو آئی کے سربراہ مولانا فضل الرحمن نے کہا ہے کہ پاکستان ایک معتدل، بلند پایہ، فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی گرانقدر علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، انہوں نے کہا کہ مرحوم متوازن افکار و نظریات کے حامل تھے، جنہوں نے اپنی تصانیف اور خطبات سے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، جدید فقہی مسائل پر ہمیشہ صائب موقف دیا، مولانا پیر عبد الشکور نقشبندی، وزیر داخلہ رانا ثناء اللہ، وزیر اعلیٰ بلوچستان عبد القدوس بزنجو مصطفی کمال اور پاکستان علماء کونسل حافظ محمد طاہر محمود اشرفی، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ ورلڈ کے امیر مرکزیہ مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ، مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج، مولانا محمد الیاس چنیوٹی، مولانا قاری شبیر احمد عثمانی، مجلس احرار اسلام کے امیر سید محمد کفیل بخاری، عبد اللطیف خالد چیمہ دیگر و نے مفتی رفیع عثمانیؒ کے نتقال پر تعزیت کا اظہار کیا ہے، انہوں نے کہا کہ مرحوم عالم اسلام کی عظیم علمی وروحانی شخصیت تھے، متعلقین اور اہل خانہ سے تعزیت کا اظہار کرتے ہیں، ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ہم مولانا مفتی محمد تقی عثمانیؒ اور مرحوم کے دیگر لواحقین وورثاء اور جامعہ دار العلوم کراچی کی انتظامیہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں انہوں نے مرحوم کے لیے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا کی، علاوہ ازیں مرکز ختم نبوت جامعہ عثمانیہ ختم نبوت چناب نگر میں مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور بلندی درجات کیلئے دعا کی گئی۔

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(عزیزالرحمان ابن مفتی محمد کلیم صاحب لوہاروی)

تعارف:

آپ مفسرِ قرآن و مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے فرزندِ ارجمند، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے بڑے بھائی اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحہ عارفیؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفا میں سے ہیں، آپ اپنے ملک و بیرونِ ملک کی جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔

نام:

محمد رفیعؒ ابن مفتی محمد شفیعؒ ابن مولانا محمد یاسین عثمانیؒ، آپ حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں سے ہیں، آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ آپ کا نامِ مبارک حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رکھا۔

ولادت:

آپ والاؒ کی ولادت ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۳۶ء کو ہندوستان کی مردم خیز سرزمین قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے قاعدہ بغدادی اپنے والدِ ماجد سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ حفظ میں داخلہ لیا، پندرہ پارے مکمل کیے تھے کہ آپ کو بھی اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ہم رکاب ہجرت کر کے کراچی منتقل ہونا پڑا، وہیں "جامع مسجد جیکب لائن" میں حفظِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا پھر "مسجد باب الاسلام" آرام باغ میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی اور یہ عظیم سعادت بھی آپ نے حاصل کی کہ ختمِ قرآن مفتیِ اعظم فلسطین الحاج امین الحسینیؒ نے کرایا۔

دارالعلوم کراچی میں داخلہ:

اس کے بعد آپ نے ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم کراچی نانک واڑہ کے درسِ نظامی میں داخلہ لیا، جن طلبہ سے دارالعلوم کراچی کا آغاز و افتتاح ہوا آپ ان میں پیش پیش تھے، بالآخر آپ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں درسِ نظامی سے فارغ التحصیل ہوئے، نیز اسی دورانِ طالب علمی میں آپ نے ۱۳۷۸ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کا امتحان بھی پاس کیا۔

تخصص فی الفقہ:

آپ نے اپنے والد ماجد کے زیرِ نگرانی برِ صغیر میں سب سے پہلے قائم ہونے والے شعبے "تخصص فی الافتاء" میں داخلہ لیا اور ساتھ میں درسِ نظامی کے ابتدائی درجات کے تین اسباق کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذۂ کرام کی ایک لمبی فہرست ہے، جن میں درجِ ذیل گرامی قدر شخصیات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں:

قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنیؒ، قاری رحیم بخش صاحبؒ، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مفتی ولی حسنؒ، مولانا سبحان محمود صاحبؒ، مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ، مولانا قاری رعایت اللہ صاحبؒ، مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ اور مولانا محمد حقیق صاحبؒ۔

مشائخ سے اجازت حدیث:

ان کے علاوہ آپ کو مندرجہ ذیل مشائخ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے: سابق مدرس مسجد حرام شیخ محمد حسن ابن محمد مشّاط مکی مالکیؒ، مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، شیخ زکریا کاندھلویؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا قاری طیب صاحبؒ، شیخ ابوزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ، شیخ یاسین فادانی مکیؒ، شیخ احمد کفتارُوؒ مفتی جمہوریہ سوریہ، شیخ عبداللہ ابن احمد ناخبیؒ۔

تدریسی خدمات کا آغاز:

درسِ نظامی سے باقاعدہ فراغت کے بعد آپ عالمِ اسلام کی عظیم دینی درس گاہ "جامعہ دارالعلوم کراچی" میں تدریس کی عظیم مسند پر جلوہ افروز ہو کر علمی ضیا پاشی میں مصروف ہو گئے، اور اس ذمے داری کو آپ نے نہایت جاں فشانی اور عرق ریزی سے نبھایا، آپ نے ۱۳۷۹ھ سے ۱۳۹۱ھ تک کی قلیل مدت میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت درسِ نظامی کے تقریباً تمام علوم و فنون کی کتابوں کی تدریس کا مرحلہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ طے کیا، ۱۹۳۱ھ سے آپ خالصۃً علمِ حدیث واصولِ افتا کی تعلیم و تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔

درس کی خصوصیات:

آپ اپنی قوتِ تفہیم کی بدولت مشکل ترین اور دقیق ترین مباحث کو ایسے آسان اور عام فہم انداز میں بیان کرتے کہ ہر طالب علم بخوبی مستفید ہو جاتا؛ حلِ کتاب پر خاص توجہ، غیر ضروری نکات و مباحث سے اجتناب، صحتِ عبارت و تلفظ پر خصوصی نظر، متنِ حدیث سے متعلق قدیم و جدید فقہی مسائل اور ان کے پسِ منظر کے ساتھ موجودہ حالات کے تناظر میں مختلف فکری، سیاسی اور معاشی تحریکات اور جدت پسندانہ نظریات کا ٹھوس، مدلل اور سنجیدہ علمی انداز میں تجزیہ، موقع بموقع اپنے مخصوص دلکش انداز میں مختلف علمی و تفریحی نشاط آفریں لطائف سے طلبہ کو محظوظ کرنا آپ کے درس کی خصوصیات ہیں۔

آپ کا دوران درس ایک قابلِ تقلید عمل:

کتاب میں مصنف یا کسی بزرگ کا اسمِ گرامی آئے تو نہایت احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے، خصوصاً نبیِ کریم ﷺ کا نامِ نامی آنے پر یہ تعظیمی کیفیت مزید بڑھ جاتی، واضح تلفظ کے ساتھ پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" ہر مرتبہ خود پڑھتے اور طلبہ کو بھی صحیح تلفظ کے ساتھ اس کے پڑھنے کی تلقین کرتے اور اس میں فروگزاشت (بھول چوک) نہیں ہونے دیتے، اس معاملے میں آپ نہایت حساس اور بے لچک تھے۔

مفتیِ اعظم کا لقب:

ویسے تو آپ مدظلہ تمام علومِ اسلامیہ پر تحقیقی عبور اور دسترس رکھتے ہیں مگر بنیادی طور پر آپ کے ذہن و مذاق اور فکر و نظر پر فقہ و افتا کی حکمرانی رہی، اللہ تعالی نے علمِ فقہ میں آپ کو جو دقتِ نظر، سلامتِ ذوق، وسعتِ مطالعہ، علمی تعمق، فکری جولانی، قوتِ استدلال و استنباط اور فقیہانہ فہم و بصیرت عطا کی ہے وہ کم ہی کسی علمی شخصیت کے نصیب میں آتی ہے؛ آپ کی ان

صلاحیتوں کو تسلیم کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے علمائے کرام کی چار سو سے زائد تعداد نے حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی صدارت میں منعقدہ "عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت" کے ایک نمائندہ اجلاس میں بالاتفاق آپ کو "مفتیِ اعظم پاکستان" کا خطاب دیا، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اور مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے بعد آپ تیسری شخصیت رہے جنھیں اس خطاب سے نوازا گیا۔

فتویٰ دینے میں آپ والا کا طریقہ:

فتویٰ دینے میں آپ کا طریقۂ کار وہی تھا جو آپ کے عظیم والدِ ماجد کا تھا، افتا میں آپ نہایت محدثانہ احتیاط اور اعلیٰ درجے کی فقیہانہ رواداری سے کام لیتے، جواب قرآن وسنت اور فقہائے کرام کی تعبیر کے مطابق واضح عبارت کے ساتھ دیتے، جواب میں نہایت غور وفکر سے کام لیتے، یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک ایک فتوے میں کئی دن لگ جاتے، آپ نے ہزارہا فتویٰ جاری فرمائے ہیں، ١٤٢٠ھ مطابق ١٩٩٩ کے اعداد و شمار کے مطابق آپ کے خود نوشت فتاویٰ کی تعداد ٣٤١١ اور تصدیق کردہ فتاویٰ کی تعداد ٤٢٦٧ اور مجموعی تعداد ٧٦٧٨ ہیں۔

تصوف وسلوک:

فقہِ ظاہر میں ممتاز مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ فقہِ باطن میں بھی بہت اہتمام سے مشغول رہے، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ خاص عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحہ عارفیؒ سے آپ کا اصلاحی تعلق رہا اور شیخ کے فیوض و برکات اور ان کے ارشادات اور اصلاحی مشوروں پر مکمل عمل پیرا ہو کر آپ نے سلوک کے منازل طے کیے اور اپنے شیخ کی نظر میں خصوصی مقام پا کر خلعتِ خلافت سے نوازے گئے، اس نعمت کو آگے منتقل کرنے کے لیے دیگر علمی وانتظامی مصروفیات کے باوجود عامۃ الناس کی اصلاح وتربیت کی ذمے داری بھی آپ بڑے حوصلے اور تدبر کے ساتھ انجام دی۔

حضرت والاؒ کے اوصاف:

آپ طبعی طور پر نہایت رقیق القلب تھے، ہر رقّت آمیز منظر، واقعہ اور خبر پر آپ کا آبدیدہ ہو جانا آپ کی طبعی خاصیت رہی، اسی وجہ سے آپ ہر عام وخاص اور خصوصاً طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے، اسی طرح فطری طور پر آپ شگفتہ مزاج، ہشاش بشاش اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے، اعتدال وتوسط، وقار ومتانت، حسنِ انتظام اور نفاستِ طبع، مردم شناسی اور اہلیت کی قدردانی، اصول وقوانین کی پاسداری، اصابتِ رائے اور فکری استقلال آپ کی امتیازی خصوصیات ہیں، ہر شعبے میں

اتباعِ سنت کا اہتمام، ورع و تقویٰ اور بطورِ خاص حقوق العباد اور مالی معاملات میں آپ کا تقوی گفتن کے بجائے دیدن سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت والاؒ کی قابلِ تقلید ایک خاص عادت:

آپ کی خاص عادت یہ ہے کہ آپ اپنے تمام بزرگوں اور علمی و دینی محسنوں سے بے پناہ محبت کرتے، خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحہ عارفیؒ اور اپنے والدِ ماجد سے آپ کی والہانہ محبت قابلِ رشک ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے بزرگوں اور اساتذہ کو ایصالِ ثواب کا خصوصی اہتمام فرماتے، ہر مہینے کم از کم ایک ختمِ قرآن کر کے اپنے والدین کے لیے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، اس کے علاوہ رمضان، تراویح وغیرہ میں جتنی تلاوت ہوتی ہے اس کا اپنے مرشدوں کو ایصالِ ثواب کرتے، جب بھی حج و عمرہ کرنے جاتے تو ایک عمرہ والد صاحب اور ایک والدہ صاحبہ کی طرف سے کرتے، اور تمام اساتذہ و مشائخ اور محسنین کی طرف سے طواف کرتے۔

حضرت والاؒ کی عبادت کا حال:

آپ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جنھیں اللہ رب العزت نے عبادت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، بڑھاپے کی حالت میں بھی جس خشوع و خضوع اور بے نظیر اہتمام کے ساتھ آپ طویل قیام و قراءت پر مشتمل نوافل ادا کرتے وہ قابلِ دید ہونے کے ساتھ قابلِ رشک بھی ہے، ہر وقت زبان پر ذکر و اوراد کے کلمات جاری رہتے، روزانہ کے معمولات، تلاوت، مناجات، تسبیحات اور خصوصاً ادعیۂ ماثورہ کی بڑی پابندی فرماتے، سفر ہو یا حضر کسی بھی صورت میں ناغہ نہیں ہونے دیتے۔

حضرت والاؒ کا قلم اور تصنیفات:

آپ اعلیٰ درجے کی ادبی اور تحریری صلاحیتوں سے مالا مال تھے، محتاط قلم کے مالک اور صاحبِ طرز مصنف تھے، آپ کے قلم میں حسنِ ترتیب اور موضوع کا بہتر احاطہ پایا جاتا ہے، آپ کی ہر تحریر اعتدال و توازن، جچے تلے اندازِ بیان، دلائل اور حقائق کے بالترتیب بیان کا حسین اور عمدہ نمونہ تھا، قدیم و جدید بیشتر موضوعات پر آپ کی تصنیفات ہیں: "عقائد میں مسئلۂ تقدیر کا آسان حل، علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح؛ حدیث شریف میں درسِ مسلم شریف، کتابتِ حدیث عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں، التعلیقات النافعۃ علی فتح الملہم؛ فقہ و اصول فقہ میں درسِ شرح عقود رسم المفتی، فقہ میں اجماع کا مقام، نوادر الفقہ، احکامِ زکوۃ، رفیقِ حج، بیع الوفاء، المقالات الفقہیۃ فی مجال التداوي، الاخذ بالرخص وحکمہ، سیاست و معیشت میں دینی جماعتیں اور موجودہ

سیاست، عورت کی سربراہی کا شرعی حکم، یورپ کے تین معاشی نظام، اسلام میں غلامی کا تصور، دینی مدارس اور نفاذِ شریعت، دو قومی نظریہ، اسلامی معیشت کی خصوصیات اور صنعتی تعلقات؛ اصلاح وارشاد میں متعدد کتب؛ سفر ناموں میں یہ تیرے پراسرار بندے، انبیا کی سرزمین میں، گلگت کے پہاڑوں میں یادگار آپ بیتی؛ سوانح میں حیاتِ مفتیِ اعظمؒ، میرے مرشد حضرت عارفیؒ؛ انگریزی میں

The three systems of economics in Europeاور

Signs of qiyamah and the arrival of Maseeh

اس کے علاوہ متفرقات میں علم الصیغہ مع اردو تشریحات ، الفضل الرباني في اسانيد محمد رفيع العثماني ، دوسرا جہادِ افغانستان، فقہ وتصوف، خدمتِ خلق وغیرہ کی تعبیر" قابل ذکر ہیں۔

آپ والا جامعہ دارالعلوم کراچی میں منصبِ صدارت کے ساتھ ساتھ درسِ مسلم شریف اور تخصص فی الافتاء کے شرکا کو وقت دیتے رہے نیز اہم مسائل اور استفتاءات کے جوابات دینا اور ان کی تصدیق اور تصویب کرنا بھی آپ کے اہم مشاغل میں سے رہا، ان سب کے علاوہ آپ کئی اصلاحی و تعلیمی تنظیموں کے سرپرست اور کئی اداروں کے مجلسِ شوریٰ کے فعّال رکن بھی رہے۔

اپنے ملک وملت کے لیے سیاست وانتظام، عدالت وقضا، معیشت واقتصاد اور تعلیم کے میدان میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، آپ نے متعدد سرکاری وغیر سرکاری عہدوں پر رہ کر گراں مایہ خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت والاؒ کا ذوقِ مطالعہ اور خطابت:

آخر عمر میں بھی طلبِ علم میں انہماک اور ذوقِ مطالعہ کی صفت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی نظر آئی، اکثر وبیشتر مطالعے میں رات کے ایک دو بج جاتے اور بسا اوقات رات کی طوالت کا بالکل پتہ نہیں چلتا، اچانک اذانِ فجر کی آواز رات کے ختم ہونے کا احساس دلاتی، ان تمام خوبیوں کے ساتھ اللہ تعالی نے آپ کو حسنِ خطاب سے بھی نوازا تھا، آپ کے خطبات وبیانات شریعت و طریقت کا حسین امتزاج ہوتے ہیں جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایا صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی۔

حضرت والاؒ کا فیض:

آپؒ کے علم و فضل سے دنیا کے بہت سے ممالک کے مسلمان کو استفادے کا موقع ملا، وقتاً فوقتاً آپ کو جن علاقوں میں دورہ کرنے کا موقع ملا ان میں برِاعظم ایشیا، برِاعظم افریقہ، برِاعظم یورپ، برِاعظم امریکا کے تقریباً ۵۰ ممالک شامل ہیں۔

انتقال پر ملال:

١٨ نومبر ٢٠٢٢ مطابق ٢٣ ربیع الآخر ٢٢٤١ھ شنبہ کی شب میں آپؒ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔(بحوالہ مقدمہ فتاویٰ دار العلوم کراچی (امداد السائلین) و مقدمہ نوادر الفقہ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الدنيا سجن المؤمن و جنة الكافر

دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

قید خانہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مؤمن جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ تو خوب سمجھ لیجیئے کہ قید سے مراد احکام الٰہی کی پابندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مومن احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے اور کافر احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتا۔ احکام خداوندی سے اپنے آپ کو آزاد رکھ کر زندگی گزارتا ہے۔ قرآن و سنت کی اور احکام الٰہی کی قید ہے جس میں ہر وقت ظاہری و باطنی اعمال کی بھی حفاظت کرنی پڑتی ہے، زبان، آنکھ، ہاتھ پیٹ اور ٹانگوں کے اعمال کی کڑی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ غرضیکہ ہر وقت گناہوں سے اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔ کافر کے سامنے تو عقیدہ آخرت ہے ہی نہیں اور اعمال کی جوابدہی کا کوئی تصور اس کے پاس نہیں، جنت و دوزخ کا ایمان اس کے پاس نہیں۔ وہ بس اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ کھانے پینے میں، پہننے اوڑھنے میں اور دیکھنے، چھونے میں جس طرح چاہتا ہے عمل کرتا ہے احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے۔

(اصلاحی تقریریں از مفتی محمد رفیع عثمانیؒ جلد 6 سے انتخاب)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ

(مولانا بدر الحسن القاسمی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طرح کے شرف و امتیاز سے نوازا ہے، اسلامی علوم وفنون میں مہارت اور علمی تحقیقی کاموں کا ذوق ہو یا رشد و ہدایت کے مراکز اور اصلاحِ قلب اور تزکیۂ نفس کا میدان ہو، یہی لوگ سیاسی توڑ جوڑ اور منصب و اقتدار کے لیے مکر و فریب سے دور حضور اکرم ﷺ کی علمی وراثت اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر و تقسیم کے مطابق آپ کی باطنی خلافت کی ذمے داریوں کو پورے اخلاص کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہیں۔ حضرت علامہ کشمیریؒ کے نامور شاگردوں میں علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ یہ سب اپنے زمانہ کے ممتاز عالم ہی نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک مستقل ایک متحرک کتب خانہ اور دائرۂ علم کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری طرف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بلند پایہ خلفا پر نظر ڈالیے تو وہ سب بھی اپنی اپنی جگہ پر رشد و ہدایت کے مراکز اور اصلاح و تربیت کا نشان نظر آتے ہیں، وہ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے وابستگان میں عقلا ہی رکھے ہیں اور ان کی حکمت مآب شخصیت نے علمائے کبار اور عقلائے روزگار کو ان کے گرد اکٹھا بھی کر لیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک طرف فقہ و افتا میں حضرت کے معتمد خاص اور ساری دنیا کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت علامہ کشمیریؒ کے علوم کا بھی وارث بنایا تھا اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سرچشمۂ رشد وہدایت اور تربیت و تزکیۂ نفس کا نمائندہ بھی۔

وہ بلاشبہ اکابر علمائے دیوبند کی خصوصیات کے وارث وامین تھے،ان کے اپنے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ایک لاکھ سے زائد فتوے اوران کی تالیف کردہ سیکڑوں اردواور عربی کی کتابیں اور رسائل ان کی عظمت کی گواہ ہیں،ان کی اردو تفسیر ''معارف القرآن''ہو یا عربی تفسیر ''احکام القرآن'' کے اجزا سبھی بے مثال ہیں۔اللہ رب العزت نے ان کو اولاد بھی ایسی عطا کی جو ایک سے بڑھ کرایک باکمال اور علم و عمل سے آراستہ نظر آتی ہے،خاص طور پر ان کے دو صاحب زادے: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کو اللہ رب العزت نے ایسا علمی مقام عطافرمایا اور ایسا عملی امتیاز بخشا جس کی نظیر برصغیر ہی نہیں عالم اسلام میں بھی مشکل سے مل سکتی ہے،آج جبکہ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ اپنے جانِ آفریں، خالقِ حقیقی کی آغوشِ رحمت میں پہنچ گئے ہیں تو یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۳۵۵ھ، مطابق: ۱۹۳۶ء کو دیوبند میں ہوئی تھی، باپ کا نام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے رکھا تھا اور بیٹے کا نام حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہم اللہ نے۔

دار العلوم میں زیرِ تعلیم ہی تھے کہ اپنے والد ماجد اور اہلِ خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ تقسیمِ ہند کے بعد کراچی پہنچ گئے،اساتذۂ کرام میں خود مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ،مولانا سبحان محمود صاحبؒ اور مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ جیسے باکمال رہے، علمی استفادہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ سے بھی کیا اور دیگر اہل علم سے بھی اور اپنے والد بزرگوار کی ہدایت پر اصلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر عبد الحہ عارفی رحمۃ اللہ علیہم سے قائم کیا اور اس طرح شیخ کی ہدایت کی پابندی کی کہ تقریروں سے روکا گیا تو دس سال تک تقریر سے باز رہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ جس پر ساری دنیا آج رشک کرتی نظر آتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی شخصیت بڑی خوبیوں کی حامل تھی،آپ ایک بلند پایہ اور بالغ نظر فقیہ اور مفتی تھے،ہزاروں فتوے آپ کی یادگار ہیں،آپ کو حدیث اور دیگر علوم سے بھی بھرپور مناسبت تھی،آپ نے ''عصرِ رسالت میں کتابتِ حدیث'' پر گراں قدر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم شریف کے درس کا خلاصہ یا اس کی مختصر اردو شرح بڑے شگفتہ انداز پر تحریر فرمائی ہے؛ جس کی ۲/ جلدیں انھوں نے مکہ مکرمہ کی ملاقات کے دوران عطا کی تھیں،علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''فتح الملہم'' پر عربی زبان میں تعلیقات بھی تحریر فرمائی ہیں، فقہی کتابوں کے ضمن میں آپ نے علامہ ابنِ عابدین کی ''شرح عقود رسم المفتی'' پر بھی عربی زبان میں تعلیقات اور حواشی قلم بند کیے ہیں۔ ''المقالات الفقہیہ'' کے نام سے عربی زبان میں ان کے تحقیقی مقالات دو جلدوں میں شایع شدہ ہیں،ان کے چند عربی زبان کے مختصر رسائل کانفرنس کے لیے لکھے گئے تھے جن میں سے ''الأخذ بالرخص، بیع الوفاء، ضابط المفطرات، الصوم في المذاهب الأربعة'' بین الاقوامی فقہ اکیڈمی

جدہ کی طرف سے شائع کیے گئے ہیں۔اردو کتابوں میں کتابت حدیث کے علاوہ ''تین معاشی نظام''، ''نوادر الفقہ''، ''احکامِ زکوٰۃ''، ''جناب مفتیٔ اعظم اور میرے مرشد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صحیح امام مسلم اور بعض دوسری حدیث کی کتابیں وہ ہمیشہ پڑھاتے رہے ہیں اور روایتی تعلیم کے علاوہ ان کو اپنے والد ماجدؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، شیخ حسن المشاط مکیؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے روایت حدیث کی خصوصی اجازت بھی حاصل تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات تو دارالعلوم کراچی میں اس وقت ہوئی تھی جبکہ میں لیبیا کے سفر سے ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کے ساتھ کراچی آیا تھا، دارالعلوم کراچی میں ہی حضرت ڈاکٹر عبدالحٔ عارفی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی پھر مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی معیت میں ان کی بعض مجلسوں میں حاضری کی بھی سعادت حاصل ہوئی اور عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی شخصیت کا گہرا نقش دل پر قائم ہوا۔

آج حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے انتقال کے حادثے پر اسی طرح کا احساس ہو رہا ہے، جس کا اظہار حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے ان کے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے انتقال پر دارالعلوم دیوبند کے ''نو درے'' میں اساتذہ اور طلبہ کے سامنے اپنے تعزیتی بیان میں کیا تھا۔ مفتی صاحب اور حضرت حکیم الاسلام کی تعلیم کا زمانہ تقریباً ایک ہی تھا اور دونوں ہی اکابر کے علوم کے امین اور علم و فضل کی دنیا کے بے تاج بادشاہ رہے اور ایک عالم ان کی صداقت و امانت اور نفاست کا گرویدہ رہا ہے، ایک ''فتویٰ'' کی شان اور وقار تھے تو دوسرے کو خطابت اور حکمت بیانی کی بے مثال قدرت حاصل تھی اور دونوں میں سے کسی کی نظیر ان کے ہم عصروں میں سے پیش نہیں کی جاسکتی، یہ رخصت ہو گئے۔

ان کے بعد اسی طرح آج حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کا جانا بھی عجیب المناک حادثہ محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ اپنے علم و فضل کے ساتھ ساتھ غیر معمولی اخلاقی عظمت اور قائدانہ اوصاف و خصوصیات کے حامل انسان تھے، بہت جلد گھل مل جانے والے، تواضع کے پیکر اور دنیا کے احوال پر گہری نظر اور زیر بحث مسائل پر واضح اور دوٹوک رائے رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں ''فتویٰ'' سے متعلق عالمی کانفرنس رابطہ عالمی اسلامی نے منعقد کی تو حضرت مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور مولانا تقی عثمانی مدظلہ دونوں ہی موجود تھے اور افتتاحی اجلاس میں شرکائے کانفرنس کی طرف سے نمائندگی مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ نے ہی کی، اس اجلاس میں مکہ کے گورنر شاہزادہ خالد الفیصل بھی موجود تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات کا سانحہ میرے نزدیک اس لحاظ سے بھی نہایت المناک ہے وہ اکابر دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ

کے ذہن ومزاج سے قریب اور شرعی نصوص کی ان کی بیان کردہ تشریح سے اپنے نامور برادرِ خورد کے ساتھ پورے طور پر آگاہ تھے، ان کا مزاج اپنے والد بزرگوار کی تربیت، حضرت تھانویؒ کے افادات پر عبور اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی کتابوں سے شغف اور حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا اثر نظر اور عملی تربیت نے ایسا بنا دیا تھا کہ اس میں فکری ناہمواری کے در آنے کی کہیں سے گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی؛ چنانچہ دونوں ہی ایک اکائی کی طرح اکابر کے علم، کتاب وسنت کی روح اور علمائے دیوبند کے ذوق ومزاج اور صحیح مسلک کے محافظ اور امین بن گئے تھے، اب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی ذات تنہا رہ گئی ہے۔

چند سال پہلے جب مولانا تقی عثمانی صاحب ہندوستان آئے اور دار العلوم دیوبند میں ان کے لیے استقبالیہ جلسہ کا اہتمام کیا گیا تو دار العلوم کے مدرس مولانا ریاست علی بجنوری صاحب نے ان کا تعارف کراتے ہوئے جو بات کہی تھی، اس کا ایک جملہ یہ بھی تھا کہ پہلے زمانے میں دار العلوم کا مسلک جاننے کے لیے لوگ یہاں آتے تھے اور اکابر دار العلوم سے رجوع کرتے تھے؛ لیکن آج صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ دار العلوم دیوبند کا صحیح مسلک جاننے کے لیے ہمیں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سے رجوع ہونے کی ضرورت ہے، جملہ اسی مفہوم کا تھا جو مجلہ ''البلاغ'' بھی میں شائع ہوا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ قریبی عہد کے بعض اساتذہ نے دار العلوم کے مسلک کو مشتبہ کر کے رکھ دیا ہے اور اپنی مزاجی بے اعتدالی اور ذہنی تہور اور کم علمی کی وجہ سے ایسے ایسے دعوے صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے اسباق میں کر ڈالے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

ابھی چند سال پہلے بعض خلیجی ملکوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے اور پٹرو ڈالر کو اپنی جماعت تک محدود رکھنے کے لیے بر صغیر میں چھوٹا سا ایک ایسا گروہ سر گرم ہو گیا جس کی خاصیت ہی بدگمانی اور بدزبانی ہے، فقہائے کرام کو نشانہ بنانے کے بعد اکابر علمائے دیوبند سے عرب نوجوانوں کو ان کی ناواقفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بدظن کرنے کی مہم شروع کر دی اور اسلم پاکستانی کے رسالے میں جس فتنے کی بنیاد ڈالی گئی تھی، اب کبھی ''القول البليغ في جماعة التبليغ'' اور کبھی ''الديوبندية'' کے نام سے اس کو ہوا دینے کی کوشش زور وقوت سے شروع ہو گئی۔

حضرت شیخ الہند پر قرآنی آیت میں تحریف کا الزام، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو نئے مدرس قرار دے کر ان پر تعصب کا الزام اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کی ''عبقات'' جو خالص کشفی علوم، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے موضوع پر ہے اس کو ''مجددانہ کارنامہ'' کتاب پڑھے اور سمجھے بغیر ہی قرار دے ڈالا۔ اس زمانے میں غلط فہمیوں کے ازالے اور غلط بیانیوں کے تدارک کے لیے میں نے ایک چھوٹا سا عربی رسالہ ''وجہ جدید'' کے نام سے لکھا تھا، تو بڑا سوال یہی سامنے تھا کہ ''دیوبندیت'' کیا ہے؟

اور مسلک دیوبند کی حدودِ اربعہ کی تعیین کس طرح کی جائے؟ اور اس میں مرجعیت کس کو حاصل ہے؟ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بے حد قیمتی ہے؛ لیکن وہ مناظرانہ انداز کا ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتاب مسلک کے معتدل ہونے کے بیان میں بے مثال ہے؛ لیکن فکری اور اعتقادی الرجی میں مبتلا گروہ کی شفایابی اس کے ذریعے شاید ممکن نہ ہو، بالآخر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اکابرِ دیوبند کے فتاویٰ کے جو مجموعے شایع شدہ ہیں، ان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے لے کر حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تک کے فتاوے ہی سند کی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ خوابوں کے مجموعے اور کرامات کی بھول بھلیوں میں ارشد القادری کے ''زلزلہ'' کا سارا مواد موجود ہے۔

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مرحوم اور مولانا محمد تقی عثمانی کی شخصیت ایک اکائی طرح تھی، ان دونوں نے اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی علمی و ذہنی تربیت اور حضرت ڈاکٹر عبدالحہ عارفی صاحب کی روحانی تاثیر کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کو جس طرح ہضم کیا ہے کہ ان کا مزاج ایک خاص سانچہ میں ڈھلا ہو، معلوم ہوتا ہے؛ جس میں فکری بے اعتدالی کی گنجائش ہے اور نہ مسلکی رجحان میں کتاب و سنت کی تعلیمات اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے جلووں سے دوری کا امکان، جس نے ان کو صحیح مسلک کا چلتا پھرتا ترجمان بنادیا تھا، نہ تو اس وقت صحیح مسلک کی باریکیوں کا ادراک کرنے والا اور نہ بالغ نظری سے ان کی تشریح کرنے والا کوئی اور ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وائمہ دین، فقہائے مسلمین رحمہم اللہ کا یا جمہور اہلِ سنت کا جو مسلک ہے، علمائے دیوبند اسی پر قائم اور اسی کے محافظ ہیں اور اسلام، ایمان اور احسان کے تقاضوں پر مضبوطی سے قائم ہیں اور ہر طرح کی بدعت اور فکری انحراف کے شدت سے مخالف۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ اور مولانا محمد تقی عثمانی دونوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت کی تعمیر کی طرف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی خاص توجہ رہی۔ دینی علوم کا سرمایہ تو خود اپنے گھر میں موجود تھا، پھر بھی اچھے اساتذہ سے تعلق، تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی خاص نظر، پھر خود اپنی تربیت میں رکھنے کے بجائے حضرت ڈاکٹر عبدالحہ عارفیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کرانا بھی حضرت مفتی صاحب کی حکیمانہ تدبیر تھی کہ باپ کی شفقت شاید اس درجہ کی نگرانی میں رکاوٹ ہو، اس لیے دوسرے ولیِ کامل کی مدد لی جائے اور انھوں نے بھی ان کو مانجھنے اور سنوارنے کا روحانی فریضہ پوری توجہ سے انجام دیا۔ ذرا سے خدشے کی بنیاد پر شہرت و مقبولیت کے باوجود تقریر کرنے پر مکمل پابندی لگادی جو دس سال تک جاری رہی اور دونوں بھائیوں نے اسے نہ صرف گوارہ کیا؛ بلکہ مکمل پابندی کی مثال قائم کردی۔ ایسی شخصیت جس کی فقہی بصیرت اور علمی قابلیت کا لوہا عالمِ اسلام کے علمی مراکز اور فقہی اکیڈمیاں مان رہی ہوں وہ اپنے شیخ کی ہر ہدایت کو بے چوں چرا تسلیم کرنے میں

کوئی حرج محسوس نہ کرے، اسے خود ہی ولایت کا اعلیٰ مقام قرار دیا جا سکتا ہے۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے شاگرد اور فیض یافتگان دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، انھوں نے بھی دنیا کے بہت سے ممالک دیکھے ہیں۔

انھوں نے دار العلوم کے انتظام و انصرام کا کام بھی بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا ہے، دار العلوم کی عمارت جس سلیقے سے تعمیر کی گئی ہے، درس گاہوں اور خاص طور پر دار الحدیث کا جو نظام رکھا گیا ہے، دیوبند کا دار العلوم تو ''پدرم سلطان بود'' کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے؛ لیکن دار العلوم کراچی کے یہ ذمے داران بنفسِ نفیس موجودہ زمانے کے پیچیدہ مسائل کا حل پیش کرنے میں عرب علماء سے آگے ہیں۔ ''تکملہ فتح الملہم''، ''فقہ البیوع''، ''المدونۃ الجامعۃ'' یہ سارے علمی کارنامے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے ہیں۔ مالی معاملات کے لیے شرعی معیار کی تدوین کا ادارہ دسیوں سال سے مولانا کی صدارت میں کام کر رہا ہے، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے وجود سے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو بھی بڑی حد تک یکسوئی تھی۔

موجودہ زمانے میں کس طرح کے عالم دین کی ضرورت ہے، اس سوال کا اب تک ایک ہی جواب ہے کہ موجودہ زمانہ کے عالم دین میں مولانا محمد رفیع عثمانیؒ اور مولانا محمد تقی عثمانی کی علمی اور عملی خصوصیات ہونی چاہییں، اب تک اس کی کوئی دوسری مثال خال خال ہی پیش کی جا سکتی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ اور مولانا محمد تقی عثمانی اپنے علمی کمالات اور بعض مزاجی خصوصیات میں فرق کے باوجود ساری زندگی دو قالب ایک جان کی طرح رہے، باہم عظمت اور شفقت نے ایسا توازن پیدا کر دیا تھا کہ وفات کے حادثے پر مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی زبان سے اپنے ایک بازو کے علاحدہ ہو جانے کا اظہار اس طرح ہوا کہ ''طالبِ علمی کے زمانے سے ہم ساتھ رہے، آج پچھتر سال کا ساتھ یکدم چھوٹ گیا''۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کو فردوس میں جگہ دے اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے دست و بازو کو مضبوط کرے اور انھیں اپنے حفظ و امان میں رکھے، ان سبھوں کا علمی فیض ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ مولانا کو بلاشبہ یہ کہنے کا حق ہے کہ :

و كنا كندمانَيْ جذيمة حقبة

من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كأني و مالكا

لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

(یعنی ہم دونوں جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ایک مدتِ دراز تک زمانے سے جدا نہیں ہوئے، یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ یہ دونوں تو کبھی جدا نہیں ہوں گے، لیکن جب ہم دونوں یعنی میں اور مالک ایک دوسرے سے جدا ہوئے، تو طویل زمانے تک ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات کے لیے بھی یکجانہ ہوئے ہوں)

سنت پر عمل

بہت سے لوگ سنت کا مطلب یوں سمجھتے ہیں مثلاً وضو کی سنتیں، نماز، روزہ اور حج کی سنتیں وغیرہ۔ ٹھیک ہے ان اعمال کی سنتیں بھی بہت اہم ہیں۔ ان کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے مگر سنت ان اعمال میں منحصر نہیں۔ سنت کا مفہوم بہت عام اور وسیع ہے۔ سنت سے مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز زندگی، رہن سہن کے طریقے، کھانے پینے کا انداز، چلنے پھرنے، گفتگو کرنے، ملنے جلنے، بیوی بچوں کے ساتھ معاشرت، دوستوں کے ساتھ برتاؤ اور دشمنوں کے ساتھ گزارا کرنے کا انداز وغیرہ وغیرہ۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز زندگی کا دوسرا نام ہے۔ بعض لوگوں کی اس بیان سے بہت ہمت ٹوٹتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں یتیمی بھی ہے، دشمنون کی گالیاں، اہل وطن کا دشمنیاں بھی ہیں، دانت مبارک کا ٹوٹنا بھی ہے اور فاقے بھی ہیں۔ ایک تکلیف تو نہیں بلکہ مشقت اور جفاکشی کی زندگی ہے۔ بہت سے لوگ ہمت ہارنے لگتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیسے کر سکتے ہیں؟

شیطان کہتا ہے کہ میاں اگر ایسا کرو گے تو مر جاؤ گے۔ وہ زمانہ اور تھا۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوتیں کچھ اور تھیں۔ تم ناز و نعمت میں پلے ہوئے ہو، تم ان سنتوں پر کیسے عمل کرو گے؟ چھوڑو ان سنتوں کو، زمانے کا ساتھ دو اور مزے اڑاؤ۔ لیکن میں بس آپ سے یہی کہوں گا کہ شیطان کی بات مت مانیئے۔ جن جن سنتوں پر عمل کر سکتے ہو، ان کو شروع کر دیجئیے۔ ان شاءاللہ اس طرح بیڑا پار ہو جائے گا۔ رہی دانت ٹوٹنے اور یتیمی وغیرہ کی بات تو ان سنتوں پر عمل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی اگر یتیم نہیں تو یتیم بن جاؤ اور جا کر کسی سے دانت تڑوالو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ تم پر ایسی مصیبتیں آجائیں تو ان آزمائشوں کا مقابلہ اس ہمت سے کرو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کی اتھا۔ اور شیطان سے کہہ دو کہ اگر ہم سے بڑے بڑے کام نہیں ہو سکیں کے تو ان کی وجہ سے ہم آسان سنتوں پر عمل کر ترک نہیں کریں گے۔

(اصلاحی تقریریں از مفتی محمد رفیع عثمانیؒ جلد 6 سے انتخاب)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ

(ابو عمار زاہد راشدی)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کچھ عرصہ قبل کراچی حاضری کے دوران ان کی بیمار پرسی کا موقع ملا تو والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا آخری دور یاد آ گیا، انہوں نے بھی ضعف و علالت کا خاصا عرصہ بسترِ علالت پر گزارا تھا اور میں ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ یہ ''من بعد قوۃ ضعفاً وشیبۃ'' کا اظہار ہے کہ جس بزرگ کے ساتھ ان کی جوانی کے دور میں پیدل چلنا بھی ہمارے لیے مشکل ہوتا تھا، آج وہ اپنے ہاتھ سے منہ میں لقمہ ڈالنے کی سکت نہیں رکھتے ''رہے نام اللہ کا''۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو دیکھ کر ماضی کے بہت سے مناظر ذہن میں تازہ ہو گئے اور تھوڑی دیر ان کے سامنے کھڑے رہ کر حسرت کے ساتھ وہاں سے نکل آیا، اب وہ اس مرحلہ سے بھی گزر گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت میں بلند سے بلند فرمائیں اور ان کے سب متعلقین کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اپنے والد گرامی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ العزیز کے فرزند و جانشین ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی، دینی اور سیاسی روایات کے امین و پاسدار بھی تھے۔ اور ان کی مختلف النوع سرگرمیاں دیکھ کر حضرت مفتی اعظمؒ کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی۔ بڑے مفتی صاحبؒ کی تو صرف زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، یا والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ سے وقتاً فوقتاً ان کا تذکرہ سنتے رہتے تھے جو ان دونوں کے استاذ محترم تھے اور علمی و فقہی مسائل میں ان کا مرجع بھی تھے کہ کسی بھی ضرورت کے وقت وہ راہنمائی اور فتویٰ کے لیے ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔

البتہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت فیوضہم کے ساتھ نیاز مندی کا تعلق عرصہ سے چلا آ رہا ہے، دونوں بزرگوں کی شفقتوں اور محبتوں سے فیضیاب ہوتا آ رہا ہوں، بلکہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ

اندرون ملک بہت سی مجالس میں شرکت کے علاوہ امریکہ اور برطانیہ کے بعض اسفار میں بھی رفاقت رہی ہے جو میری زندگی کے بہترین ایام میں سے ہے۔

مفتی صاحب مرحوم کے ذوق کا یہ پہلو میرے لیے ہمیشہ باعث توجہ رہا ہے کہ وہ علمی و دینی مجالس میں روایتی خطاب کی بجائے عوام اور علماء دونوں کے لیے راہنمائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور اجاگر کرتے تھے جن میں سے بعض باتوں کا میں اپنے مختلف کالموں میں ذکر کر چکا ہوں۔ موقع و محل کے مطابق ضرورت کے امور کو محسوس کرنا اور اس کے مطابق راہنمائی کرنا ان کا خاص ذوق تھا جو یقیناً علماء کرام کے لیے مشعل راہ ہے۔ وہ تربیت و اصلاح کی طرف بطور خاص توجہ دیتے تھے اور جہاں اس حوالہ سے کوئی کمی یا کوتاہی دیکھتے اسے نظر انداز کرنے کی بجائے اس کی نشاندہی کر کے اصلاح کی طرف متوجہ کرتے تھے۔

مفتی صاحبؒ متعلقہ امور میں مشورہ کرتے تھے اور مشورہ قبول بھی کرتے تھے اور حوصلہ افزائی کا معاملہ کرتے تھے۔ میں نے امریکہ کے ایک سفر میں ان سے گزارش کی کہ ہمیں اپنے فضلاء اور منتہی طلبہ کو موجودہ عالمی فکری و تہذیبی ماحول سے روشناس کرانے اور آج کے علمی، فکری اور ثقافتی مسائل پر ان کی تیاری کرانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بالخصوص بین الاقوامی قوانین و معاہدات اور ان کے عملی و تہذیبی اثرات سے انہیں آگاہ کرنا چاہیے جو ہمارے ہاں عام طور پر نہیں ہوتا۔ انہوں نے میری اس گزارش سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ مجھے دو تین بار اس بات کا موقع فراہم کیا کہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے شرکاء کے سامنے مختلف نشستوں میں اپنے ذوق کے مطابق عالم اسلام اور مغرب کی فکری و تہذیبی کشمکش کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر تفصیل کے ساتھ بیان کر سکوں۔

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ صاحبِ علم اور صاحبِ عمل تو تھے ہی، صاحبِ نسبت اور صاحبِ کردار بھی تھے۔ نئی نسل بالخصوص نوجوان علماء کرام کی ایسی جامع الاوصاف شخصیات سے شعوری ماحول میں وابستگی ہمارے دور کی اہم دینی ضروریات میں سے ہے، اور اس حوالے سے میری گزارش عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ بڑی شخصیات کے افکار و فیوض کو تحریری صورت میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ملاقاتوں اور مجالس کے ذریعے ان سے استفادہ زیادہ موثر اور نفع بخش ہوتا ہے اور نوجوان علماء کرام کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ گوجرانوالہ میں ایک بار تشریف آوری کے موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ جامعہ نصرۃ العلوم اور الشریعہ اکادمی میں بھی رونق افروز ہوئے اور آج کی فکری اور تعلیمی ضروریات پر اکادمی کی نشست میں بہت پر مغز گفتگو کی جو ہمارے لیے راہنمائی اور حوصلہ افزائی کا باعث بنی۔

حضرت مفتی صاحبؒ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن ان کی یادیں ان کی کمی کا احساس دلاتی رہیں گی۔ البتہ دل کو یہ تسلی ہے کہ ان کے بھائی اور ہم سب کے مخدوم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ہمارے درمیان موجود ہیں جو نہ صرف اپنے ملک کے علماء کرام اور دینی کارکنوں کے لیے رہبر و راہنما ہیں بلکہ دنیائے اسلام میں پاکستان کی علمی پہچان اور اہلِ حق کی آبرو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حضرت مفتی محمد رفیع صاحبؒ کے فرزند مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی اپنے والد گرامی کی تعلیمی اور اصلاحی جدوجہد کا تسلسل قائم رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی قیادت میں جامعہ دارالعلوم کراچی کو اپنے علمی، فکری اور دینی سفر میں مسلسل پیشرفت سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

ولی اللہ بننا کچھ مشکل نہیں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ لوگ ولی اللہ بننے کو کوئی مشکل کام سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے ذہنوں میں غلط تصور بیٹھا ہوا ہے، جبکہ ولی اللہ بننا کوئی مشکل نہیں ہے بلکہ انسان کے اختیار میں ہے اور حاضرین میں سے اگر ہر شخص اسی وقت ولی اللہ بننا چاہے تو اسی وقت ہر انسان ولی اللہ بن سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اسی وقت صدق دل سے پکی توبہ کرلے جس کی وجہ سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور یوں تم اللہ کے ولی بن جاؤ گے اور دوسرا کرنے سے پہلے پہلے تک تم اللہ کے ولی رہو گے۔ اور یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ولایت جیسا بڑا درجہ کتنا آسان فرما دیا ہے لیکن ہم لوگ اس بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔

(اصلاحی تقریریں از مفتی محمد رفیع عثمانی جلد 2 سے انتخاب)

محمد رفیع عثمانیؒ

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

(عبدالواحد سجاد)

جو بادہ کش تھے پُرانے، وہ اُٹھتے جاتے ہیں

کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی!

معروف اسکالر، عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ طویل علالت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے خوش بخت ہیں وہ لوگ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نبض کائنات تھم گئی ہے اور ان کے بچھڑ جانے سے ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا محمد رفیع عثمانیؒ بھی ایسے ہی عظیم لوگوں میں شامل تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، کراچی یونیورسٹی اور ڈاؤ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ رکن، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور زکوۃ و عشر کمیٹی سندھ کے رکن اور سپریم کورٹ آف پاکستان اپیلٹ بینچ کے مشیر بھی رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے ان کا نام حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے رکھا۔ ان کے والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم اور تحریک پاکستان کی سرخیل شخصیات میں سے ایک تھے۔ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانیؒ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔

مولانا محمد رفیع عثمانیؒ نے نصف قرآن دارالعلوم دیوبند میں حفظ کیا اور پاکستان میں ہجرت کے بعد آرام باغ کی مسجد باب الاسلام میں حفظ قرآن کی تکمیل کی، اور آخری سبق فلسطین کے مفتی اعظم امین الحسینیؒ سے پڑھا۔

1951 میں اپنے والد کی قائم کردہ دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی نانک واڑہ میں درس نظامی کی تعلیم کے لیے داخلہ لیا،ان کا شمار دارالعلوم کے اولین طلبہ میں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے 1960 میں عالم، فاضل، مفتی کی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کی ڈگری حاصل کی اور جامعہ دارالعلوم کراچی سے ہی تدریس کا آغاز کیا۔ 1971 میں دارالافتااور دارالحدیث کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انہوں نے 1976 میں اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے انتقال کے بعد دارالعلوم کراچی کا انتظام سنبھالا اور ان کی کاوشوں سے دارالعلوم کراچی کا شمار آج پاکستان کے بڑے تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانیؒ نے بخاری شریف، حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ، مسلم شریف، حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ، موطا امام محمد اور سنن نسائی حضرت مولانا سبحان محمودؒ، سنن ابی داؤد، حضرت مولانا رعایت اللہؒ اور جامع ترمذی حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ سے پڑھیں۔ سنن ابن ماجہ کے بعض حصے حضرت مولانا محمد حقیقؒ سے پڑھے، اور تکمیل حضرت مولانا ریاضت اللہؒ سے کی۔ انھیں حضرت مولانا حسن بن محمد المشاطؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمھم اللہ سے اجازت حدیث حاصل تھی۔

انھوں نے حضرت مولانا عبد الحئی عارفیؒ کے بعد دارالعلوم کراچی کے رئیس الجامعہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم کراچی میں 1380ھ سے 1390ھ تک درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ 1391ھ سے مدرسہ میں حدیث اور افتاء کے علوم پڑھائے۔ انھوں نے دارالعلوم کراچی میں صحیح مسلم کا تدریس بھی فرمائی۔ 1980ء کی دہائی کے آخر میں حضرت مولانا محمد رفیع عثمانیؒ نے سوویت یونین کے خلاف جہاد میں حرکت الجہاد الاسلامی کے ساتھ حصہ لیا۔

انھوں نے ہمیشہ طلباء کو سیاست سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ 1995ء میں مفتی اعظم پاکستان مولانا ولی حسن ٹونکیؒ کے انتقال کے بعد فقہ و فتاویٰ کی اعلیٰ ترین خدمات کی بناپر انھیں باتفاق علمائے دیوبند پاکستان کی طرف سے مفتی اعظم پاکستان کے لقب سے نوازا گیا۔ مولانا محمد رفیع عثمانیؒ نے عربی اور اردو میں تقریباً 27 کتابیں تصنیف کیں۔ 1988ء سے 1991ء تک انھوں نے ایچ یو جے آئی سے متعلق اپنی یادوں کو دارالعلوم کراچی کے اردو ماہنامہ البلاغ کے علاوہ اردو روزنامہ جنگ اور ماہنامہ الارشاد میں شائع کروایا، جو بعد میں ''یہ تیرے پر اسرار بندے'' کے عنوان سے مستقل کتاب میں بھی شائع ہوئیں۔

ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔احکام زکوۃ، علامات قیامت اور نزول مسیح ،التعلیقات النافعۃ علی فتح الملہم، بیع الوفا، یورپ کے تین معاشی نظام، جاگیرداری، سرمایہ داری، اشتراکیت اور ان کا تاریخی پس منظر؛ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ "The three systems of economics in Europe: feudalism، capitalism، socialism and their historical background" کے نام سے الگ سے شائع ہوا ہے۔ علم الصیغہ، یہ کتاب بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش، انگلینڈ، جنوبی افریقہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مدارس میں ''درس نظامی'' کے نصاب میں پڑھائی جاتی ہے۔

حیات مفتی اعظم، کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں۔

میرے مرشد حضرت عارفی

نوادر الفقہ

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی 18 نومبر 2022 کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے: آمین۔

مولانا محمد رفیع عثمانیؒ کی رحلت سے پاکستان ایک معتدل، بلند پایہ، فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا، ان کی گرانقدر علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ مرحوم متوازن افکار و نظریات کے حامل تھے جنہوں نے اپنی تصانیف اور خطبات سے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی اور جدید فقہی مسائل ہمیشہ صائب موقف دیا۔

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ

ایک روشن چراغ۔۔۔

(عبدالمتین منیری۔ بھٹکل)

ایک ایسے وقت جب کہ مسلمانان ہندوپاک کو بردبار، سنجیدہ اور معاشرے کے تمام طبقات کو ساتھ لے کر چلنے والی اور ملی وملکی تنازعات میں ثالثی کی صلاحیت رکھنے والی دانش مند قیادت کی ضرورت پہلے سے زیادہ تھی، کراچی سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے اس جہان فانی سے کوچ کرنے کی غم ناک خبر موصول ہوئی ہے۔ ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کو علماء نے مفتی اعظم پاکستان کے باوقار منصب پر فائز کیا تھا۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر کے چوٹی کے مفسرین قرآن، فقہاء اور مفتیان کرام میں ہوتا ہے، آپ اپنے عظیم والد ماجد کے حقیقی معنوں میں جانشین تھے۔

آپ کی ولادت مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۳۶ء بھارت کے مردم خیز قصبے دیوبند میں ہوئی تھی، ولادت پر آپ کا نام اپنے وقت کے عظیم مصلح حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے محمد رفیع رکھا تھا، آپ کے تینوں بھائیوں مولانا محمد ذکی کیفی،، اور مولانا محمد ولی رازی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے مختلف دینی وعلمی میدانوں میں بڑی ناموری پائی، آخر الذکر کو تو اس وقت نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک دینی وفقہی امور میں اہم مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔

آپ نے ابھی دیوبند میں حفظ قرآن شروع کیا تھا اور نصف قرآن ہی مکمل کر پائے تھے کہ تقسیم ہند کا المیہ پیش آیا، اور آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ مئی ۱۹۴۸ء صغر سنی ہی میں پاکستان ہجرت کر گئے، شاید اللہ تعالی کو اس خاندان سے اس نئی بستی میں اپنے دین کی سربلندی کا عظیم کام لینا مقصود تھا۔

کبھی ہم سوچتے ہیں کہ تقسیم ہند اور پھر اس کے نتیجے میں اپنے جائے پیدائش کو چھوڑ کر نئے ملک کو آباد کرنا کتنی غیر دانشمندی کی بات تھی۔ لیکن جب بعد کے حالات کو دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ جن علماء واکابرنے اپنی زمین چھوڑی اور دیار غیر میں ہجرت کی تو اس میں اللہ کی کوئی بڑی حکمت پوشیدہ تھی، دیکھئے یہی چند افراد تھے جنہیں ہاتھ کی انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے، جنھوں نے نئے ملک کے چپے چپے پر دینی تعلیم کے دار العلوم اور مراکز قائم کئے، اور ارشاد واصلاح کی مسندیں بچھادیں، اگر اللہ تعالی نے اس وقت ان کے دل میں یہ بات نہ ڈالی ہوتی تو اسلام کے نام پر قائم شدہ یہ ملک شرک وبدعات کی سب سے بڑی آماج گاہ بن گیا ہوتا، اور یہاں پر صحیح دین بتانے والوں کا کال پڑ گیا ہوتا، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے کسم پرسی کے عالم میں ویران بستیوں میں علم دین کی شمعیں روشن کین، اور دار العلوم اور جامعات قائم کر کے صحیح دین کی تفہم اور پیغام واشاعت کے لئے اپنی اپنی عمریں نچھاور کردیں، اگر تخمینہ لگایا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ تناسب کے لحاظ سے علمائے حق کے ماننے والوں کی مملکت خداداد میں اکثریت نہیں ہے، بدعات اور غلط پیر پرستی کا ہر طرف غلغلہ ہے، لیکن دینی تعلیمی میدانوں پر نظر دوڑائیں تو اپنی تعداد کے تناسب سے ان کے نامور ادارے زیادہ نظر آتے ہیں، یہ ان بزرگان دین کی تقسیم کے ہنگامے اور فتنے کے زمانے میں اپنائی گئی حکمت عملی تھی، جس کا پھل آج کی نسلیں کھارہی ہیں۔

مفتی رفیع عثمانی رحمۃاللہ علیہ نے آرام باغ، باب الاسلام کراچی میں حفظ قرآن مکمل کیا، اور حفظ قرآن کا آخری سبق مفتی اعظم فلسطین شیخ امین الحسینی رحمۃاللہ علیہ کے ساتھ پڑھا، آپ ۱۹۵۱ء میں اپنے والد ماجد کے قائم کردہ دار العلوم کراچی میں داخل ہوئے، جہاں سے آپ نے ۱۹۶۰ء میں درس نظامی مکمل کیا، اسی دوران آپ نے ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی اور منشی کے امتحانات پاس کئے، ۱۹۶۰ء میں آپ نے افتاء کا کورس مکمل کیا۔

دار العلوم کراچی میں آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ، مولانا سبحان محمودؒ، مولانا سلیم اللہ خانؒ، وغیرہ کا نام آتا ہے، اور جن اکابر سے آپ نے حدیث کی اجازت لی تھی ان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ جیسے عظیم علماء و محدثین شامل ہیں۔

اپنے والد ماجد کی سرپرستی میں آپ نے تدریس وافتاء سے وابستگی اختیار کی،اور عارف باللہ حضرت مولانا عبد الحہ عارفی رحمۃاللہ علیہ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی رحلت کے بعد آپ دارالعلوم کراچی کے صدر نامزد ہوئے،اور تادم آخر اپنی اس ذمہ داری کو کامیابی سے نبھاتے رہے۔

اس ذمہ داری کے ساتھ آپ پاکستان علماء کونسل،اسلامی نظریاتی کونسل،رویت ہلال کمیٹی،حکومت سندھ زکوۃ کونسل کے رکن رہے،شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان کے مشیر،اوراین ای ڈی یونیورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی اور جامعہ کراچی کی سنڈیکیٹ کے رکن رہے،اور وفاق المدارس کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے۔

انتظام وانصرام سے وابستہ رہنے کے باوجود آپ نے (۲۷) کتابیں یادگار چھوڑیں،جن میں البلاغ کراچی،اور جنگ کراچی کے مضامین کے علاوہ،پراسرار بندے،احکام زکوۃ،عالم قیامت،التعلیقات النقیۃ،بیع الوفاء،اسلام میں عورت کی حکمرانی،حیات مفتی اعظم،کتابت حدیث عہدرسالت یاعہد صحابہ میں،میرے مرشد حضرت عارفیؒ۔نوادر الفقہ وغیرہ۔

مولانائے مرحوم کو ہمیں دومرتبہ قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا،پہلی مرتبہ 1995ء میں جب ابوظبی میں موتمر الفقہ الاسلامی جدہ کی کانفرنس میں دونوں بھائی مولانا مفتی محمد رفیعؒ اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی تشریف لائے تھے،اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے القصیص میں قدیم تبلیغی مرکز میں علماء کا ایک اجتماع رکھا گیا تھا،ان حضرات کی میزبانی اس وقت ہمارے دوست سلمان احمد صدیقی صاحب نے کی تھی،اس وقت ان حضرات کا مستقل دوتین دن ساتھ رہا،بازار میں خریداری کے لئے جانا ہوا، جس سے محسوس ہوا کہ اپنے چھوٹے بھائی کی بہ نسبت آپ زیادہ خوش پوشاک وخوش خوراک ہیں،اللہ نے وجاہت بھی دی تھی، کلائی میں رولکس گھڑی بڑی سجتی تھی۔دراصل ان حضرات کا ذریعہ معاش دارالعلوم کی خدمت پر منحصر نہیں تھا،ان کے بھائی مولانا محمد ذکی کیفی مرحوم نے جن کا عین جوانی میں انتقال ہوا تھا،پاکستان میں کتابوں کی اشاعت کا کاروبار کافی پھیلایا تھا۔دیوبند، ندوۃ المصنفین دہلی وغیرہ کی کتابیں انہی حضرات کے اداروں سے شائع ہوا کرتی تھیں۔خود والد ماجد اور ان کی اپنی تصانیف تھی جن کی بڑی مارکیٹ تھی۔مفتی صاحب کو ہم نے خوش مزاج پایا،دوسری بار ۲۰۰۸ء میں پاکستان ایسوسی ایشن کی دعوت پر آپ کی تشریف آوری کے موقعہ پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔

ایک ایسے وقت جب کہ پاکستان میں فرقہ وارانہ منافرت کا بھوت اپنا منہ پھلائے ہوئے رطب ویابس کو نگل رہا ہے، آپ جیسی شخصیات بڑی غنیمت تھیں،اپنے والد ماجد کی طرح یہ بھی مسلکی اور نظریاتی اختلاف رہنے کے باوجود انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے تھے،عقیدے اور نظریاتی اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ ایک میز پر بیٹھنے میں انہیں عار نہیں محسوس

ہوتا تھا، بعض دفعہ مفتی صاحبؒ کی بردبارانہ حکمت عملی کو ان کے ہم مسلک لوگوں نے برداشت نہیں کیا، اور آپ کے خلاف غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے زبانیں کھولیں، اس کے باوجود اعلی مفاد کی حفاظت کے لئے آپ نے ان باتوں کو در خور اعتناء نہیں سمجھا، اور اپنی زبان کو داغ دار نہیں کیا۔

آپ کے زیر اہتمام دار العلوم کراچی نے بڑی ترقی کی، ۱۹۷۶ء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد سے نصف صدی کا طویل عرصہ اس ادارے نے آپ ہی کے زیر اہتمام گذارا، نہ جانے اس دوران کتنی نسلیں قال اللہ وقال الرسول کی شمعیں لے کر یہاں نسلیں نکلیں، جن سے قیامت تک دنیا کو روشنی ملتی رہے گی، اور ان شاء اللہ ان سے آپ کے درجات بلند ہوتے رہیں گے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے، اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

سب سے زیادہ متقی کون؟

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ باعزت انسان کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو لوگوں میں سب سے زیادہ تقوی والا ہو وہ سب سے زیادہ کریم اور باعزت انسان ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ-اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ-اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (الحجرات آیت 139)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

یعنی عزت کا مدار حسب و نسب پر نہیں بلکہ عزت کا مدار تقوی پر ہے خواہ اس تقوی کو اختیار کرنے والا بہت ہی نیچے کے نسب کا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے نہیں ڈرتا، نافرمانی کرتا ہے وہ خواہ کتنے ہی اونچے نسب کا ہو اللہ کے نزدیک معزز نہیں بلکہ عذاب کا مستحق ہے۔

(اصلاحی تقریریں از مفتی محمد رفیع عثمانیؒ جلد دوم سے انتخاب)

انتقال کر جانے والے مفتی رفیع عثمانیؒ کی دینی اور سماجی خدمات پر ایک نظر!

(ذرائع ڈاٹ کام)

سفرِ زندگی:

آپؒ 21 جولائی 1936ء کو متحدہ ہندوستان میں واقع دیوبند میں پیدا ہوئے اور تحریک پاکستان کے رہنما مفتی اعظم پاکستان دارالعلوم کراچی کے بانی مفتی شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔

دینی خدمات:

آپؒ پاکستان کے موجودہ مفتی اعظم اور مشہور درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے رئیس الجامعہ ہونے کے علاوہ 30 سے زائد کتابوں کے مصنف، مفسر قرآن، فقیہ تھے۔ تحریک پاکستان کے کارکن اور قیام پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان کی جدوجہد کے ایک دینی رہنما کے طور پر جانے جاتے تھے۔

شجرہ:

مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 میں دیوبند میں اس وقت پیدا ہوئے جب ان کے والد مفتی محمد شفیعؒ دارالعلوم دیوبند میں استاد تھے۔ آپ شیخ الاسلام جسٹس ریٹائرڈ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔

دارالعلوم کراچی میں خدمات:

مرحوم مولانا رفیع عثمانیؒ نے ساری زندگی دارالعلوم کراچی کے احاطے میں اپنے والد کی مسند علم وارشاد پر قرآن وسنت کی تعلیم دیتے گزاری۔ مرحوم کے دادا مولانا محمد یاسینؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے استاد تھے ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا۔ جنہوں نے درس مسلم، دو قومی نظریہ، نوادر الفقہ، پراسرار بندے ان کی اہم کتابیں لکھیں۔

علالت:

مرحوم کئی ماہ سے علیل تھے اور بزرگی کی وجہ سے جسمانی طور پر کمزوری کا شکار تھے اُس کے باوجود آپؒ معمول کے مطابق دارالعلوم پہنچ کر خدمات انجام دیتے تھے۔آپؒ کی تدفین دارالعلوم کراچی کے احاطے میں واقع قبرستان میں ہوگی۔

انتقال پُر ملال:

صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر داخلہ، وفاقی کابینہ، جے یو آئی سربراہ مولانا فضل الرحمان، جسٹس ریٹائرڈ مولانا تقی عثمانی، گورنر سندھ کامران ٹیسوری، وزیر اعلی سندھ سید مراد علی شاہ، اہلسنت والجماعت کے صدر مولانا اورنگزیب فاروقی، دارلعلوم بنوریہ کے مہتمم مولانا نعمان، پی ایس پی کے صدر انیس قائم خانی، چیئرمین سید مصطفی کمال اور قاری محمد عثمان سمیت دیگر مذہبی وسیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے مفتی اعظم پاکستان صدر دارالعلوم کراچی مفتی محمد رفیع عثمانی کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

مولانا فضل الرحمان نے کہا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات سے پاکستان ایک معتدل، بلند پایہ، فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا، انہوں نے اپنی تصانیف اور خطبات سے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، ان کی وفات سے دل رنجیدہ اور غمزدہ ہے ان کی وفات ایک بڑے بھائی اور شفیق بزرگ کی وفات ہے۔ جامعہ دارالعلوم کراچی اور خصوصا برادر مکرم مفتی تقی عثمانی اور مولانا زبیر اشرف عثمانی کے غم میں برابر کی شریک بلکہ ہم خود غمزدہ ہیں ان کی وفات حسرت آیات عالم اسلام کے لئے عظیم سانحہ ہے۔

وزیر اعلی سندھ سید مراد علی شاہ نے کہا ہے کہ مفتی رفیع عثمانیؒ کا انتقال عالم اسلام کیلئے عظیم سانحہ ہے ان کی دینی خدمات لازوال ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اہلسنت والجماعت کے صدر علامہ اورنگزیب فاروقی کا کہنا ہے کہ مفتی رفیع عثمانیؒ کی گرانقدر علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، مفتی صاحب مرحوم متوازن افکار و نظریات کے حامل تھے۔

چیئر مین پاک سر زمین پارٹی سید مصطفی کمال نے محترم مفتی اعظم پاکستان و صدر جامعہ دار العلوم کراچی جناب حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ کے انتقال پر گہرے افسوس اور صدمے کا اظہار کیا ہے۔ دین کے لیے انکی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، حضرت مفتی رفیع عثمانیؒ کے لواحقین، علماء اور شاگردوں سے دلی تعزیت اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔

تقوی پر جمے رہنے کی برکت

ایک صاحب کا اصلاحی تعلیق میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے تھا، اور اب بھی وہ پانچوں وقت کی نماز یہیں (دار العلوم کراچی) میں پڑھتے ہیں۔ اس وقت یہ نوجوان تھے اور نیوی میں ملازم تھے۔ اگرچہ فوج میں اب تو داڑھی رکھنے کی اجازت ہو گئی ہے لیکن ان کے وقت میں اجازت نہ تھی۔ ان کا پرانا افسر تو ان کا خیال رکھتا تھا لیکن نئے افسر کے آنے پر جب یہ پریڈ میں کھڑے ہوئے تو اس نے کہا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ داڑھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اس نے کہا کہ کل اس کو منڈوا کر آنا۔ یہ بیچارے خاموش ہو کر رہ گئے اور اگلے دن بھی اسی حالت میں چلے گئے، اسی افسر نے کہا کہ میں نے تمہیں کہا بھی تھا لیکن تم نے کہنے کے باوجود داڑھی کیوں نہیں منڈوائی؟ اب کل اس کو منڈوا کر آنا۔ وہ صاحب پریشان ہو کر حضرت والد رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا۔ بتاؤ! کیا تمہیں اللہ پر اتنا بھروسہ ہے کہ اگر ملازمت چھوٹ جائے تو کچھ دن تنگی برداشت کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! مجھ میں اور میرے گھر والوں میں اللہ تعالی کے فضل سے اتنی ہمت ہے اتنا یقین ہے۔ اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر داڑھی مت منڈواؤ، اللہ کی طرف سے ان شاء اللہ نصرت ہو گی۔ چنانچہ اگلے دن وہ پھر ڈیوٹی پر گئے، وہ افسر ان کو اسی حالت پر دیکھ کر آگ بگولہ ہو کر کہنے لگا کہ اگر کل داڑھی منڈوا کر نہ آئے تو میں تمہیں نکال دوں گا۔ یہ بیچارے پریشان ہو کر پھر حضرت والد صاحب کے پاس آئے اور سارا ماجرا پھر سنایا۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا گھبراؤ مت! قرآن کا وعدہ ہے

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ(سورة الطلاق آیت 2)

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔

چنانچہ اگلی صبح اسی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب وہ گئے تو معلوم ہوا کہ اس افسر کا تبادلہ ہو گیا ہے۔ پھر اللہ تعالی نے ان کو ترقی عطاء فرمائی اور وہ ملازمت پوری کرنے کے بعد اب بہت خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔

(اصلاحی تقریریں از مفتی محمد رفیع عثمانیؒ جلد 2)

میرے محبوب چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ

ایک عہد ساز شخصیت

(سعود عثمانی)

میرے چچا مفتی اعظم پاکستان اور صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا محمد رفیع عثمانیؒ ایک عہد ساز اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، میرے والد گرامی جناب محمد زکی کیفی کو (شاید میر کا) ایک شعر بہت پسند تھا۔

وہ وہم میں نہ گزرا کبھی اہلِ ہوش کے

دنیا سے لطفِ زیست جو دیوانہ لے گیا

میں اپنے پیارے چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے بارے میں سوچتا ہوں تو لگتا ہے یہ شعر ان پر صادق تھا۔ کیسی کمال کی زندگی گزاری انہوں نے۔ کیسا لطف زیست لیا جو کسی بادشاہ کے وہم میں بھی نہ گزرا ہوگا۔ اس لطف کا نہ مال و دولت سے تعلق ہے۔ نہ عہدے اور منصب سے اور نہ فراغت و مشغولیت سے۔ یہ تو زندگی کا ایک چلن، ایک سلیقہ، ایک طرز فکر ہے۔ اور کیا آپ نے کسی دکان پر زندگی کا چلن، سلیقہ، طرز فکر فروخت ہوتے یا خریدے جاتے دیکھے ہیں؟ جگر صاحب نے یونہی تو نہیں کہا تھا کہ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں/فیضان محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں۔

20 نومبر کے دن جب ہم نے محبوب چچا مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانیؒ کو (اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے) سپرد خاک کیا تو بچپن سے آج تک کی وہ تمام چلتی پھرتی تصویریں ایک ایک کر کے آنکھوں کے عدسے دھندلا رہی تھیں، جن میں چچا موجود تھے۔ ان کے علم و عمل، ان کے مقام و مرتبے کا ہم بے علموں کو نہ اس وقت اندازہ تھا، نہ اب تک ادراک ہے۔ اور اس دائرے میں قدم دھرتے ہوئے میرے تو پاؤں جلتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ علمی مرتبے پر بات میرے لیے ممکن نہیں ہے اور ذاتی

اور خاندانی حوالوں سے بات کروں تو خود ستائی کا اندیشہ ہے۔ تاہم میرے لیے تو یہی ممکن ہے کہ خاندان کی ایک مرکزی شخصیت اور محبوب چچا کی حیثیت میں ان کی کچھ یادیں تازہ کر سکوں۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جیسے ہم بے علم چچا جان کے ان احوال و مقامات کا اندازہ نہیں کر سکتے جو اہل علم اور صاحبان کمال ہی کو نصیب ہے، ٹھیک اسی طرح بہت سے علمی طبقات بھی ان خصوصیات کا اندازہ نہ کر پائیں گے جو ان کی خاندانی زندگی میں ہمارے مشاہدے میں آتی رہی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے وہ ہم سب کے بھی نہایت محبوب تھے۔

آخری بار لاہور کے سفر، نومبر 2022 میں جب وہ میرے گھر بھی تشریف لائے تو ان کی صحت کے بارے میں میرے پوچھنے پر کچھ ذکر کے بعد کہا۔ ''خیر بھئی! اللہ نے بہت اچھی گزروائی۔ خوب کھلایا، پلایا، پہنایا، ہر طرح نوازا۔ اب یہ صحت کے معمولی مسائل ہیں تو ان کا کیا ذکر کریں''۔ اور یہ تشکر ان کی ساری زندگی کا چلن تھا۔ زندگی سے شکوہ تھا ہی نہیں، کچھ ہوتا بھی تو شکر کے سمندر میں اتر جاتا۔

اپنے پیارے چچا محمد مفتی رفیع عثمانیؒ کے بارے میں لکھنے بیٹھا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ آہستہ روزمانہ کتنا تیز رفتار ہے۔ ہمارا ارد گرد کتنا کچھ بدل کر ہمیں بھی کتنا بدل چکا۔ میری اولین یادوں میں چچا رفیع کی جو شبیہ موجود ہے اس میں ان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہے۔ وہ ان کی بھرپور جوانی کی تصویر ہے۔ وجیہہ، خوش پوشاک، خوش مزاج اور خوش گفتار چچا رفیع۔ جو پہننے اوڑھنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، گھومنے پھرنے کے شوقین تھے۔ جو سراپا محبت تھے اور محبت کے اظہار پر یقین رکھتے تھے۔ زمانہ وہ تھا جب ہمارے وہ بڑے موجود تھے جو ان کے بھی بڑے تھے۔ میرے عظیم المرتبت دادا مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع اور میرے باکمال، صاحب دل والد جناب زکی کیفیؒ خاندان کی سب سے بڑی شخصیات میں تھے۔

چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کا سسرال لاہور میں تھا، اور تھا بھی ہمارے ہمسائے میں۔ اس لیے ان کا اکثر لاہور آنا جانا رہتا تھا۔ مجھے وہ منظر کل کی طرح یاد ہے جب چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور چچا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ جنوبی افریقہ کے سفر سے واپسی پر لاہور تشریف لائے اور اور ان کے ساتھ ایک بڑی سی مشین تھی جس میں آواز محفوظ کر لی جاتی تھی، اسے ٹیپ ریکارڈر کہتے تھے اور اس میں چرخیوں کے فیتے پر آواز تحریر ہو جایا کرتی تھی۔ اسے سپول ٹیپ Spool tape کہتے تھے۔ ان دنوں ہمارا بہترین مشغلہ حیرانی اور خوشی سے وہ آوازیں سننا ہوتا تھا جو چند لمحوں قبل چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور چچا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے اس میں ریکارڈ کی ہوتی تھیں۔ سال میں ایک دو بار ہمارا بھی کراچی جانا ہوتا تھا اور یہ ایسا ہی تھا جیسے اپنے ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل

ہونا۔ زمانہ ہی اور تھا، اب لگتا ہے کہ دنیا ہی اور تھی۔ ہفتوں اور مہینوں کے لیے کراچی جانا ہوتا تھا اور اس کے مواقع نکل ہی آتے تھے۔

وہ محفلیں اب تک دلوں اور آنکھوں کے بہترین اثاثے ہیں جن میں دادا ابا کی تمام یا اکثر اولاد اکٹھی ہوتی تھی۔ پانچوں بیٹے۔ اکثر بیٹیاں اور ان کی اولادیں۔ ایک دوسرے سے نہایت بے تکلف، اور محبت کرنے والے۔ ایک سے بڑھ کر ایک بذلہ سنج، جملے باز، خوش مزاج، اور خوش گفتار۔ میں گننا چاہوں تو ان محفلوں کو گن بھی نہیں سکتا۔ ایک محفل کی تصویر دوسری محفلوں کے ساتھ گڈ مڈ ہونے لگتی ہے۔ کیا کچھ نہیں تھا ان میں۔ بچپن اور ماضی کے قصے، واقعات، جملے، اور یادیں۔ بات بے بات قہقہے گونجتے تھے اور مسکراہٹیں کھلتی تھیں۔ شاعری ان محفلوں کا ایک اہم حصہ ہوتی تھی۔ ان دنوں بھی ہماری بہترین تفریح ان بڑوں کی محفلوں میں بیٹھنا تھا جہاں وہ کچھ ملتا تھا جو کہیں اور نصیب نہیں تھا۔

انہی محفلوں کی ایک یاد چچا مفتی محمد تقی عثمانیؒ کی شادی بھی ہے۔ چچا رفیع بھی ان محفلوں کی جان تھے۔ وہ خود شاعر نہیں تھے لیکن باقی بہن بھائیوں ہی کی طرح شعر و ادب کا نہایت عمدہ ذوق رکھنے والے اور سخن شناس تھے۔ البتہ ایک بار میں نے ان سے سنا تھا کہ میں نے زندگی میں ایک شعر ضرور کہا ہے۔ اور انہوں نے وہ عمدہ شعر سنایا بھی تھا۔ ممکن ہے کہیں محفوظ بھی ہو۔ کراچی میں تو دراصل ہم دادا اور دادی جان کے مہمان ہوا کرتے تھے جن کے ساتھ عم مکرم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (اللہ انہیں صحت اور توانائیوں کے ساتھ لمبی عمر عطا کرے) بھی اپنے گھرانے کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ لیکن ہم بچوں کا اصل ٹھکانہ اس گھر سے ملحق چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور چچی جان کا گھر ہوا کرتا تھا جہاں ہمیں ہم عمروں کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور تفریح کے زیادہ مواقع ملتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے شور و غل سے دادے ابا، اور دادی اماں کے آرام میں خلل نہ ہو، جو اکثر صاحب فراش رہتی تھیں۔ گھروں کے ملحق ہونے کی وجہ سے یہ گویا ایک ہی گھر تھا۔ کھانا بھی اکثر و بیشتر ایک ہی جگہ ہوتا اور بڑوں کی محفلوں میں بھی سبھی موجود ہوا کرتے تھے۔

کیا کیا بد تمیزیاں کی ہیں ہم نے اس زمانے میں۔ کیسی کیسی گستاخیاں ہوئی ہوں گی لاڈ اور پیار میں۔ کچھ کا تو اچھی طرح پتہ ہے، کچھ کا شاید کبھی پتہ بھی نہ چلے کیوں کہ ہماری محبت میں سب کچھ ہنس کر ٹال دیا جاتا تھا۔ چچا رفیع کا وہ گھر ایک بیٹھک، ایک سونے کے کمرے، ایک سٹور، ایک غسل خانے، باورچی خانے پر مشتمل تھا۔ برآمدہ اور لان ان کے علاوہ۔ لیکن اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس گھر میں جس میں دراصل صرف ایک کمرہ تھا، چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور چچی جان نے بہت طویل عرصہ گزارا۔ جبکہ ان کے چار بیٹے بیٹیاں بھی موجود تھے جو اس وقت سب چھوٹے تھے۔ پھر ہم بھتیجے بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں بھی ان

کی محبت کی وجہ سے وہاں پہنچ جاتے تھے بلکہ کہنا چاہئیے کہ مسلط ہو جاتے تھے۔اب خیال آتا ہے کہ ہمارے شور ہنگامے، بھاگ دوڑ سے وہ کتنے تنگ ہوتے ہوں گے۔

لیکن مجھے کبھی یاد نہیں کہ انہوں نے ہمیں ڈانٹا ہو، یا ہم نے ان کے ماتھے پر ناگواری کی شکن دیکھی ہو۔وہ تو خاندان کے ہم سب چھوٹے بڑے بچوں کو اکٹھا دیکھ کر نہال ہو جایا کرتے تھے۔اور ہم سب کی محبت ان کے رگ و ریشے سے پھوٹتی تھی۔ان کے ذرائع آمدن اس وقت بھی محدود تھے اور بہت بعد تک بھی یہی صورت حال رہی۔ایسے میں ان کے اپنے شوق،ایک بڑی سسرال میں ربط ضبط، مسلسل مہمان داری۔حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کیسے ہوتا ہوگا۔انہیں کھانے پینے کا بھی شوق تھا اور کھلانے پلانے کا بھی۔ہر شہر اور ہر جگہ کے اچھے کھانے ان کے علم میں ہوتے تھے۔اسی طرح انہیں پودوں، پیڑوں اور باغبانی کا بھی بہت شوق تھا جس کے لیے وہ آخر عمر تک وقت نکالتے تھے۔

میں نے بہت سے پودوں اور بیلوں کے نام پہلی بار انہی سے سنے۔ان کے پرانے گھر میں بھی اور بعد کی تعمیر میں بھی پھل دار، پھول دار، خوشبو دار پیڑوں اور پودوں کی بڑی تعداد تھی۔مجھے یاد ہے کہ ان کے پرانے گھر میں جہاں ہم بچوں کا زیادہ ٹھکانہ لان اور شہتوت، شریفے کے درخت تھے، چمپا کا ایک خوبصورت سفید پھولوں والا درخت بھی لگا ہوا تھا۔ایک بار میں کھیلتے ہوئے اس کے ایک بڑے ٹہنے پر چڑھ گیا۔چمپا کی ٹہنیاں نازک ہوتی ہیں۔وہ بڑا ٹہنا تڑاخ سے ٹوٹ گیا۔ہمیں اس درخت سے چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی محبت کا علم تھا اس لیے نتائج کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔عینی گواہ کم تھے اس لیے میں نے طے کر لیا کہ مجھ سے پوچھیں گے تو میں صاف مکر جاؤں گا۔چچا شام کو آئے اور انہیں اطلاع ملی تو وہ چمپا کی طرف آئے۔انہوں نے بچوں سے کچھ پوچھا نہ مجرم کا تعین کیا۔بس یہ کہا کہ ہائے! کیسا خوب صورت پودا تھا۔کیسا نقصان ہو گیا۔بس اتنا ہی۔نہ ڈانٹ نہ غصہ نہ ہم پر پابندی۔ لیکن ان کی دکھ بھری آنکھیں اور چہرہ مجھے اب تک یاد ہے۔

اگر میں یہ قسم کھاؤں کہ ہمارے محبوب چچا مفتی رفیع عثمانیؒ جیسا اپنے بھتیجوں بھتیجیوں، بھانجوں بھانجیوں سے بے پناہ محبت کرنے والا اور محبت کے مسلسل اظہار میں سب پر فائق ہمارے خاندان میں اور کوئی نہیں تھا تو یہ قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔اور اس سے بڑھ کر اگر یہ کہنا ہو کہ میں نے کسی اور خاندان میں بھی ان صفات کا کوئی اور بزرگ کبھی نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس قسم میں بھی سچا ہوں گا۔اگر میں یہ کہوں کہ ان کے رعب اور دبدبے کا ہمہ وقت احساس ہونے، ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں پر ان کی بھرپور نظر رہنے اور اس کا خوف ہونے کے باوجود وہ ہمارے بہترین دوست تھے، تو یہ بات بھی بالکل سچ ہوگی۔اور اس دوستی کا کریڈٹ انہی کی خوش مزاجی، نرمی اور بے تکلفی کو جاتا ہے۔

لیکن ایک اور بات جو گھر سے باہر کے لوگوں کو جاننے کا اشتیاق ہوتا ہے، ان آخری لمحات کا ذکر ہے جن سے گزر کر عم مکرم آخری سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ یادوں کا ذکر مؤخر کرتے ہوئے اس آخری دن کے آخری لمحات کا ذکر کردوں تو بہتر ہوگا۔ لگ بھگ دو سال قبل جب عم مکرم چچا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ صاحب کو کووڈ تشخیص ہوا اور دیگر پیچیدگیوں نے بھی جسم میں راہیں تلاش کرلیں، تو فیصلہ یہی کیا گیا کہ انہیں ہسپتال میں داخل نہ کروایا جائے اور گھر پر ہی مکمل علاج کی بہترین سہولتیں فراہم کرلی جائیں۔ چنانچہ آئی سی یو کی ضروری مشینیں، مونیٹرز اور آلات بھی مہیا کرلیے گئے اور ایک ماہر آئی سی یو سپیشلسٹ کا بھی ہمہ وقت بندوبست کرلیا گیا۔ اسد اس سے قبل میرے بھائی جان محمود اشرف عثمانیؒ کی بھی بے مثال خدمت کرچکے تھے۔

چچا جان کے بے شمار جاں نثار شاگردوں میں مولانا انس صاحب بھی دن رات خدمت میں رہتے تھے۔ ان دونوں ساتھیوں کو اللہ کریم بہترین اجر عطا فرمائے کہ انہوں نے خیر خواہی اور خدمت کا حق ادا کردیا۔ 18 نومبر 2022 جمعۃ المبارک کو چچا جان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ رپورٹس بھی بہتر آئی تھیں خاص طور پر گردوں کی رپورٹ۔ جمعہ کے وقت انہوں نے خدمت گار سے کہا کہ مجھے مسجد لے چلیں۔ خدمت گار نے ہدایات کے مطابق یہ مناسب نہ سمجھا۔ گھر میں صرف چچی جان موجود تھیں۔ ان سے باتیں کیں اور خاص طور پر بیٹے کے بارے میں پوچھا جو اس وقت اپنے گھرانے کے ساتھ برطانیہ کے سفر پر تھے۔ عصر اور مغرب کے بیچ اسد کے دوست ان سے ملنے آئے تو انہوں نے ذرا دیر کے لیے جانے کی اجازت چاہی۔ چچا جان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے فرمایا کہ آپ کے دوست ہمارے بھی دوست ہیں، انہیں یہیں بلا لیں۔

چنانچہ وہ دوست ان کے کمرے میں آگئے اور چچا جان ان سے باتیں کرتے رہے۔ پھر کہا کہ ان کی خاطر مدارات کیجیے، انہیں لسی پلوائیے۔ دارالعلوم کی لسی بہت اچھی ہوتی ہے اور چچا جان کو بھی مرغوب تھی۔ یہ لگ بھگ شام سات بج کر سولہ منٹ کی یعنی انتقال سے پندرہ بیس منٹ قبل کی بات ہے۔ ان صاحب کے رخصت ہونے کے بعد چچا جان نے پانی مانگا۔ پینے کے بعد طبیعت بگڑنے لگی۔ اندازہ ہے کہ شاید دل کا دورہ ہوا۔ آکسیجن لیول ایک دم گر گیا۔ آئی سی یو کے ماہر کے طور پر اسد نے ممکنہ تمام کوششیں کیں۔ اور انہیں کے ساتھ چچا مفتی تقی عثمانی صاحب کو، جن کا گھر متصل ہے، اطلاع دی۔ مفتی تقی عثمانی صاحب تشریف لائے تو حالت تشویشناک تھی اور آکسیجن لیول زیرو تک گرا ہوا تھا۔ انہوں نے سورۃ یاسین کی تلاوت شروع کی۔ ڈاکٹر راستے میں تھے اور اس دوران دل کی بحالی کی کوششیں جاری رہیں۔ لیکن سب بے سود تھیں۔ وہ گھڑی آن پہنچی تھی جو ٹل نہیں سکتی اور جس کی تیاری چچا رفیع صاحبؒ نے اپنے علم، عمل، کردار، گفتار سے تمام عمر کی تھی۔

چچا مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ان آخری لمحات میں نہ کوئی تکلیف، نہ بے چینی، نہ آواز، نہ اضطراب، نہ کوئی تغیر۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ بس جانے والا اٹھ کر اس راہ پر چلا گیا تھا۔ جس پر بالآخر ہم سب نے جانا ہے۔

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ

دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

آپ اور ہم اس غم اور اس جدائی کا اندازہ تو کر سکتے ہیں جو ہمارے دلوں پر زخم ڈال کر گزر رہے ہیں۔ لیکن عم مکرم چچا مفتی تقی عثمانی (اللہ انہیں صحت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے) کے غم کا شاید اندازہ بھی نہ ہو سکے۔ اللہ تعالی نے انہیں بے پناہ ضبط، صبر، حوصلے سے نوازا ہے اور ہم نے زندگی کے بے شمار مراحل پر ان کے مشاہدے کیے ہیں۔ خود اپنی کمزور صحت کے باوجود انہوں نے جنازے، تدفین ور دیگر معاملات کے جس طرح بر وقت فیصلے کیے، وہ کسی اور سے ممکن نہیں تھا۔ یہ سب فیصلے بھی کیے جاتے رہے اور دار العلوم میں تدریس کا سلسلہ بھی معمول کے مطابق جاری رہا۔ دار العلوم کے مزاج کے مطابق میڈیا پر تشہیر کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ خبر تھی کہ تیز ہوا میں آگ کی طرح پھیلتی جا رہی تھی اور غم تھا کہ ایک سینے سے دوسرے میں سفر کر رہا تھا۔

اتوار کے دن صبح 9 بجے کے قریب لاکھوں لوگ جنازے میں شرکت کے لیے امڈ آئے تھے۔ اور ملک کے ہر حصے سے لوگوں کے پہنچنے اور راستے میں ہونے کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ جامعہ دار العلوم کورنگی کی بڑی مسجد، جس میں ہزاروں افراد کی جگہ ہے، چھوٹی پڑ چکی تھی اور دار العلوم اور چار دیواری کے باہر امام کے پیچھے ہر طرف صفیں بنی ہوئی تھیں۔ دار العلوم کے باہر کورنگی روڈ بلاک تھی۔ رینجرز اور پولیس کے انتظامات کے باوجود کسی طرح یہ ممکن نہیں تھا کہ جنازے کو یہ تمام افراد کندھا دے سکیں۔ ہم میت کے ساتھ دار العلوم کے نورانی قبرستان پہنچے جہاں میرے دادا، دادی، نانا، بھائی جان، چچا، ماموں سمیت بے شمار محبت کرنے والے شاید ان کے انتظار میں تھے۔

چچا جان کو آخری آرام گاہ اپنے والدین کے عین بیچوں بیچ نصیب ہوئی تھی۔ اس دن محبت کرنے والوں نے ایک آفتاب کو سپرد خاک کرتے ہوئے اپنے حصے کی مٹی اس ڈھیری پر ڈالی۔ ''اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور اسی کی طرف تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے دوبارہ نکال کھڑا کریں گے''۔ اس دن جب میں نے مٹھی بھر کر قبر پر ڈالی تو صاحب قبر کے لیے میرے دل نے یہ شعر بھی پیش کر دیئے۔

صدا سمیٹ دی، لطف سخن لپیٹ دیا

قضا نے حسن بیاں دفعتا لپیٹ دیا

میں دیکھتا رہا اس پر بہار چہرے کو

پھر اس کے بعد کسی نے کفن لپیٹ دیا

تھی اس کی آخری منزل سرور و چین کے بیچ

یہ کون لاڈلا سویا ہے والدین کے بیچ

سنت اور بدعت کی مثال

سنت اور بدعت کی مثال سمجھ لیجئے۔ آپ تختہ سیاہ پر کوئی ہندسہ لکھیں اور پھر اس کے دائیں طرف صفر (ہندسہ) لگائیں تو وہ دس گنا بڑھ جائے گا۔ پھر ایک صفر لگائیں تو اور بڑھ جائے گا غرضیکہ جتنے صفر لگاتے جائیں گے وہ ہندسہ بڑھتا رہے گا۔ یہ سنت کی مثال ہے کہ اس پر عمل کرنے سے نیکیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ اس ہندسے کے بائیں طرف صفر لگاتے رہیں تو عدد میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ آپ جتنے صفر لگانا چاہیں لگاتے رہیں، لیکن اس سے عدد کی قیمت میں کوئی فرق نہیں الٹی ساری محنت بے کار جائے گی۔ یہ بدعت کی مثال ہے کہ اس کے ارتکاب سے نیکیوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

(اصلاحی تقریریں از مفتی محمد رفیع عثمانیؒ جلد 4)

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ، مدتوں یاد رکھے گی دنیا!

(انور غازی)

عربی کا مشہور و مقبول مقولہ ’’موت العالم، موت العالم‘‘ کہ ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہوتی ہے، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی وفات پر سو فیصد صادق آتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب بیک وقت پختہ حافظِ قرآن، جید عالم دین، ثقہ مفتی، بہترین مصنف، کامیاب مدرس، خوش الحان خطیب، عمدہ منتظم، پیر طریقت، رہبر شریعت، مصلح اعظم، ادیب شہیر، مستند محقق، شیریں زبان مبلغ، استاذ الاساتذہ، وفاق المدارس کے سرپرست اعلیٰ، عالم اسلام کے بے مثال تعلیمی ادارے جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر تھے۔آپ رویتِ ہلال کمیٹی کے رکن، اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر اور سپریم کورٹ کے مشیر بھی رہے۔ اسی طرح این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی اور کراچی یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ ممبر بھی رہے۔ سندھ حکومت کی زکوۃ کمیٹی اور ایک درجن سے زائد امتحانی بورڈز کے رکن و مشیر بھی رہے۔

آپ عالمی شخصیت تھے، چنانچہ پوری مسلم دنیا میں جہاں کہیں بھی دین اسلام، اشاعت اسلام اور مسلمانوں کا کوئی بھی بڑا مسئلہ ہوتا تو اس کے حل کے لئے آپ سے رجوع لازمی کیا جاتا۔ اس کیلئے آپ نے پوری دنیا کے بے شمار سفر کئے۔ آپ اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی تھے۔ پوری دنیا خصوصاً پاکستان میں فرقہ واریت کا خاتمہ چاہتے تھے، اس کیلئے حکومتی و نجی سطح پر انتھک کوششیں کیں۔ چند سال پہلے پاکستان کے مشہور تعلیمی ادارے جامعۃ الرشید کے سالانہ کانووکیشن میں تشریف لائے تو اسی موضوع پر گفتگو کی کہ تمام مسالک کے رہنماؤں کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے جدوجہد کریں۔ اس پروگرام میں حکومتی مشیر، وزراء اور تمام طبقات و مسالک کی کریم جمع تھی اور پھر اس حوالے سے بہترین اور مدلل بیان کیا جسے ہر سطح پر سراہا گیا۔

آپ نے علمی، فکری، ادبی اور دیگر موضوعات پر 3 درجن سے زائد مقبول عام کتابیں لکھیں، جن میں درس مسلم، دو قومی نظریہ، نوادر الفقہ، یہ پُراسرار بندے اور دیگر شامل ہیں۔ آپ سینکڑوں اداروں کے اعزازی سرپرست اور لاکھوں شاگردوں

کے استاد تھے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 86 برس تھی۔ 21 جولائی 1936ء میں ہندوستان کے شہر دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مفتی شفیع عثمانیؒ اور آپ کے دادا مولانا محمد یاسینؒ دارالعلوم دیوبند کے بڑے استاذ تھے۔ ان کا شمار اس وقت کے سرکردہ مذہبی رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ تحریک پاکستان میں اس پورے خاندان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور استحکام پاکستان میں ان کی اولاد مفتی رفیع عثمانیؒ، مفتی تقی عثمانی، مولانا ولی رازی، محمد ذکی کیفی اور دیگر عثمانی خاندان کے افراد نے بہترین کردار ادا کیا۔ پاکستان کی سلامتی کو جب کبھی کوئی خطرہ لاحق ہوا تو مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور ان کے بھائی مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنی تمام تر توانائیاں اس میں لگادیں۔ ہر بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ گزشتہ کئی مہینوں سے علیل تھے۔ علالت کے باجود معارف القرآن کا درس دیتے اور اصلاح خلق کا کام کرتے تھے۔ جمعہ کی شام 18 نومبر 2022ء کو طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوئی۔ اللہ اللہ کا ورد زبان پر جاری تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ انتقال کی خبر جنگل میں آگ کی طرح آناً فاناً پوری دنیا میں پھیل گئی۔ لاکھوں کی تعداد میں آپ کے شاگرد، عقیدت مند، مریدین اور عوام زار و قطار رونے لگے۔ آپ کی وفات حسرت آیات سے تمام مسلمانوں اور عالم اسلام کو شدید ترین صدمہ پہنچا۔ آپ کے انتقال پر وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ، گورنر سندھ کامران ٹیسوری سمیت تمام نمایاں سیاستدانوں، مذہبی رہنماؤں، سماجی و عالمی شخصیات سب نے انتہائی افسوس اور گہرے رنج و ملال کا اظہار کیا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کو دنیا مدتوں یاد رکھے گی۔ حضرت مفتی صاحب اپنے خطبات اور بیانات میں دو باتوں پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ ایک یہ کہ دنیا کے سامنے دین اسلام کا درست نقش اور صحیح چہرہ پیش کریں۔ دوسرا یہ کہ ہر معاملے میں اتباعِ سنت کا اہتمام کریں۔ ہر کام کو انتہائی نظم و ضبط اور صفائی و سلیقہ کے ساتھ کریں۔ آپ پیارے اور انتہائی مشفق استاذ تھے، سب سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ "جہاد بالقلم" کر رہے ہیں، قلم کے غازی ہیں۔ ہماری تمام خواتین و حضرات سے دست بستہ درخواست ہے کہ وہ مفتی اعظم پاکستان کی کامل مغفرت کے لئے دستِ دُعا بلند کریں۔ کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں کہ مرحوم کے لئے بہترین توشہ یہی ہے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ: ایں خانہ ہمہ آفتاب است

(نصیر احمد سلیمی)

تاریخ پیدائش: 21 جولائی 1936ء دیوبند۔ تاریخ وفات 18 نومبر 2022ء کراچی

دارالعلوم کراچی کے شیخ الجامعہ (صدر) مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی رحلت سے ہمارا ملک نہ صرف علومِ دینیہ کے ایک بڑے فقیہ سے محروم ہو گیا، بلکہ تحریکِ پاکستان میں قائدِ اعظم کی قیادت میں سرگرم حصہ لینے والے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (جو مفتی محمد شفیعؒ صاحب کے پھوپھی زاد بھائی تھے) اور مفتی محمد شفیعؒ کے خاندان کے ایک اور چشم وچراغ سے بھی محروم ہو گیا۔

تحریکِ پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ کا ایک اہم کارنامہ صوبہ سرحد (اب خیبر پختونخوا) میں ریفرنڈم میں کامیابی ہے جس کے لیے انہوں نے دیگر علماء و مشائخ کے ساتھ بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ خود مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے اپنے تینوں بڑے بھائیوں ذکی کیفی، محمد رضی، ولی رازی اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ دیوبند کے گلی کوچوں میں تحریکِ پاکستان میں عملی حصہ بھی لیا تھا۔ (یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ قائدِ اعظم کی نماز جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی اور قائدِ اعظم کی بہن مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی نماز جنازہ مفتی محمد شفیعؒ نے پڑھائی تھی۔)

میں مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے علمی مرتبے پر گفتگو کا اہل اس لیے نہیں کہ میں اس کوچے کا شناور نہیں ہوں۔ البتہ محبت کا رشتہ اُن سے ضرور ہے۔ اُن کی دینی خدمات پر سیر حاصل گفتگو تو اہلِ علم کا کام ہے جو وہ بخوبی کر رہے ہیں۔ میں نے ایک صحافی کے طور پر اور ذاتی ملاقاتوں میں انہیں اور ان کے خاندان کو جس طرح دیکھا یہ تحریر انہی تاثرات پر مبنی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تو دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے، جب کہ مفتی رفیع عثمانیؒ کے والد محترم مفتی محمد شفیعؒ نے بھی قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کو مستحکم کرنے اور دستور سازی کے مرحلے میں رہنمائی کا فریضہ ادا کیا تھا۔

مفتی محمد شفیعؒ اُن تمام مکاتبِ فکر کے 31 علماء میں بھی نمایاں کردار ادا کرنے والوں میں سے ایک تھے جنہوں نے دستور ساز اسمبلی کی رہنمائی کے لیے متفقہ طور پر 22 نکات مرتب کیے تھے بلکہ حکومت نے دستور ساز اسمبلی کی رہنمائی کے لیے

بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ کے نام سے جو ادارہ قائم کیا تھا اُس کے پہلے صدر علامہ سید سلیمان ندویؒ اور سیکرٹری جنرل مولانا ظفر احمد انصاریؒ کو بنایا گیا تھا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے انتقال کے بعد اس کی صدارت کے منصب پر مفتی محمد شفیعؒ فائز ہوئے۔ یہ ادارہ 1956ء کے دستور کی منظوری تک برقرار رہا۔

مفتی محمد شفیعؒ نے قومی امور میں منہمک ہونے کے باوجود اپنی توجہ دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے دارالعلوم کے قیام پر مرکوز رکھی، جس کا سلسلہ تقسیم کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا، جو 1951ء میں دارالعلوم کراچی کے نام سے عملی شکل میں سامنے آیا۔

دارالعلوم کراچی کے قیام کے لیے ابتدا میں جو جگہ حاصل کی گئی تھی یہ جگہ وہ تھی جہاں آج اسلامیہ کالج قائم ہے اور جہاں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ مدفون ہیں، مگر وہ منصوبہ سازشوں کی نذر ہو گیا تھا، جس کے بعد 1951ء میں دارالعلوم کا قیام نانک واڑہ کی ایک عمارت میں عمل میں آیا۔ لیکن جلد ہی اللہ نے جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی اعانت سے کورنگی میں دارالعلوم کے قیام کے لیے 55 ایکڑ کی زمین عطا کر دی جہاں درس و تدریس کے لیے درکار ضروری تعمیرات کے بعد درسِ نظامی کا شعبہ نانک واڑہ سے کورنگی کی عمارت میں منتقل ہو گیا۔

یہاں اس کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ مفتی محمد شفیعؒ نے دارالعلوم کی پہلی انتظامی کمیٹی میں علماء سے زیادہ دیگر حضرات کو منتخب کیا تھا۔ اس کمیٹی میں مفتی محمد شفیعؒ صدر، اور اُن کے داماد مولانا نور احمد مرحوم ناظم تھے، اور علماء میں تیسرا نام مولانا متین خطیب کا تھا۔ بقیہ لوگوں میں حکیم محمد سعید شہید، مولانا ظفر احمد انصاری، شجاعت علی مرحوم (اکائونٹنٹ جنرل ملٹری اکائونٹس) اور پین اسلامک اسٹیم شپ کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر اور تاج ریسٹورنٹ کراچی کے مالک حاجی محمد سلیمان مرحوم تھے۔ نانک واڑہ کی عمارت کو شعبۂ حفظ و تجوید کے لیے مختص کر دیا گیا جہاں یہ کام اِس وقت بھی جاری ہے اور ساتھ ہی حفظِ قرآن کا نیا شعبہ کورنگی میں بھی قائم ہوا۔

محترم مفتی شفیعؒ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس شعبے کی نگرانی کے لیے قاری فتح محمدؒ صاحب (نابینا) کی اعزازی خدمات حاصل کیں۔ ان کو قرآن پاک ایسا حفظ تھا کہ تراویح پڑھاتے ہوئے کبھی کسی کو لقمہ دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں بڑے بڑے حفاظ قرا شامل تھے (قاری فتح محمد صاحب 1970ء کے اوائل میں مدینہ ہجرت کرنے سے قبل دارالعلوم نانک واڑہ میں ہی مقیم رہے)۔ قاری فتح محمد صاحب دارالعلوم نانک واڑہ کراچی میں جب تک رہے وہ ہر سال رمضان المبارک میں نماز تراویح میں دس پارے روزانہ پڑھا کرتے تھے، عشاء کے بعد نماز تراویح شروع ہوتی

اور سحری کا وقت ختم ہونے سے ایک گھنٹے قبل تک جاری رہتی۔ قاری فتح محمدؒ نہ صرف شعبہ قرأت کے امام تھے بلکہ دارالعلوم دیوبند سے درسِ نظامی کے فارغ التحصیل اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت بھی تھے۔ واضح رہے کہ قاری فتح محمدؒ صاحب نے شعبہ قرأت کے لیے زمین پانی پت میں عثمانی خاندان کے ایک بڑے متمول زمیندار قاری محی الاسلام عثمانیؒ سے حاصل کی تھی جو اپنی حویلی میں قرأت کے شائقین کو اعزازی طور پر قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، اور ان ہی کی مساعی سے وہ دارالعلوم دیوبند تعلیم کے لیے گئے تھے جہاں اُس وقت مفتی محمد شفیع صاحب درس وتدریس کے ساتھ شعبہ فتاویٰ کے سربراہ بھی تھے۔

میں نے حضرت مفتی محمد شفیعؒ کے خاندان کو جتنا کچھ دیکھا ہے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ اپنے شخصی اوصاف میں اپنے ہم عصروں میں نہ صرف ممتاز تھے بلکہ اس تاثر کو بھی ختم کرتے تھے جو عام طور سے ہمارے جدید فکر کے اسیر لوگوں کے ذہنوں میں پایا جاتا ہے۔ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے بڑے بھائی ذکی کیفی مرحوم کے گھر لاہور میں مجھے محترم مولانا ظفر احمد انصاریؒ اور محترم ماہر القادریؒ کے ساتھ کئی بار قیام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جہاں اس خاندان کی وسیع المشربی کا بھی اندازہ ہوا۔ ان کا دستر خوان وسیع تھا۔ جب بھی ماہر صاحب یا مولانا ظفر احمد انصاری ان کے ہاں مقیم ہوتے تو ان کے احباب کو وہ اپنے گھر کھانے پر مدعو کرتے، جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ بھی جو اُن کے گھر کے نچلے حصے میں مقیم تھے، تشریف لے آتے۔ اور معروف شاعر کلیم عثمانی جن کا تعلق مفتی صاحب کے خاندان سے تھا اور مصطفیٰ صادق مرحوم، محترم الطاف حسن قریشی اور جناب مجیب الرحمٰن شامی کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔

یہی کیفیت ان کی موجودگی کی وجہ سے ان کی دکان ادارہ اسلامیات انار کلی میں بھی رہتی، جہاں بیک وقت ادیبوں، شاعروں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کی بیٹھک رہتی تھی، جن میں ملک نصراللہ خان عزیز، نواب زادہ نصراللہ خان، حبیب جالب، کلیم عثمانی اور دیگر حضرات کی بھی آمد ورفت رہتی۔ یہ ان کے وسیع المشرب ہونے کی ایک بڑی مثال ہے۔ وہ حقیقی معنوں میں اپنے مسلک پر سختی سے پابند رہنے والے اور دوسروں کے ساتھ بحث وتمحیص سے احتراز کرنے والے تھے۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اپنے والدِ محترم کے انتقال کے بعد اس ادارے کے صدر مقرر ہوئے تو انھوں نے نہ صرف اُن کے درس وتدریس کے کام کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا بلکہ دارالعلوم کی اراضی میں بھی اضافہ کیا جو اب تقریباً 75 ایکڑ کے قریب ہے۔ اس کی چہار دیواری تعمیر کرائی اور پرانی مسجد کو شہید کر کے ایک وسیع وعریض شاندار مسجد تعمیر کرائی، اور اس کے ساتھ وضو خانے اور غسل خانوں کی صفائی ستھرائی کا ایسا انتظام رکھا جس کی مثال ہمارے سرکاری تعلیمی

اداروں میں تو کیا نجی شعبے میں قائم مہنگے ترین پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بھی کم کم ملے گی،اس سے مفتی رفیع عثمانیؒ صاحب کے حُسن انتظام اور نفاست پسندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے اس حدیثِ مبارکہ پر عمل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے جس کی تعلیم امت کو رسالت مآبؐ نے اپنے اس ارشادِ مبارک میں فرمائی ''الطہارۃ نصف الایمان۔''

مفتی رفیع عثمانیؒ کی انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے دارالعلوم میں پھل دار درختوں اور پھولوں کی ایسی کہکشاں سجائی کہ اس میں داخل ہوتے ہی ایک خوش گوار اور فرحت بخش ماحول کا احساس ہوتا ہے۔اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اس کہکشاں پر اٹھنے والے اخراجات کا بوجھ دارالعلوم کے بیت المال پر پڑنے نہیں دیا، بلکہ ان درختوں کے پھل اور نرسری کے پودوں کی فروخت سے ،اٹھنے والے اخراجات پورے کرنے کا انتظام کیا۔

مفتی رفیع عثمانیؒ نے دارالعلوم کا کچن (مطبخ) اتنا شان دار بنوایا جو بلاشبہ 'اسٹیٹ آف دی آرٹ' کے زمرے آتا ہے۔ اسے ملائشیا کے ماہرین نے ڈیزائن کیا ہے۔ یہ حفظانِ صحت کے اصولوں پر بنایا گیا ہے اور مستقل اس کو ماحولیاتی آلودگی سے پاک رکھنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔اسی طرح کیفے ٹیریا کو بھی صاف ستھرا اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق رکھنے اور نرخوں کو باہر کے مقابلے میں نسبتاً کم رکھنے کو یقینی بنایا گیا ہے۔دارالعلوم کے کیمپس میں ہی بینک،اے ٹی ایم اور ڈاک خانے کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔

دارالعلوم کراچی نے اپنے قیام کے ساتھ ہی اس امر کا اہتمام رکھا کہ جن طلبہ کے والدین ہاسٹل میں رہنے والے بچوں کو زکوٰۃ/صدقات کی مد سے تعلیم نہیں دلوانا چاہتے وہ اپنے خرچ پر اپنے بچوں کے لیے الگ کمرہ حاصل کرسکتے ہیں،اس میں چاہیں تو ایئرکنڈیشنر بھی لگا سکتے ہیں اور ریفریجریٹر بھی رکھ سکتے ہیں،اور بجلی کا بل ادا کردیں اور تعلیم مکمل ہونے پر اپنا سامان ساتھ لے جائیں۔اس سہولت سے نہ صرف بیرون ملک سے آنے والے طلبہ استفادہ کرتے ہیں بلکہ اندرون ملک اور کراچی کے طلبہ بھی مستفید ہوتے ہیں۔

ایک اہم بات جس کا مشاہدہ میں نے خود کیا ہے وہ یہ کہ اپنے خرچ پر ہاسٹل میں رہنے والے طلبہ کے ساتھ ساتھ اُن طلبہ کے کمرے بھی صفائی ستھرائی کے اعتبار سے مثالی ہیں جن کے اخراجات دارالعلوم برداشت کرتا ہے۔البتہ اُن طلبہ کی بڑے کمروں میں مشترکہ رہائش ہوتی ہے۔اس سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مفتی رفیع عثمانیؒ نے طلبہ کے لیے لانڈری میں کپڑے دھونے اور سکھانے کے لیے الگ جگہ مختص کی جو باہر سے آنے والے کسی فرد کو نظر نہیں آتی اور کسی طالب علم کو یہ

اجازت نہیں ہے کہ وہ اُس مختص جگہ کے سوا کسی اور جگہ کپڑے دھوئے یا سکھائے جیسا کہ عام طور پر تعلیمی اداروں کے ہاسٹلوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ ان کی اعلیٰ انتظامی صلاحیت، عملیت پسندی اور کفایت شعاری پر عمل پیرا ہونے کی مثالیں وہ لوگ بھی دیتے ہیں جن کا شمار اس طرح کے اداروں کے ناقدین میں ہوتا ہے۔

میرے مرحوم عزیز دوست ڈاکٹر انوار حسین صدیقی جو اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر رہے اور قبل ازیں جوڈیشل اکیڈمی اسلام آباد (سپریم کورٹ کا ذیلی ادارہ) کے ڈائریکٹر جنرل رہے اور کراچی میں نیپا (NIPA) کے ڈائریکٹر بھی رہے (ڈاکٹر انوار صدیقی آئی بی اے کراچی کے پہلے بیچ کے ایم بی اے گریجویٹ تھے، بعدازاں انہوں نے امریکہ کی اعلیٰ ترین یونیورسٹی سے ایڈمنسٹریشن اور اکنامک بجٹنگ میں پی ایچ ڈی کیا تھا۔ انہوں نے بیرونِ ملک بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھایا بھی ہے)، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے طور پر دارالعلوم کراچی دیکھنے آئے تو اس کے حسنِ انتظام، نظم و نسق اور صفائی ستھرائی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب دارالعلوم کے دورے کے بعد رات کو میرے گھر آئے تو مجھ سے کہنے لگے کہ "اس ادارے کے نظم و نسق نے میری سوچ ہی بدل دی اور میں اسلام آباد جاکر اپنے اساتذہ سے درخواست کروں گا کہ وہ ایک وفد کی صورت میں طلبہ کے مختلف گروپ اپنے ساتھ لے کر جائیں اور دارالعلوم میں کچھ وقت گزار کر جائزہ لیں کہ ہم اپنی یونیورسٹی میں "الطہارۃ نصف الایمان" کی حقیقی روح کیسے اجاگر کر سکتے ہیں۔

دارالعلوم کراچی کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ پاکستان میں یہ پہلا ادارہ ہے جس نے دینی علوم حاصل کرنے والے اپنے طلبہ کو اختیاری مضمون کے طور پر انگریزی پڑھانے کا انتظام کیا تھا، جب کہ دیگر مدارس نے اس سلسلے میں دارالعلوم کی تقلید کی۔ اس کے علاوہ ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ دارالعلوم کراچی کے شعبہ حفظ و قرأت کے اساتذہ نے حجاز مقدس جاکر وہاں بچوں کو قرآن پاک حفظ کروائے، اس کی ابتدا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے قائم کردہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے ہوئی۔ بعدازاں مدینہ طیبہ، جدہ اور سعودی عرب کے دیگر شہروں تک اس کا دائرہ وسیع ہوا۔ دارالعلوم کراچی کے بعد خیر المدارس ملتان سے بھی اساتذہ وہاں گئے۔

سعودی عرب میں حفظِ قرآن کے سلسلے کو جاری اور وسیع کرنے کا سہرا یوسف سیٹھی مرحوم کے سر ہے جن کا تعلق گوجرانوالہ کے ایک متمول صنعتی خاندان سے تھا۔ یوسف سیٹھی مرحوم جن اساتذہ کو پاکستان سے حفظِ قرآن کرانے کے لیے لے کر جاتے تھے اُن کے تمام اخراجات وہ اپنی جیب سے برداشت کرتے تھے (واضح رہے کہ انہوں نے جب یہ سلسلہ شروع کیا تھا تو

حرمِ مکہ میں بھی امامِ کعبہ تراویح کی نماز میں قرآن پاک ہاتھ میں لے کر پڑھتے تھے)۔اس کے بعد جلد ہی سعودی عرب میں پاکستان اور ہندوستان کے مقیم خاندانوں کے بچوں کی بڑی تعداد میں حفاظ کی جماعت تیار ہوئی بلکہ خود سعودی خاندانوں کے بچوں نے بھی قرآن پاک حفظ کیا، جس کا مظہر یہ ہے کہ حرمین اور پورے سعودی عرب میں اب سعودی قرأ حفاظ نماز تراویح پڑھاتے ہیں۔ مفتی رفیع عثمانیؒ کے دور میں ہی دارالعلوم کے احاطے میں نہ صرف طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ میٹرک سسٹم کے تحت اسکول قائم ہوئے بلکہ کیمبرج سسٹم کے تحت او اور اے لیول کی تعلیم کے لیے بڑا ادارہ بھی قائم ہوا جس کے طلبہ امتحان میں اعلیٰ پوزیشنیں لے رہے ہیں۔

دارالعلوم کراچی میں حرا فاؤنڈیشن کے تحت عصری علوم کے ساتھ حفظِ قرآن کرانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ یہ بھی مفتی صاحب کی دور اندیشی کی ایک مثال ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق دارالعلوم میں زیرِ تعلیم طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہے جب کہ شعبہ قرأت، طالبات کا ہائی اسکول اور کیمبرج سسٹم کے تحت او اور اے لیول کے طلبہ کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ جسٹس ریٹائرڈ مفتی محمد تقی عثمانی کے مطابق اِس سال اے لیول کے امتحان میں جو بچہ دنیا بھر میں پہلے نمبر پر آیا ہے اس کا تعلق اسی حرا فاؤنڈیشن سے ہے (ان کا یہ بیان یوٹیوب پر اس وقت بھی موجود ہے)۔

دنیا بھر میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے والوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اب دارالعلوم کو پہلے کی طرح اخراجات پورے کرنے کے لیے چندہ وصول کرنے لوگوں کے پاس نہیں جانا پڑتا۔ ایک زمانے میں دارالعلوم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ماہانہ بنیادوں پر مخیر حضرات سے اعانت حاصل کرنے کے لیے افراد مقرر کیے جاتے تھے۔

ایک بار میں اپنے چیف ایڈیٹر جناب مجیب الرحمٰن شامی (روزنامہ پاکستان) کے ساتھ مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو شامی صاحب کے استفسار پر مفتی صاحب نے بتایا تھا کہ الحمدللہ ہمارے جاری اخراجات ماہانہ تقریباً ڈھائی کروڑ سے زائد ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے بجلی کے بھاری اخراجات سے نجات کے لیے سولر سسٹم بھی نصب کروایا اور اس کے ساتھ متبادل نظام کے طور پر دو اسٹینڈ بائی بڑے جنریٹر بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے دارالعلوم میں کبھی بجلی کا نظام منقطع نہیں ہوتا۔ نیز اپنے اساتذہ اور مستقل اسٹاف کے لیے صاف ستھری رہائشی کالونی بھی تعمیر کرائی۔ مفتی صاحب کے اہلِ خانہ اور جسٹس ریٹائرڈ مفتی تقی عثمانی صاحب کی فیملی بھی اسی کالونی میں رہائش پذیر ہیں (واضح رہے مفتی صاحب کے ان ہی دو صاحبزادگان یعنی مفتی رفیع عثمانیؒ اور مفتی تقی عثمانی نے درسِ نظامی کیا ہے)۔

مفتی صاحبؒ کی ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے معاملات میں کھرے پن کی شہادت ان کے صاحبزادے ڈاکٹر مفتی زبیر عثمانی نے اس طرح دی کہ وہ دار العلوم کے کسی سپلائر سے (خواہ چھوٹی شے سپلائی کرتا ہو یا بڑی) کسی قسم کا کوئی تحفہ وصول نہیں کرتے تھے، البتہ اگر ان کا کوئی ذاتی دوست یا ملنے والا صدرِ ادارہ کے طور پر کوئی چیز پیش کرتا تو اسے بھی وہ اپنے ذاتی استعمال میں لانے کے بجائے دار العلوم میں جمع کروا دیتے تھے۔ البتہ اپنے ذاتی دوستوں اور عزیز و اقارب کو خود تحائف دیتے بھی تھے اور اُن کے تحائف قبول بھی کر لیتے تھے، تاہم اس میں بھی یہ احتیاط برتتے تھے کہ تحفہ قیمتی نہ ہو اور اس میں سے بھی اپنی ضرورت سے زائد جو چیز ہوتی وہ دوسروں کو ہدیہ کر دیتے۔

مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ کو حرمین کی زیارت کے دوران جن حضرات نے بھی دیکھا ہے، وہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ وہاں حاضری کے وقت اپنے چاہنے والوں کے جلو میں آنے کے بجائے شعوری طور پر اس کا اہتمام کرتے تھے کہ یہاں حاضری کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ خصوصی طور پر مدینہ طیبہ میں حاضری کے وقت اُن کو دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ وہ ایک غلام کی طرح تنہا سلام کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کے اکلوتے صاحبزادے ڈاکٹر مفتی زبیر عثمانی نے مفتی صاحب کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے ان کی شخصیت کا ایک اور روشن پہلو اجاگر ہوتا ہے: دار العلوم کے اسٹاف میں ایک صاحب نے کسی سپلائر کے خرچ پر عمرہ ادا کیا۔ جب ان کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے اسے دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنے کے بجائے الگ بلا کر کہا کہ ''آپ نے یہ عمرہ رشوت کے پیسے سے کیا ہے، اس کا تدارک آپ کیسے کرتے ہیں یہ آپ اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔''

ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ کسی کے اخلاق اور معاملات کا اندازہ کرنا ہو تو یہ دیکھیں کہ وہ اپنے زیر دست لوگوں، اہلِ خانہ اور عزیز و اقارب کے ساتھ کیسے پیش آتا ہے۔ ان کے معاملات کے کھرے پن کا ذکر مفتی زبیر عثمانی کی زبانی بیان ہو چکا ہے۔

مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ اپنے اہلِ خانہ، عزیز و اقارب اور خاندان کے بچوں کے ساتھ کس طرح خوش مزاجی سے رہتے تھے، اس کی تفصیل اُن کے بڑے بھائی ذکی کیفی مرحوم کے بیٹے سعود عثمانی جو ملک کے معروف شاعر اور کالم نگار ہیں، روزنامہ ''دنیا'' میں شائع ہونے والے اپنے کالموں میں تفصیل سے بیان کر رہے ہیں۔ یہ پڑھنے کی چیز ہے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کے والد مفتی شفیعؒ نے اپنے خاندان کے حالات اور کوائف کی تفصیل اپنی کتاب ''میرے والد ماجد'' میں اس طرح بیان کی:

"برصغیر میں عثمانی خاندان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ترکمانستان سے ہجرت کر کے پانی پت آیا تھا۔ مفتی صاحب کا خاندان شہر سے متصل ''جوراسی'' نامی قصبے میں آباد ہوا، جس کے سربراہ شیخ عبدالرحمٰن گرزنی تھے جو حضرت عثمانؓ کے بیٹے ابانؒ کی اولاد میں سے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال سے قبل مرہٹوں نے پانی پت میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کیا تو وہاں کے مسلمانوں نے روہیل کھنڈ کے سردار نجیب الدولہ سے مدد کی درخواست کی۔ ان کی طرف سے مدد کے لیے کمک تو ضرور آئی مگر وہ اتنی کارگر نہ ہو سکی کہ مرہٹوں کا ظلم و ستم ختم ہو سکے۔ نتیجتاً عثمانی خاندان کی ایک شاخ پانی پت میں ضرور رہی مگر مفتی شفیع صاحب کا خاندان وہاں سے دریا پار کر کے ضلع سہارن پور کے دیوبند نامی قصبے میں آباد ہو گیا۔ اس شاخ کے سربراہ حافظ کلیم اللہ پانی پت سے آئے تھے اور یہی مفتی شفیع صاحب کے خاندان کے جدِّ امجد بھی ہیں جو دیوبند میں ہی مدفون ہیں۔

سعود عثمانی کے مطابق ہندوستان بھر میں جہاں جہاں عثمانی خاندان آباد ہیں جس میں لکھنؤ، بدایوں، بریلی اور دیگر شہر بھی شامل ہیں، پانی پت سے ہی ہجرت کر کے آباد ہوئے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ پانی پت میں رہ جانے والے عثمانی خاندان کے افراد کی کوئی رشتے داری مفتی شفیع صاحب کے خاندان سے تھی یا نہیں؟ البتہ یہ خاندان بھی پانی پت میں محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ہی آیا تھا۔ قیامِ پاکستان تک پانی پت میں مقیم عثمانی خاندان کی قدآور شخصیات میں ایک بڑی شخصیت قاری محی الاسلام عثمانی کی تھی جو وہاں کے بڑے زمین دار تھے۔ تقسیم کے بعد قاری صاحب کا خاندان اوکاڑہ شہر اور راول پنڈی میں آباد ہو گیا اور اس خاندان کے افراد سول اور فوجی ملازمت میں اہم مناصب پر فائز ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے ایچی سن کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے اور ایک داماد وزارتِ خارجہ میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے ہیں۔ ان کے خاندان کے کچھ افراد کراچی میں بھی آ کر آباد ہوئے جن میں ایک معروف شخصیت حافظ کرامت اللہ عثمانی مرحوم کی بھی تھی۔

البتہ خود قاری محی الاسلام عثمانیؒ مرحوم اوکاڑہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں مدفون ہیں۔ وہ خود تو اپنے ذاتی خرچ پر آخر دم تک قرآن پاک کی تعلیم و اشاعت کے لیے مصروف رہے البتہ ان کے خاندان میں سے اب کوئی ایسا فرد نظر نہیں آتا جو ان کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہو۔

مولانا رفیع عثمانیؒ کے دادا مولانا محمد یاسینؒ کا سن پیدائش اور دیوبند کا قیام ایک ہی سال ہوا۔ مولانا محمد یاسینؒ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل بھی تھے اور وہیں مدرس بھی ہوئے۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ وہ دارالعلوم میں فارسی پڑھاتے تھے اور فارسی شعر و ادب کا نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے بیٹے مفتی محمد شفیعؒ خود بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے

اور ان کے بیٹے ذکی کیفی، مفتی تقی عثمانی بھی شاعر ہیں، جب کہ ان کے پوتے سعود عثمانی کا شمار تو اب بڑے مقبول شاعروں میں ہوتا ہے۔

جناب انیق احمد کے دنیا ٹی وی کے مقبول دینی پروگرام ''پیامِ صبح'' جس میں تمام مکاتب فکر کے جید علماء تشریف لاتے ہیں، انہی میں دار العلوم کراچی سے درس نظامی کے بعد عصری علوم میں پی ایچ ڈی کرنے والے علماء بھی شامل ہوتے ہیں۔

ولی اللہ کے متعلق لوگوں کے خیالات

لوگوں نے اولیاء کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جو شخص ہوا میں اڑتا ہو وہ ولی ہے، کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص سمندر پر چلتا ہو، وہ ولی ہے۔ کوئی کہتا ہے جو روحوں سے ملتا ہو وہ ولی ہے۔ اور بعض لوگوں کے بارے میں تو آج کل یہ باتیں بھی ہوتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں ہیں۔ اسی طرح کوئی تعویز، گنڈے کرنے والے کو ولی سمجھتا ہے۔ یاد رکھیں! ولی اللہ صرف وہ شخص ہے جو اللہ کا دوست ہو یعنی جو اللہ کا فرمانبردار ہو، اور جو شخص اللہ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہو تو وہ لاکھ مرتبہ بھی غیب کی باتیں بتائے، ہوا میں اڑتا ہو یا جاندار پتوں میں اس کی شبیہہ نظر آتی ہو تو ایسا شخص ولی اللہ تو کجا، صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں ہے، وہ جادوگر اور شعبدہ باز تو ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

(اصلاحی تقریریں جلد 4 صفحہ 126)

مفتی اعظم مفتی رفیع عثمانیؒ کے در پر

(نوید مسعود ہاشمی)

صدر دارالعلوم کراچی، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رفیع عثمانیؒ شدید علیل ہیں، تمام مسلمانوں بالخصوص قارئین اوصاف سے گزارش ہے کہ وہ ان کی صحت کے لئے خصوصی دعائوں کا اہتمام فرمائیں، ہفتہ کے دن ابن مفتی اعظم مولانا زبیر اشرف عثمانی کی خصوصی شفقت اور مفتی دوست محمد مزاری کی معیت میں حضرت مفتی اعظم مفتی رفیع عثمانیؒ کی رہائش گاہ پر ان کی عیادت کا موقع ملا... مولانا زبیر اشرف عثمانی نے مفتی دوست محمد مزاری کا لال مسجد اسلام آباد کے حوالے سے تعارف کروایا...

تو باوجود شدید نقاہت اور علالت کے ''حضرت'' کی یادداشت گویا چمک اٹھی ... حضرت مفتی اعظمؒ کے ہونٹ ہلنا شروع ہوئے تو ہم سب ہمہ تن گوش ہوئے ... مفتی رفیع عثمانیؒ آہستہ آہستہ فرمارہے تھے ''کہ ان کا لال مسجد کے شہید خطیب مولانا عبداللہ سے بڑا خاص تعلق رہا...ان کے مولانا عبداللہ شہید کے ساتھ انڈونیشیا اور ملائیشیا کے سفر بھی ہوئے'' جبل علم مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ عمر عزیز کی نوے بہاریں گزارنے کے بعد شدید علالت کی چادر اوڑھے بیڈ پر دراز ہیں، لیکن ان کا دماغ الرٹ اور زبان تشکر کے جذبات سے لبریز...ہر دم تسبیح و تہلیل میں مصروف۔

رمضان المبارک کی قبولیت والی ساعتوں میں دنیا بھر میں کروڑوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہیں کہ حضرت مفتی اعظمؒ شفایاب ہو کر مسند شیخ الحدیث کو سنبھال کر ایک دفعہ پھر قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیں... انشاءاللہ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جناب مفتی صاحبؒ کو اللہ نے کامیاب اور سعادت والی زندگی عطا فرمائی ہے، میں انہیں دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ واقعی کامیاب لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں...اس لئے کہ جس نے اپنی ساری عمر اللہ کے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو عام کرنے میں گزاری ہو ... جس نے اپنی ساری عمر قوم کے جوانوں کو علم و ادب سکھانے میں کھپا ڈالی ہو، جس کے ''چشمہ علم'' سے قوم کے ہزاروں، لاکھوں پیر و جوان سیر اب ہو چکے ہیں ... جس کے ہزاروں شاگرد آج بھی دنیا کے کونے کونے میں ''علم'' کی شمع کو فروزاں کئے ہوئے ہوں...

صرف ''علم'' ہی نہیں بلکہ ''جہاد'' کے پرچم کو دنیا میں سربلند کرنے والے بھی جس کے شاگردوں میں شامل رہے ہوں، بلکہ جنہوں نے ''علم و جہاد'' کے امتزاج کا حسین نقشہ دنیا کے سامنے پیش کرکے ...اپنے کردار سے دنیا کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آسمانی علوم یعنی قرآن و سنت کا ''علم'' اور ''جہاد'' باہم متصادم نہیں... بلکہ ایک دوسرے کے معاون اور سپورٹر ہیں...جو پورے دین کو مان کر اس کی دعوت کو عام کرتے رہے، اگر وہ بھی کامیاب نہیں تو کیا ''کامیابی'' پھر حکمرانوں کے جوتے سیدھے کرنے کا نام ہے؟ ''کامیابی'' شاہوں کے درباروں میں دین فروشی کا نام ہے؟ ہمیں فخر ہے کہ ہمارا دامن حکمرانوں کے درباریوں سے نہیں، بلکہ مفتی رفیع عثمانیؒ اور مفتی تقی عثمانی جیسے سربلند علماء کے ساتھ وابستہ ہے، میں بستر علالت پر پڑے ہوئے مفتی اعظم کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ یہ وہ ہیں کہ جن کے خالص پاکستانی ہونے پر 22 کروڑ عوام کو ناز ہے...یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے چودہ اگست 1947ء کو پاکستان بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہے... جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہ کی زیر نگرانی ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' کے نعرے بلند کررکھے ہیں۔

یہ وہ ہیں کہ ...ولی کامل حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے جنہیں اپنی گودیوں میں کھلا رکھا ہے، جنہوں نے پاکستان بننے کا صرف خواب ہی نہیں دیکھا تھا... بلکہ ''پاکستان'' بنانے اور پھر پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے سے دریغ نہ کیا... غالباً ''دارالعلوم کورنگی'' واحد وہ مدرسہ ہے کہ جس میں ہر سال چودہ اگست کو مدتوں سے علماء اور طلباء باقاعدہ پریڈ کرکے سبز ہلالی پرچم کو سلامی پیش کرتے چلے آرہے ہیں، جنہوں نے جمہوری سیاست، سیاسی ویژن رکھنے والے علماء پر چھوڑی، انہیں پورا احترام بھی دیا اور خود آسمان علم پر ماہتاب بن کر چمکے، آسمانی علوم سے ایسا دل لگایا کہ دنیا بھر سے طالبان علم آپ کے گرد ایسے اکٹھے ہوتے چلے گئے کہ جیسے ''شمع'' کے گرد پروانے اکٹھے ہوتے ہیں اور اگر میں یوں لکھ دوں تو زیادہ درست ہوگا کہ آپ نے ''دارالعلوم'' سے آسمانی علوم کے ساتھ ساتھ تشنگان علم کو ''پاکستان'' کی محبت کے جام بھر بھر کر بھی پلائے، مجہول تاریخ کے ''جرثومے'' الزام لگاتے ہیں کہ ''مولوی'' نے پاکستان کے لئے کچھ نہیں کیا...

انہیں کوئی بتائے کہ مولویوں کا مفتی اعظم مفتی رفیع عثمانیؒ تنہا تمہارے آباء سمیت تم سب پر بھاری ہے کہ جس نے اپنا بچپن اور لڑکپن قائداعظمؒ کی قیادت میں پاکستان بنانے اور پھر بقیہ ساری عمر پاکستان کو سنوارنے، پڑھانے اور پاکستان کی تعمیر و ترقی میں صرف کردی، گزشتہ 30 سالوں میں مجھے حضرت مفتی اعظم کی متعدد مرتبہ زیارت کا موقع ملا، میں نے انہیں افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں میں پرچم جہاد کو سربلند کرتے ہوئے بھی دیکھا...وہ ''عمر'' میں پاکستان سے بڑے ہیں، دفاع پاکستان

کی خاطر وہ ہر وقت ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں...انہوں نے ''دارالعلوم''جیسا عظیم ادارہ، علمی، روحانی مرکز اور دانش گاہ پاکستانی قوم کو عطا کی کہ جہاں انسانوں کے بچوں کو ''انسانیت'' سے روشناس کروایا جاتا ہے ، ''دارالعلوم'' ایک ایسا ''دانش کدہ'' ہے کہ جس کی علم ودانش کی دوستی کا ڈنکا پوری دنیا میں بجتا ہے۔

توبہ کو مت ٹالیں

بعض اوقات انسان جب کسی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اسکی وجہ سے اس کو ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اور وہ توبہ کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ توبہ کے بعد یہ گناہ دوبارہ سرزد ہو جانے کا خوف ہے، توبہ نہیں کی اور شیطان بھی اس کو یہی سکھاتا ہے کہ اگر توبہ کے خلاف ہو جاؤ تو پھر کیا کرو گے ؟ چنانچہ وہ اس وقت توبہ ترک کر کے اس کو ٹالتا رہتا ہے اور گناہوں کے انبار جمع کر لیتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئیے ! کہ شیطان کا یہ دھوکہ تباہی کی طرف لے جانے والا ہے اور شیطان، انسان کا دشمن ہونے کی وجہ سے اس کو تباہی کے دروازے یعنی جہنم تک پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ چنانچہ جب یہ وسوسہ اور خوف آپ کے دل میں پیدا ہو کہ اگر توبہ ٹوٹ گئی تو پھر میں کیا کروں گا تو آپ فورا دل میں سوچ لیں کہ میں دوبارہ توبہ کرلوں گا۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے توبہ کی اور پھر وہ توبہ ٹوٹ گئی تو دوبارہ توبہ کرلے اور جو توبہ ٹوٹ گئی تھی وہ بے کار نہیں جائے گی کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس توبہ تک ہونے والے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور توبہ ٹوٹنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا تو دوبارہ توبہ کر کے اس کو بھی معاف کروالے اور گناہوں سے پھر صاف ہو جائے۔ لیکن اگر توبہ کو ٹالتا ہی رہا تو کچھ معلوم نہیں کہ کس وقت ملک الموت آ پہنچے اور دنیا سے رخصت ہونا پڑے ؟ اور آج کل تو ویسے بھی حادثات میں موت واقع ہو جاتی ہے اسی لیے بزرگوں کی تعلیم اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ رات کو سوتے وقت توبہ واستغفار کر کے سونا چاہیے کیونکہ صبح کو آنکھ کھلنے کا کسی کو علم نہیں ہے۔

(اصلاحی تقریریں جلد 2 صفحہ 132)

مفتی رفیع عثمانیؒ کی رحلت

(ایڈیٹوریل ایکسپریس نیوز)

مفتی اعظم پاکستان، دارالعلوم کراچی کے رئیس اور مسلم دنیا کے مشہور عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانیؒ گزشتہ روز طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 88 برس تھی۔

وہ 21 جولائی 1936ء کو متحدہ ہندوستان میں یوپی کے شہر دیوبند کے معروف دینی گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کا نام مولانا اشرف علی تھانوی نے رکھا تھا۔ ان کے والد مفتی شفیع عثمانیؒ بھی اپنے وقت کے جید عالم دین تھے، ان شمار تحریک پاکستان کے اہم رہنماؤں میں کیا جاتا ہے، قیام پاکستان کے بعد مفتی شفیع عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان کہلائے اور انھوں دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی۔

مرحوم مفتی رفیع عثمانیؒ، مفتی شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے اور مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 30 سے زائد کتابوں کے مصنف، مفسر قرآن اور فقیہہ تھے۔ مرحوم مولانا رفیع عثمانی نے ساری زندگی دارالعلوم کراچی کے احاطے میں اپنے والد کی مسند علم وارشاد پر قرآن وسنت کی تعلیم دیتے گزاری۔

مرحوم کے دادا مولانا محمد یاسینؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے استاد تھے، یوں دینی علوم اور عزت ووقار انھیں ورثے میں ملا جس کی تمام عمر انھوں نے پاسداری کی۔ درس مسلم، دو قومی نظریہ، نوادر الفقہ، پر اسرار بندے ان کی اہم کتابوں میں شامل ہیں۔ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات سے پاکستان ایک معتدل، بلند پایہ عالم دین اور فقیہہ اور مفتی سے محروم ہو گیا۔ مفتی رفیع عثمانیؒ کی گرانقدر علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

وزیراعظم شہباز شریف، صدر عارف علوی، چیئرمین سینیٹ صادق سنجرانی، اسپیکر و ڈپٹی اسپیکر، وفاقی وزراء، مولانا فضل الرحمن، امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے مفتی رفیع عثمانیؒ کے لواحقین، علماء اور شاگردوں سے دلی تعزیت اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔

مرحوم متوازن افکار و نظریات کے حامل تھے، جنھوں نے اپنی تصانیف اور خطبات سے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی اور جدید فقہی مسائل ہمیشہ صائب موقف دیا۔

آج اخلاص کی کمی ہے

حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دینی مدارس تیس سال سے بانجھ ہو چکے ہیں کہ ان مدارس سے "مولوی" پیدا نہیں ہوتا "مولانا" تو بہت پیدا ہو رہے ہیں لیکن مولوی پیدا نہیں ہوتا۔ مولوی کے معنی ہیں "اللہ والا" اور وہ آج مفقود ہے۔

علم مولی ہو جسے، ہے مولوی

جیسے حضرت مولوئ معنوی

ہمارے دادا مرحوم، دارالعلوم کے ہم عمر تھے کیونکہ جس سال ان کی ولادت ہوئی ہے اسی سال دارالعلوم کی ابتداء ہوئی تھی، انہوں نے دیوبند ہی میں حضرت حکیم الامت صاحب کے ساتھ دورہ تک تعلیم حاصل کی وہ فرماتے تھے کہ:

"میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور بھی دیکھا ہے جب یہاں کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس سے لے کے چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے"۔

ان بزرگوں کے حالات سے معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات نے اپنے نفس کو بالکل مٹادیا تھا۔

(اصلاحی تقریریں جلد دوم صفحہ 242)

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی زندگی کے تابندہ نقوش

(مفتی محمد صادق حسین)

سرزمین دیوبند میں پیدا ہونے والے عالمِ اسلام کے ممتاز عالمِ دین، فقیہ و محدث مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ ۱۸ نومبر ۲۰۲۲ء کو کراچی میں انتقال فرماگئے۔آپ عظیم مفسر وفقیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزندارجمند اور عالم اسلام کے مایہ ناز عالم دین شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے بڑے بھائی تھے۔علمی عظمت ورفعت میں نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے منتخب علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔اللہ تعالی نے خوبیوں اور کمالات سے خوب نوازا تھا۔آپ نے بھرپور علمی، عملی،اصلاحی ،انتظامی ، تعلیمی ،تدریسی ، تصنیفی اور تعمیری زندگی گذاری اور مختلف میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دی۔آپ دارالعلوم کراچی کے صدر، پاکستان کے مفتی اعظم اور بے شمار ملکی وعالمی تنظیموں کے رکن اور ذمہ دار تھے۔

آپ کی زندگی کے بے شمار پہلوؤں میں سے چند بطور تذکیر ونصیحت کے پیش کئے جاتے ہیں۔اللہ تعالی نے اہل علم وتقوی کی زندگی میں ایسی تاثیر و کیفیت رکھی ہے جو لوگوں کے لئے نمونۂ عمل ہوتی ہے۔بلاشبہ اس دنیا میں بہت سے اصحاب علم وفضل گذرے ہیں جو دنیا سے رخصت ہوگئے لیکن ان کی تابناک وروشن زندگی کے پہلو بالخصوص اہل علم کے لئے سبق آموز ہیں۔حضرت مفتی رفیع صاحبؒ نے بھی بڑی باکمال زندگی بسر کی اور علم وتقوی کی دنیا میں خوب محبت و عظمت سے نوازے گئے۔آپ نے زندگی کا بڑا حصہ دارالعلوم کراچی کی صدارت سنبھالی،اس کو بنانے، سنوارنے اور خوب سے خوب تر کرکے سجانے میں اپنی عمر کی بہاریں قربان کردیں،اوراس راہ میں ان مٹ نقوش چھوڑے،جو بطورِ خاص ذمہ دارانِ مدارس کے لئے پیغام عمل ہیں کہ ایک ناظمِ مدرسہ کا کیا کردار ہونا چاہیے اور مالی معاملات اور طلباء سے شفقت کے سلسلہ میں کس قدر رعایت کرنی چاہیے۔

محبتِ رسول ﷺ دلکش نمونہ:

محبتِ رسول ﷺ ہر مومن کا سرمایۂ حیات ہے،اسی میں اس کے ایمان کی تکمیل اور سعادتِ دارین کی تحصیل ہے۔جتنے اہل علم وتقوی گذرے ہیں ان کی محبتِ رسول ﷺ کا انداز نرالا اور جدا رہا،ہر کسی نے اپنی زندگی کے ظاہر و باطن سے محبتِ رسول ﷺ کی تعلیم بھی دی۔مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ جہاں ہر قدم پر اتباعِ سنت کا غیر معمولی اہتمام فرمایا کرتے تھے

،وہیں آپ کے دل میں نبی کریم ﷺ کی بے پناہ محبت موجزن تھی۔ جس ایک نمونہ یہ ہے کہ آپ کثرت سے درود کا اہتمام فرماتے اور نامِ محمد ﷺ کے بعد بڑے ادب واحترام کے ساتھ درود پڑھنے کی تاکید فرماتے اور اس سلسلہ میں کوتاہی کو برداشت نہیں کرتے۔ دورۂ حدیث شریف میں احادیث کی کتابوں کا درس ہوتا ہے اور روایت پڑھتے وقت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک آتا تو آپ کا معمول تھا کہ آہستہ اور پورے تلفظ کی ادائیگی کے ساتھ ہر حدیث پر پڑھتے اور درود شریف پڑھنے کی تاکید فرماتے ،آپ کے درس کے بارے میں لکھا ہے کہ : حضرت استاذ مکرم مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ قدس سرہ درود شریف اس طرح جلدی جلدی پڑھنے سے بہت ناراض ہوتے تھے کہ کلمات خلط ہو جائیں۔

ایک طالب علم نے لکھا کہ :ایک مرتبہ جب استاذ مکرم درس گاہ سے باہر نکل رہے تھے تو بندے نے استاذ جی کہا کہ ایک سوال ہے۔ فرمایا: کیجیے: چوں کہ طلباء کا ایک ہجوم تھا تو کوشش ہوتی ہے کہ جلدی جلدی سوال مکمل کر لیا جائے،اس جلد بازی میں بندے نے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' تیزی سے پڑھ دیا۔ تو فرمایا: درود شریف دوبارہ دہرائیں اور ٹھہر ٹھہر کے پڑھیں۔ تو بندے نے آہستہ رفتار سے درود شریف پڑھ لیا۔ پھر سوال جاری کیا تو درمیان میں دوبارہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' تیزی سے پڑھتا چلا گیا۔ بس اس مرتبہ غصہ سے فرمایا: ہٹ جاؤ؛ ہم تمہارا سوال سننا ہی نہیں چاہتے۔

مدرسہ کے مال میں احتیاط:

آپ نے دارالعلوم کراچی کا منصب اہتمام نصف صدی تک سنبھالا،اور کمال احتیاط کے ساتھ آپ نے اس ذمہ داری کو ادا کیا۔ بالخصوص مدرسہ کے مالیہ کے سلسلہ میں آپ نہایت حساس اور محتاط تھے، کسی بھی طرح مدرسہ کی کوئی چیز ذاتی استعمال میں لانے سے حد درجہ اجتناب کرتے ،اس طرح کے سے بہت سے واقعات آپ کے اہل علم نے بیان کئے ہیں۔ آپ کے خود نوشت فتاوی ''فتاوی دارالعلوم کراچی'' (امدادالسائلین) کے مرتب مولانا اعجاز احمد صمدانی تحریر فرماتے ہیں: دین ودنیا سے متعلق تمام امور میں آپ کا تقوی قابلِ تقلید ہے۔

حقوق العباد کے معاملے میں آپ نہایت حساس ہیں، خصوصاً مالی معاملات میں آپ کا تقوی گفتن کے بجائے دیدن سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک دفعہ طلبہ کو مالی معاملات میں حزم واحتیاط سے کام لینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ :''میرا طرزِ عمل یہ ہے کہ جب بھی کوئی دارالعلوم کے لئے چندہ، پیسہ دیتا ہے تو میں فوراً اسے لفافے میں ڈال کر یا کسی کاغذ میں لپیٹ کر اس پر لکھ دیتا ہوں کہ فلاں مد کی رقم ہے اور فلاں نے دی ہے،اس کے بغیر قطعاً اپنی جیب میں نہیں رکھتا تاکہ وہ میرے اپنے پیسوں کے ساتھ

خلط ملط نہ ہو جائے۔"آپ کا یہ قول بھی نہایت قیمتی ہے کہ "تقوی فی المال کی خاصیت یہ ہے کہ اللہ اس بندے کے مال میں برکت دیتا ہے اور اُسے دوسروں کا محتاج نہیں بناتا۔"

مدارس میں مہمانوں کی آمد ورفت لگی رہتی ہے، مہمانوں کی خاطر ان کی ضیافت کا بھی اہتمام ہوتا ہے، لیکن ایک ناظم ومتہم کا طرز عمل اس معاملہ میں کیا ہونا چاہیے ،اس کو مفتی محمد رفیع صاحبؒ اور ان کے برادرِ محترم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی زندگی سے سیکھا جاسکتا ہے۔ چناں چہ لکھا ہے کہ: جامعہ میں مہمان کثرت سے آتے ،اُن کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہ ہوں تو ان کے اکرام کے خلاف ہے،اور شریک ہوں توآپ کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ ہم تو جامعہ کے تنخواہ دار ملازم ہیں، مہمان نہیں، ہم اس کھانے میں کیسے شریک ہو جائیں؟اس اشکال کا حل آپ نے اور آپ کے برادرِ عزیز شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جو "نائب رئیس الجامعہ" ہیں یہ نکالا کہ دونوں حضرات ہر ماہ اپنی تنخواہ ہیں سے ایک مقرر معقول رقم پابندی سے کٹوا کر مہمان خانے میں جمع کرادیتے ہیں، یہ اتنی ہوتی ہے کہ ان حضرات کے پاس آنے والے تمام مہمانوں کے کھانے پینے اور تواضع کے لئے آسانی سے کافی ہو جاتی ہے۔

مدرسہ کی دیگر اشیا کے استعمال کے سلسلہ میں آپ کی یہ احتیاط تھی، چناں چہ آپ کا دفتر "رئیس الجامعہ" کا دفتر تھا، وہاں آپ کی میز پر جتنی بھی طرح طرح کی اسٹیشنری اور لکھنے پڑھنے کا سامان ہوتا وہ سب آپ کا ذاتی ہوتا، یہ سب سامان اگرچہ دارالعلوم ہی کے کاموں کے لئے آتا، اور اُنہی میں استعمال ہوتا، لیکن دفتر کے منتظمین کو آپ کی طرف سے سختی سے اس کا عادی اور پابند بنادیا گیا تھا کہ اس میز پر کوئی چیز دارالعلوم کی نہ رکھی جائے، جب کوئی چیز ختم ہونے لگتی تو حضرت ہی کی رقم سے خرید کر مزید پر لا کر رکھ دی جاتی۔ اپنی گاڑی اور اپنا ذاتی موبائل فون آپ بکثرت دارالعلوم کے کاموں میں بے دریغ استعمال کرتے،، جس کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کرتے۔ لیکن اگر دارالعلوم کی گاڑی یا فون آپ کے ذاتی استعمال میں آجائے تو اس کا معاوضہ مقررہ قاعدے اور نرخ کے مطابق دارالعلوم میں رسید لے کر جمع کرادیتے۔ (ملخصا از فتاوی دارالعلوم کراچی ۷۵)

ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: میں اپنے گھر سے مدرسہ جاتے ہوئے اپنا وصیت نامہ بھی جیب میں رکھتا ہوں ، جس میں ان تمام رقموں کی تفصیلات ہوتی ہیں جو گھر میں یا میری جیب میں ہیں اور ان کا تعلق دارالعلوم سے ہے، تاکہ اگر گھر سے دفتر جاتے ہوئے راستے میں میرا انتقال ہو جائے تو لوگ اس کو میری ذاتی رقم تصور کر کے کہیں اس کو میرے ترکہ میں شامل نہ کریں۔" جب کہ گھر سے ان کے دفتر کا راستہ پیدل صرف ۲ سے ۳ منٹ کا ہے۔ (منقول از مولانا معاذ اشرف) ایک موقع پر طلباء

سے فرمایا کہ: دارالعلوم میں تنخواہ سے سب سے زیادہ کٹوتی میری ہوتی ہے کیوں کہ میں دیر سے آتا ہوں اپنے مشاغل کی وجہ سے۔"

احتیاط اور تقوی کا یہ عالم تھا اور اس درجہ خیال و اہتمام کے ساتھ آپ نے منصب نظامت کو سنبھالا، یقینا یہ طرزِ عمل مدارس کے ذمہ داروں اور تنظیموں کے سربراہوں کے لئے لائقِ عمل ہے۔ تقوی اور بزرگی کی باتیں کرنے سے انسان متقی نہیں بنتا بلکہ عملی طور پر تقوی والی باتوں کا اہتمام کرنے سے متقی بنتا ہے۔

طلباء پر شفقت و محبت:

آپ کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی قابل تقلید ہے کہ آپ اپنے طلباء سے بہت محبت کرتے، ان کا اکرام و احترام فرماتے اور ان کی راحت و سہولت کے لئے ہر ممکن فکر و کوشش کرتے۔ یقینا بہت سے اربابِ مدارس ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کی طرح مدرسہ کے طلباء کو بھی چاہتے ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں، بلاشبہ ایک مدرسہ کے ذمہ دار کو اسی صفت سے آراستہ بھی ہونا چاہیے۔ مدرسہ کو جو تعاون آتا ہے اور لوگ اپنی کمائیوں سے مدرسہ کی مدد کرتے ہیں ان کا اصل مقصود طلباء مدرسہ کی راحت رسانی ہوتی ہے، اگر بچوں کو اچھی غذا، صحبت بخش ماحول اور اعلی تعلیم کے ساتھ تعمیر پر توجہ دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس کے برعکس طلباء کے کھانے پینے، اور رہایش وغیرہ کی سہولتوں سے قطعِ نظر صرف عوامی چندہ کو تعمیرات ہی پر خرچ کرنا درست نہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر کی زندگی یقینا لائق تقلید ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ طلباء پر توجہ دی۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی زندگی بھی روشن و تابناک ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "ہمیں ہر وقت اس بات کا احساس رہتا ہے کہ آپ کے والدین نے ہم پر اعتماد کر کے اپنے جگر کے ٹکڑے ہماری جھولی میں ڈال دیئے ہیں۔ لہذا ہماری کوشش ہوتی ہے کہ دارالعلوم کے طلباء کو یہاں کسی بھی قسم کی پریشانی نہ دیکھنی پڑے۔"

ایک مرتبہ فرمایا کہ: ہمارے بارے میں خیال ہے کہ چوں کہ اللہ تعالی نے ہمیں بہت نوازا ہے اس لئے ہم طلبہ پر خرچ کر رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم طلبہ پر خرچ کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالی اتنا نواز رہے ہیں۔" آپ نے ایک انٹرویو میں کہا تھا: "میرا تجربہ یہ ہے کہ جب کبھی میں نے دارالعلوم کے طلباء کی سہولتوں میں اضافہ کیا، یا جب کبھی میں نے دارالعلوم کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا، یا کوئی اور سہولت بڑھائی یا خرچہ بڑھایا، تو اضافے کی وجہ سے جتنا بوجھ بڑھا، اس سے زیادہ اللہ نے عطا

کیا۔"آپ کی اسی فکر واحساس نے دارالعلوم کراچی کو اعلی معیار کا دینی جامعہ بنایا، جہاں خوبصورت عمارتیں اور طلباء کے لئے معیاری سہولتیں ہیں۔

ایک موقع پر طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "میرا اکلوتا بیٹا زبیر اشرف ہے۔آپ کو نہیں اندازہ کہ زبیر مجھے کتنا محبوب ہوگا۔۔اب آپ لوگ یہاں جو مدرسہ میں آئے ہیں تو آپ میں سے ہر ایک کسی کا زبیر ہوگا۔اور انہوں نے آپ کو میرے حوالہ کیا ہے۔تو میں آپ سے سچی بات کہتا ہوں کہ میں آپ کا اسی طرح خیال رکھوں گا جس طرح اپنے بیٹے زبیر کا خیال رکھتا ہوں اور آپ سے اتنی ہی محبت رکھوں گا جس طرح زبیر سے محبت کرتا ہوں اور اے اللہ! طلبہ سے میری محبت بڑھادیجیے۔"ڈاکٹر مفتی زبیر اشرف صاحب نے جنازہ سے قبل مختصر خطاب میں طلباء پر شفقت ومحبت کے سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کیا کہ: کافی پہلے ایک بار ایسا ہوا کہ کسی طالب علم نے حضرت سے شکایت کی کہ آج کھانا ٹھیک نہیں بنا، ہمارے ذہن میں تھا کہ حضرت طالب علم کو سمجھائیں گے، مگر حضرت کا رنگ فوراً بدل گیا اور ہمیں فرمایا کہ فوراً طلبہ کو باہر سے کھانا منگوا کر دو اور کھلاو۔"

طلباء مہمان رسول ﷺ ہیں، صبح وشام قال اللہ و قال الرسول پڑھتے ہیں، دینی علوم کے حصول کے لئے انتھک محنت کرتے ہیں، لہذا ان کے لئے اچھی غذا، اچھا قیام اور اچھی سہولیات فراہم کرنا ذمہ داران مدارس کا اولین فریضہ ہے۔

مطالعہ کا انہماک:

منصبِ اہتمام کے ساتھ درجنوں علمی، تحقیقی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی، حدیث وفقہ کی بلند پایہ تصنیفات آپ کے قلم سے منصہ شہود پر آئی، اس میں آپ کے ذوقِ مطالعہ کا دخل ہے، ورنہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو اہتمام وانتظام کی مصروفیات میں لگ جاتے ہیں، تحقیق وتصنیف اور علمی دنیا سے ان کی دوری ہو جاتی ہے، لیکن مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ نے اپنی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ کتابیں بھی لکھیں۔

وقت کی قدردانی اور ہر چیز کو منظم کرنے میں بھی اس کا اہم کردار ہے۔ذوقِ مطالعہ اور علمی انہماک ہی انسان کی عظمت ورفعت کا ذریعہ ہے، اسی بنیاد پر انسان اپنی علمی یادگاریں چھوڑ کر جاتا ہے، جسے دیکھ کر اور پڑھ کر لوگ اس کو یاد کرتے ہیں۔ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں: "اکثر وبیشتر مطالعے میں رات کے ایک دو بج جاتے ہیں، اور بسا اوقات مطالعے میں ایسی محویت ہوتی ہے کہ رات کی طوالت کا بالکل پتہ نہیں چلتا، اچانک اذانِ فجر کی آواز رات کے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔" (فتاوی دارالعلوم کراچی: ۱/۷)

اصلاح وتربیت میں شیخ کی اطاعت:

آپ کے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نہ صرف وقت کے عظیم فقہ ومفتی اعظم تھے، بلکہ تزکیہ وتصوف اور سلوک واحسان میں بھی مرجع خلائق تھے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ممتاز اور مقبول خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ گویا علم وفن، اور اخلاق وکردار کی ایک دنیا خود مفتی رفیع صاحب کے گھر میں آباد تھی۔ اپنے بارے میں فرماتے ہیں: عقلی اور عملی طور پر تو اگرچہ طالب علمی کے ابتدائی دور ہی سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ اصلاح باطن اور تزکیہ اخلاق کے بغیر علم وعمل دونوں بے جان رہتے ہیں۔۔۔ یہ تخصص فی الافتاء کے زمانے میں یہ پیاس پیدا ہوگئی تھی۔ دل میں یہ خلش اکثر رہنے لگی کہ ہم نے ابھی علم دین کا ادھورا نصاب پڑھا ہے، ایک بڑا حصہ باقی ہے۔ صرف تعلیم حاصل کی ہے، تربیت باقی ہے، فقہ ظاہر پڑھا ہے فقہ باطن کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔

والد صاحب کے مشورے پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ خاص حضرت ڈاکٹر عبد الحئی عارفیؒ سے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں دونوں بھائیوں نے بیعت کی۔ (میرے مرشد حضرت عارفیؒ:۲۷) شیخ سے اصلاح تعلق قائم کیا، والد صاحبؒ کی پوری توجہ ونگرانی بھی ہوتی رہی، ان دونوں حضرات نے اپنے اخلاق کو مزین کرنے اور دل کی دنیا کو اوصافِ حمیدہ سے آراستہ کرنے کے لئے مکمل طور پر فنا کر دیا۔ سمع وطاعات کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ اس ہیں اصل جس واقعہ کو بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی مقبولیت کا دائرہ پھیلنے لگا اور عین اسی وقت نے شیخ نے ان حضرات پر پابندی عائد کر دی کہ دس سال تک عوامی اجتماعات میں خطاب نہ کریں اور کسی طرح کی شہرت والی چیز میں شریک نہ ہوں۔ اس کا واقعہ خود حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں: ''ایک اور بات آپ سے عرض کرتا ہوں۔ حضرت کی خدمت میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے: ''بھئی آپ تقریر نہ کیا کریں'' اس زمانے میں ہماری تقریریں بہت ہوتی تھیں۔ میں دار العلوم کراچی کا مہتمم تھا، درجہ علیا کا استاد تھا، مسلم شریف پڑھاتا تھا، اخبارات میں اشتہارات چھپتے تھے، ریڈیو پر بھی تقریریں ہوتی تھیں۔ تو فرمایا بھائی آپ تقریریں نہ کیا کریں۔ اب ہم میں پوچھنے کی ہمت نہیں۔ اگلے ہفتے ہم پھر مجلس میں گئے تو پھر فرمایا بھائی تقریر نہ کیا کریں، ہم نے کہا کہ لوگ ہماری تقریر کے لئے آتے ہیں، اصرار کرتے ہیں، مانتے ہی نہیں۔ حضرت عارفیؒ نے فرمایا: انہیں میرے پاس بھیج دیا کرو۔ بس دار العلوم میں رہا کرو اور دار العلوم میں جمعہ کی تقریر جاری رکھو، طلبہ سے خطاب کر لیا کرو، لیکن باہر نہ جایا کرو، ریڈیو والے آئے تو انہیں بھی منع کر دیا۔۔۔ اس کے بعد الحمد للہ ہم نے پورے دس سال تک اس کی پوری پابندی کی۔ (مفتی بننا آسان نہیں: ۱۹)

اصلاح وتربیت کے لحاظ سے شیخ نے مناسب سمجھااور ان کی تربیت فرمائی اور پوری استقامت کے ساتھ وہ اس پر قائم رہے، پھر جب اللہ تعالی نے راہیں ہموار کردیں تو وعظ وخطاب کے میدان میں دونوں بھائی چھاگئے۔ حضرت مفتی رفیع صاحب کے خطبات کا مجموعہ ''اصلاحی تقریریں''نو جلدوں میں چھپا ہوا ہے۔اور وعظ وخطاب میں ایسی تاثیر پیدا ہوئی کہ لوگ دیوانہ وار ان کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ جس کو ہر طرف سے شہرت وعزت پکار رہی ہو وہ صرف اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں گوشۂ خاموشی میں چلا جائے اور اپنی شخصیت کو سنوارنے ،اور اندرون میں بنانے میں بے چوں چرا گمنامی اختیار کرلی۔ایسی ہی سمع وطاعت کے بعد اللہ تعالی عروج وسربلندی اور نیک نامی ومقبولیت عطافرماتا ہے اور پھر انسان بھی اپنی خدمات میں ہر دم رضائے الہی کو مقصود اور خوشنودئ مولی کو مطلوب بنالیتا ہے۔

مختصر سوانحی خاکہ:

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی پیدائش دیوبند میں ۱۶ جولائی ۱۹۳۶ء میں ہوئی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آپ کا نام ''محمد رفیع'' رکھا۔۔نصف حفظ قرآن دارالعلوم دیوبند میں کیا،یکم مئی ۱۹۴۸ء کو اپنے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئے۔۱۹۵۹ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی سے دورہ حدیث سے ''سند الفراغ'' حاصل کی،۱۹۶۰ء میں تخصص فی الافتاء کی سند حاصل کی۔۱۳۷۹ھ سے لے کر ۱۳۹۰ھ تک درسِ نظامی کے تقریبا تمام علوم وفنون کی کتابوں کی تدریس کا فریضہ انجام دیا۔پھر ۱۳۹۱ھ سے آپ علمِ حدیث واصولِ افتاء کی تعلیم وتدریس کی طرف متوجہ ہوئے جو آخر عمر تک جاری رہا۔۷ اپریل ۱۹۹۲ء کو مفتی اعظم پاکستان کا خطاب دیا گیا۔۱۹۹۹ء کے اعداد وشمار کے مطابق آپ کے خود نوشت فتاوی کی تعداد ۳۴۱۱اور تصدیق کردہ فتاوی کی تعداد ۴۲۶۷ ہے،اس کے بعد تاحیات اس کا سلسلہ جاری رہا۔آپ کی تقریبا ۲۷ کتابیں ہیں جن میں چند مقبول ومشہور ''التعلیقات النافعہ علی فتح الملھم ،(عربی) بیع الوفا (عربی) الحواشی علی شرح عقود رسم المفتی لابن عابدین (عربی) ضابط لمفطرات الصوم فی المذاہب الاربعۃ (عربی) الاخذ بالرخص وحکمھا (عربی) المقالات الفقہیہ ،(عربی) نوادر الفقہ (۲ جلدیں) علامات قیامت اور نزول مسیح،حیات مفتی اعظم ،میرے مرشد حضرت عارفی،کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں۔ علم الصیغہ اردو،انبیاء کی سرزمین میں ،فقہ میں اجماع کا مقام (عربی ،اردو) درسِ مسلم شریف (دو جلدیں) احکامِ زکوۃ،رفیق حج،اسلام میں غلامی کا تصور،یورپ کے تین معاشی نظام،وغیرہ۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وفات سے قبل مجلس

منتظمہ کے مشورے سے دارالعلوم کراچی کا نائب صدر مقرر کیا گیا، وفات کے بعد مہتمم جامعہ مقرر کیا گیا، حضرت عبدالحئی عارفیؒ کے انتقال کے بعد صدر جامعہ، اور تاحیات اس پر فائز رہے۔ ۱۸ نومبر ۲۰۲۲ء کو انتقال ہوا، برادر محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نے نمازِ جنازہ پڑھائی (مستفاد از: نوادر الفقہ، فتاوی دارالعلوم کراچی)

ایمان کی قیمت

ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھیئے کہ انہیں ایمان لانے میں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے میں انہیں کس طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹادیا گیا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپنے کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہو سکتا ہے نہ سندھ و بلوچستان میں اور نہ سرحد و پنجاب میں۔ تپنے کا مطلب مکہ مکرمہ میں جا کر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑ جاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لیے ہو رہا ہے کہ ان سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو جاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے احد، احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا اور نہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھیئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

(اصلاحی تقریریں جلد سوئم صفحہ 44)

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی دینی و ملی خدمات تحریر

(مولانا مجیب الرحمن انقلابی)

آپؒ سچے عاشق رسول ﷺ، محب وطن، اتحاد امت کے عظیم داعی،، علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے

آہ..... عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت، مفتی اعظم پاکستان اور صدر جامعہ دار العلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ بھی طویل علالت کے بعد اللہ جل شانہٗ کے حضور پیش ہو گئے، آپؒ کی وفات کی خبر پاکستان سمیت پوری دنیا میں انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ سنی گئی،...... قحط الرجال کے اس دور میں حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ جیسے ''جبال علم'' کا دنیا سے چلے جانا بہت بڑا نقصان ہے جس کا خلاء کبھی پُر نہیں ہو سکتا، یہ آپ کے خاندان، ادارہ یا پاکستان کے لیے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے لیے بھی بہت دکھ اور صدمہ کا باعث ہے.......۔

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک، سچے عاشق رسول ﷺ، محافظ ختم نبوت، محب وطن، اتحاد امت کے عظیم داعی، علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے آپؒ ایک متبحر عالم دین، فقیہ، محدث، محقق و مصنف، بہترین منتظم، کامیاب استاد، مدرس و مفتی اور اپنے والد گرامی سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کی مسند اور ان کے علوم و معارف کے حقیقی جانشین و وارث تھے، آپؒ کی تمام زندگی اسلام کی اشاعت، دین کی خدمت، مدارس و مساجد کے تحفظ، تحقیق و تصنیف، درس و تدریس اور اعلاء کلمۃ اللہ میں گذری آپؒ حقیقت میں اپنے والد گرامی اور اکابرین و اسلاف کی جیتی جاگتی عملی تصویر تھے جہاں وہ خود پاکیزہ اور نفیس مزاج و طبیعت کے مالک تھے وہاں جامعہ دار العلوم کراچی کی حسین و خوبصورت مسجد اور عمارات بھی آپؒ کے حسن ذوق کی عکاس ہیں، آپؒ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند اور عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

آپؒ کے والد گرامی کا تعلق ان معماران پاکستان کے ساتھ ہے جنہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے حکم و ہدایت پر تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، بانی جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ اور دیگر اکابرین علماء دیوبند کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے قیام پاکستان

میں بنیادی کردار ادا کیا اسی وجہ سے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی خواہش پر قیام پاکستان کے موقعہ پر آزادی کا پرچم مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے لہرایا۔

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی پیدائش 21 جولائی 1936ء کو دیوبند ضلع سہارنپور، ہندوستان میں ہوئی، آپؒ کے والد گرام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں استاد و مفتی تھے، آپؒ کی ابتدائی تعلیم و ترتیت دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم دینی ادارے میں ہوئی جہاں علم و عمل کے آفتاب وماہتاب اور اپنے وقت کے جید علماء اور فرشتہ صفت انسان موجود تھے اور اپنے والد گرامی کے ہمراہ بڑے بڑے اکابر علماء کی خدمت میں مجالس میں شریک ہوتے....۔آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ سے حاصل کی اور پھر دارالعلوم دیوبند میں قرآن مجید حفظ کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو چند سپارے حفظ کیے تھے کہ تحریک پاکستان کا آغاز ہو گیا... حضرت مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں ایک مرتبہ جمعۃالمبارک کے اجتماع سے خطاب کرے ہوئے خود فرمایا کہ جب قیام پاکستان کے تحریک چلی تو میں بھی دیگر بچوں کے ساتھ مل کر یہ نعرہ لگایا کرتا تھا۔

بٹ کے رہے گا ہندوستان......بن کے رہے گا پاکستان

گویا کہ بچپن میں ہی آپؒ نے بھی تحریک پاکستان میں حصہ لیا یہی وجہ ہے کہ تمام زندگی آپؒ وطن عزیز سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے رہے اور اس کی تعمیر و ترقی اور استحکام کے لیے مصروفِ عمل رہے۔

قیام پاکستان کے بعد اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے جہاں کراچی کورنگی میں حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے جامعہ دارالعلوم کراچی جیسا مثالی تعلیمی ادارہ قائم کیا اور اسی مدرسہ میں آپؒ نے اپنے والد حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، شیخ الحدیث مولانا سبحان محمودؒ، مولانا مفتی ولد حسن ٹونکیؒ، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مولانا سلیم اللہ خانؒ اور دیگر علماء سے دینی تعلیم حاصل کی اور پھر جامعہ دارالعلوم کراچی میں ہی بطور استاد درس وتدریس اور ''افتاء'' کے شعبہ کے ساتھ وابستہ ہوئے اور وفات تک تقریباً 65 برس اس کے ساتھ منسلک رہے، آپؒ کا اصلاحی تعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ممتاز خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ سے تھا جبکہ ''اجازت سند حدیث'' علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، مولانا حسن مشاطؒ اور شیخ محمد بن یاسین بن عیسیٰ الفادانیؒ اور دیگر آئمہ حدیث سے حاصل کی۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، جامعہ دارالعلوم کراچی میں زیر تعلیم طلباء کرام کے لیے ہر ممکن سہولیات کا اہتمام فرماتے وران سے اولاد کی طرح محبت وشفقت فرماتے، لین دین اور معاملات میں اس قدر احتیاط و دیانتداری تھی کہ خود فرماتے ہیں کہ یہاں مدرسہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے اندر بھی راستہ میں جارہا ہوں اور کوئی مدرسہ کے لیے مجھے رقم دے تو اس کے ساتھ فوری ایک پرچی لکھ کر رکھ لیتا ہوں کہ اتنی رقم میری جیب میں مدرسہ کی ہے اگر دفتر پہنچنے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو مدرسہ کی کوئی رقم میری وراثت میں نہ سمجھی جائے، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ مدرسہ جامعہ دارالعلوم کے وقف کے مال میں بھی احتیاط کرتے تھے اور خود فرمایا کہ میں جب دارالعلوم کراچی کی کسی شاخ میں دفتری کام سے جاتا ہوں تو ادارے کی گاڑی زیرِ استعمال ہوتی ہے، جب وہاں سے کام مکمل ہو جاتا ہے اور راستے میں کوئی ذاتی کام درپیش ہوتا ہے تو واپسی کا پیٹرول اپنے پیسوں سے ڈلواتا ہوں، کیونکہ واپسی پر گاڑی میرے ذاتی کام میں بھی استعمال ہوئی ہے۔

ایک اور موقعہ پر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے فرمایا کہ میرے دفتر میں دفتری استعمال کا کاغذ اور قلم رکھے ہوتے ہیں جو ادارے کے پیسوں سے ہونے کی وجہ سے وقف کا مال ہیں بعض اوقات بے دھیانی میں دفتر کا قلم اپنی جیب میں ڈال دیا، بعد میں خیال آیا کہ یہ قلم تو دفتر کا ہے اسے ذاتی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس کا حل میں نے یہ نکالا کہ اپنے سیکرٹری کو کہہ دیا کہ دفتر کی ساری اسٹیشنری میرے ذاتی پیسوں کی ہو گی، تاکہ بے دھیانی میں کوئی قلم میری جیب میں رہ جائے یا کوئی ذاتی تحریر لکھنی ہو تو اس کے لیے دفتر کا قلم جو دراصل وقف کا مال ہے میرے ذاتی استعمال میں نہ آئے اور قیامت کے دن اس کی جوابدہی میرے گلے نہ پڑ جائے۔

آپؒ اپنے فضلاء علماء کو کسب حلال کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام کے نام اپنے نصائح میں لکھا کہ حتی الامکان کوشش رہے کہ دینی علمی مشغلہ ایسا مل جائے جس میں معاش بھی اللہ تعالیٰ بقدر کفایت عطا فرمادے، اس مشغلے کو تمام دیگر مشاغل سے بالاتر سمجھیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ سمجھ کر پوری محنت، دیانت اور اخلاص کے ساتھ اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں اگر خدانخواستہ ایسا مشغلہ نہ مل سکے تو خالی ہرگز نہ رہیں جو بھی حلال ذریعہ معاش میسر ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہی سمجھ کر اختیار کریں خواہ وہ ٹوکریاں ڈھونے کی مزدوری ہی ہو کیونکہ بے کار رہنے سے بہرحال بدرجہا بہتر ہے اور اس کا حق بھی دیانت داری اور محنت سے ادا کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

آپؒ نے متعدد علمی و تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں جن میں، کتابت حدیث عہد رسالت ﷺ و عہد صحابہؓ میں، یورپ کے تین معاشی نظام، نوادر الفقہ، فتاوی دارالعلوم کراچی، یہ تیرے پراسرار بندے، انبیاء کرام علیہ السلام کی سرزمین میں، سفر

نامہ گلگت، قیام پاکستان اور علماء کا کردار، ضابطہ المفطرات، علامات قیامت اور نزول مسیح، رفیق حج، درس مسلم، درس بخاری، فقہ اور تصوف ایک تعارف، فقہ میں اجماع کا مقام، حیات مفتی اعظم، میرے مرشد حضرت عارفیؒ۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے ساتھ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور ان کے خاندان کا بہت گہرا تعلق ہے اسی حوالہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم حضرت اقدس حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہٗ اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بچپن سے لے کر وفات تک حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے ساتھ ایک والہانہ عقیدت و محبت تعلق رہا، علالت کے دوران بھی رابطہ رہتا، ان کے کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے وقت مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے چند سپارے دیوبند میں حفظ کیئے قیام پاکستان کے بعد قرآن مجید کے حفظ کی تکمیل کے لیے ہم دونوں اکھٹے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد انارکلی لاہور میں درجہ حفظ میں قاری خدابخش صاحبؒ جو کہ نابینا اور میرے والد حضرت مفتی محمد حسنؒ کے خلیفہ مجاز بھی تھے ان کے پاس پڑھتے تھے۔اس وقت ہم طلبہ کو شوق ہوا کہ ہم چند طلبہ مل کر کمرے میں جلسہ کریں اس میں حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ اپنے بچپن اور شعبہ حفظ کے طالب علم ہونے کے باوجود قرآن مجید کے ایک رکوع ''واذکر فی الکتاب ابراہیم'' انتہائی خوبصورت انداز میں تلاوت کیا ابھی دل و دماغ میں اس کی یاد اور حلاوت موجود ہے حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے ساتھ ملک و بیرون ملک کئی اسفار ہوئے....آخری بیرون ملک مشترکہ سفر تین سال قبل انگلینڈ گلاسکو کا تھا جس میں میرے گھر والے اور حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے گھر والے بھی ساتھ تھے وہاں ہمارے میزبان مولانا محمد نصیب صاحبؒ کی مسجد میں سالانہ جلسے سے خطاب کے علاوہ ایک بڑے ہال میں بھی پروگرام ہوا جس میں حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ نے بڑے خوبصورت انداز اور الفاظ میں موقعہ محل کے مطابق ناقابل فراموش یادگار تقریر کی تھی۔

اسی طرح مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے چھوٹے بھائی شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے بھی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں کچھ عرصہ دینی تعلیم حاصل کی دوران تعلیم ایک مرتبہ ایک استاد چھٹی پر چلے گئے تو مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ دیگر طلبہ کے ساتھ میرے گرامی حضرت والد مفتی محمد حسنؒ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے ایک استاذ صاحب چھٹی پر چلے گئے ہیں اس دوران ہمیں کتاب کا سبق پڑھانے کے لیے کسی دوسرے استاد کا انتظام فرمادیں حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ خود پڑھاؤں گا اور پھر مفتی محمد حسن صاحبؒ نے وہ کتاب خود مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور دیگر طلبہ کو پڑھائی۔ مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہ فرماتے ہیں کہ میرے اکلوتے بیٹے کا نام ''زبیر''(مولانا حافظ زبیر حسن) ہے اور مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے اکلوتے بیٹے کا نام بھی زبیر (مولانا ڈاکٹر مفتی زبیر اشرف) ہے، جامعہ اشرفیہ لاہور تو مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ اور ان کے خاندان

کا گویا اپنا گھر ہے کئی مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے اور میرے بڑے بھائی جان حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحبؒ اوراحقر کے ساتھ ملاقاتوں میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی محمد حسنؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اور ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کے ایمان افروز تذکرے ہوتے، مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے ایک مرتبہ امریکہ کے سفر کے دوران وہاں اس وقت موجود میرے بیٹے مولانا حافظ زبیر حسن نے حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنا تعارف کرایا تو بہت خوش ہوئے اور خوب اپنائیت و محبت اور دعاؤں سے نوازا۔۔۔

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ وہ کراچی لاہور، حرمین شریفین یا یورپ جہاں کہیں بھی ہوتے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، ڈاکٹر عبدالحہ عارفیؒ اور دیگر اکابرین کے تذکرے ضرور سناتے اور فرماتے تھے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی ان علمائے ربانی کی کتب و ملفوظات پر عمل کرنے میں ہے،ایک دفعہ امرتسر میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے میرے والد حضرت مفتی محمد حسنؒ کا وعظ سنا تو بے اختیار اشعار پڑھے جس کا عنوان تھا''امرتسر میں ہم نے ایک تھانہ بھون دیکھا''۔۔۔۔۔

آخر کار یہ علم و عمل کا آفتاب و مہتاب، پیکر زہد و تقوی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ 18 نومبر 2022 بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے،آپؒ کی نماز جنازہ آپ کے بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے پڑھائی جس میں طلباء، علماء، لواحقین ورثاء اور عقیدت مندوں سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد نے لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی بعد میں مرحوم کو جامعہ دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپؒ کی اولاد صالحہ دینی مدارس و مساجد،ہزاروں شاگرد،لاکھوں عقیدت منداور آپؒ کی تصنیفات آپؒ کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ، شخصیت وخدمات

(حکیم سید محمود احمد سہارنپوری)

مجھ کو معلوم نہ تھا تیری قضاء سے پہلے

نیر تاباں بھی زمیں بوس ہوا کرتے ہیں

مفتی اعظم پاکستان محترم مفتی رفیع عثمانیؒ کا سانحہ ارتحال ناقابل فراموش رہے گا 18 نومبر 2022ء کو علم وحکمت کا یہ ستارہ ڈوب گیا، وہ کراچی میں آسودہ خاک ہوئے عمر 96 برس پائی۔ مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی کا جنم 19 جولائی 1936ء کو ہوا والد محترم مولانا شفیع عثمانیؒ نے دونوں بھائیوں کی جس انداز اور جس نہج پر تربیت کی وہ بذات خود اپنی مثال ہے۔ دونوں بھائیوں کو بچپن سے ہی تبلیغ دین کے لیے مامور کر دیا تھا۔ الحمد اللہ مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ مرتے دم اور آخری سانسوں تک تبلیغی واصلاحی مشن پر گامزن رہے، ان کی جدائی کو اہل پاکستان نے بہت محسوس کیا۔ شاید ہی کوئی ایسا گھرانہ ہوگا جہاں مفتی اعظم پاکستان کی رحلت کا سوگ نہ دیکھا گیا ہوا، اللہ پاک غریق رحمت کرے' آمین۔ مفتی محمد رفیع عثمانی حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جامعہ درالعلوم کراچی میں زیر تعلیم، طلباء کرام کے لئے ہر ممکن سہولیات کا اہتمام فرماتے اور ان سے اولاد کی طرح محبت وشفقت فرماتے۔

لین دین اور معاملات میں اس قدر احتیاط، دیانت داری تھی کہ خود فرماتے ہیں کہ یہاں مدرسہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے اندر بھی راستہ میں جارہا ہوں اور کوئی مدرسہ کے لئے مجھے رقم دے تو اس کے ساتھ فوری ایک پرچی لکھ کر رکھ لیتا ہوں کہ اتنی رقم میری جیب میں مدرسہ کی ہے۔ اگر دفتر پہنچنے سے پہلے میرا انتقال ہو جائے تو مدرسہ کی کوئی رقم میری وراثت میں نہ سمجھی جائے۔ آپ اپنے فضلاء علماء کو کسب حلال کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام کے نام اپنے نصائح میں لکھا کہ حتی الامکان کوشش رہے کہ وہ دینی علمی مشغلہ ایسا مل جائے جس میں معاش بھی اللہ تعالی بقدر کفایت عطاء فرمائے، اس مشغلے کو تمام دیگر مشاغل سے بالاتر سمجھیں اور اسے اللہ تعالی کی نعمت عظمی سمجھ کر پوری محنت دیانت اور اخلاص کے ساتھ اس کا حق ادا کریں، آپ نے متعدد تحقیقی وعلمی کتب تصنیف فرمائیں، جن میں کتابت، حدیث، عہد رسالت، عہد صحابہ میں

یورپ کے تین معاشی نظام، نوادر الفقہ، فتادی دار العوم کراچی، یہ تیرے پراسرار بندے، انبیاء کرام علیہ السلام کی سرزمین میں۔ سفر نامہ گلگت، قیام پاکستان میں علماءء کرام کا کردار کے علاوہ متعدد تصانیف شامل ہیں۔ نماز جنازہ آپ کے بھائی شیخ السلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے پڑھائی جس میں طلباء، علماءء، لواحقین ورثاء عقیدت مندوں سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد نے لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی۔انکو جامعہ دار العلوم کراچی کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

وطن عزیز کے طول و عرض میں مفتی اعظم پاکستان کو عقیدت کے پھول پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ پاسبان وطن نے بھی گزشتہ دنوں عقیدت و محبت کی شمع روشن کی۔ انجمن فیض اسلام راولپنڈی میں ہونے والے اس یادگار تعزیتی ایونٹ میں ڈاکٹر جمال ناصر، سید چراغ الدین شاہ، مولانا عبدالمجید ہزاروی، چوہدری خورشید انور، سید شاہد گیلانی اور جاوید خان بنگش سمیت سماجی، عوامی اور مذہبی حلقوں کی شخصیات نے شرکت کرکے اپنی مودت و حشمت کا اظہار کیا۔

مقررین کا کہنا تھا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ اور مولانا مفتی تقی عثمانی نے ہر دور میں تبلیغ واصلاح کے لیے خود کو پیش پیش رکھا ان کے تصانیف گواہ ہیں کہ مفتی مرحوم نے زندگی کا ایک ایک لمحہ دین اسلام کے لیے وقف رکھا۔ الحمداللہ آج دنیا بھر میں انہوں نے سینکڑوں، ہزاروں بلکہ کروڑوں شاگردان رشید ارفع و اعلی مشن پر کاربند ہو کر تبلیغی کارواں کو آگے بڑھاتے رہے ہیں ہماری اور ہمارے والد محترم مرحوم و مغفور حکیم سروسہارن پوری کی عثمانی فیملی سے نیاز مندی رہی، عثمانی برادران کے والد مولانا شفیع عثمانی نے خدمت دین کے لیے جو کارنامہ انجام دیتے اس پر فخر و اعجاز کے کئی مینار تعمیر کئے جا سکتے ہیں۔

مولانا رفیع عثمانیؒ اور مولانا تقی عثمانی نے سود کے خلاف جو جنگ لڑی اس کی مثال نہیں ملتی۔ وفاقی شریعت کورٹ نے جن دنوں سود کے خلاف فیصلہ دیا اور حکومت کو پانچ سال تک سودی نظام کے مکمل خاتمے کے مہلت دی۔ اس فیصلے پر مفتی رفیع عثمانیؒ اور مفتی تقی عثمانی نے جس خوشی کا اظہار کیا وہ لمحات ناقل فراموش تھے۔ مقام شکر ہے کہ انکی کوششوں سے حکومت نے سودی فیصلے کے خلاف بنکوں کو اپیل کی درخواستیں واپس لینے کی ہدایت کی۔ اللہ پاک مفتی رفیع عثمانیؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے شاگردوں اور احباب کو ان کے مشن پر کاربند رہنے کی توفیق دے، آمین۔

مفتی رفیع عثمانیؒ

(امتیاز احمد تارڑ)

آنکھ رو رہی ہے، دل غمناک ہے، لیکن زبان وہی کہے گی، جو میرے رب کی رضا ہے، اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں بہت غم زدہ ہیں۔ ہم بھی کہیں گے اے استاد گرامی! آپ کی جدائی نے بہت دکھی کیا۔ آہ! ایک اور علم و عمل کا پہاڑ چل دیا۔ ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ خالق ارض و سما کے اس ضابطے سے کوئی مستثنٰی نہیں۔ کاررواں چل رہا ہے، محفلیں اجڑ رہی ہے۔ آس پاس بیٹھے، پہلو بہ پہلو لوگ گم ہو رہے ہیں۔ شہاب ثاقب ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں مگر آسمان کا دامن یونہی ستاروں سے بھرا رہے گا۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ، بہترین منتظم، متجسس، یکسو، دیانتدار، ضابطہ پسند، دلیل اور منطق سے بات کرنے والے۔ فیاض چشم، متواضع اور بے حد مروت کے حامل تھے۔ خوش انتظامی نیک نامی اور ہر دل عزیزی سے سب کو مطمئن رکھنے کا فن موروثی تھا۔

یقینی طور پر مقبولیت کے اس قدر اسباب کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ آپؒ مصلحت کے پُر فریب موسموں میں بھی حق و صداقت کا شکار بن کر جیتے رہے۔ لیکن جب کبھی اسلام کے خلاف باطل نے سر اٹھایا تو آپؒ میدان عمل میں آ کھڑے ہوتے، زمینی حقائق سے ہم آغوش، سناٹوں کو چیرنے والی ایسی گرج دار آواز، جو اونچی شہ نشینوں والے ایوانوں پر بھی کپکپی طاری کر دیتی تھی، وہ اچھوتی تشبیہات اور انوکھے استعارے تراشنے کی بجائے سنجیدہ اور سادہ باتیں کرتے تھے، اب ان کا اسلوبِ تحریر اور اندازِ گفتگو کہاں سے لایا جائے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک سپاہ تشکیل دی تھی، مفتی رفیع عثمانیؒ اس سپاہ کے پرچم برداروں میں سے ایک تھے۔ دھیمے سروں میں، دل میں اتر جانے والی بات کہنے کا سلیقہ، اپنے موقف کے حق میں ٹھوس دلائل، سیاسی حرکیات پر عبور، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں، انتھک محنت و ریاضت، مقصد کی لگن، کھری، دو ٹوک اور ستائش و صلے سے بے نیاز ہو کر حق گوئی کا ڈھنگ آپ کی شخصیت کا جزو لاینفک تھا۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ تدریس کے شہنشاہ، تفہیم کے بادشاہ، چنیدہ الفاظ، تراشیدہ مفاہیم، فہمیدہ لب و لہجے، اعلیٰ ذوق، ارفع معیار، اونچے منتظم ہونے کے ساتھ ہمارے عہد کا بانکپن تھے، وہ صاحبِ علم و عرفان بھی تھے اور دینی علوم پر دسترس رکھنے والے عالم دین بھی۔ ان کی طبیعت میں مومنانہ گداز بھی تھا اور حق کی سربلندی کے

لئے مجاہدانہ جنون بھی۔ وہ روحانیت کی راہوں کے فقیر منش مسافر بھی تھے اور علم و تحقیق کی کٹھن منزلوں کے متلاشی بھی۔ ان کی گفتگو ہیجان، غصے، اشتعال اور غضب سے خالی تھی۔ یہی وجہ کہ آپؒ فرقہ واریت کی فتنہ گری سے کوسوں دور تھے۔

نفرت اس پاکباز شخص کے جذب و احساس میں کبھی گھر نہ کر سکی۔ وہ اتحاد بین المسلمین کے ایسے داعی تھے، جس نے زبان سے کبھی زہر فشانی کی نہ ہی کسی کا دل دکھایا۔ قرآن و حدیث کی تدریس اور بین المذاہب ہم آہنگی ان کے لہو کی ایک ایک بوند میں رچی بسی تھی۔ بے چارگی، بے حمیتی، بے وقعتی اور بے بضاعتی کا سبب یہ ہے کہ ہمارے علمی مراکز ایسے معتدل علماء کرام سے خالی ہوتے جارہے ہیں۔ مولانا یوسف لدھیانویؒ، مولنا رشید احمد لدھیانویؒ، مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مفتی محمد نعیمؒ اور مفتی محمد جمیل خانؒ جیسے کیسے کیسے علماء اٹھتے جارہے ہیں۔

آپؒ کا ہر لمحہ حیات، ایک مقصد، ایک مشن اور ایک عشق کی بھٹی میں سلگتا رہا۔ آپ جیسی متحرک 'فعال سرگرم' اور جنوں شعار زندگی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ مرقعِ نفاست، نستعلیق بدن، کتابی چہرہ، پروقار چال ڈھال، ستواں ناک پر تمکنت سے ٹکائی ہوئی عینک، علمی رعب و دبدبہ، شاہانہ مزاج، فقیرانہ رویہ، نازک طبع، اعلیٰ معیار، مسند حدیث کی رونق۔ آپ کی شخصیت تھی۔ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی اپنے بڑے بھائی کو والد کی جگہ دیتے تھے، کیا قابل رشک علمی جوڑی تھی، کیا ہی عقیدت و محبت کی مورتیاں تھیں، کیا ہی یک جان دو قالب تھے، کیا ہی لازم ملزوم قسم کا بھائی چارہ تھا، کیا ہی مثالی جوڑ تھا۔ آج دارالعلوم کا ذرہ ذرہ نوحہ کناں ہے، درودیوار دارالعلوم آج تصویر حزن و ملال ہیں، دارالعلوم کی پرشکوہ عمارات غم کا گھروندہ ثابت ہورہی ہے۔

منصب افتاء آج حق فتویٰ ادا کرنے والے فقیہ کی رحلت پر ماتم کناں ہے، اہتمام و انصرام کا کوہ ہمالیہ آج روئی کے گالوں کی مانند اڑ رہا ہے۔ کیونکہ آج کے بعد دارالعلوم کی فضاؤں میں وہ گرج دار آواز کا طنطنہ نہیں ہوگا۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936ء کو متحدہ ہندوستان میں واقع دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ تحریک پاکستان کے رہنما مفتی اعظم پاکستان دارالعلوم کراچی کے بانی مفتی شفیع عثمانی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ پاکستان کے موجودہ مفتی اعظم اور مشہور درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے رئیس ہونے کے علاوہ 30 سے زائد کتابوں کے مصنف، مفسر قرآن، فقیہ تھے۔ مرحوم تحریک پاکستان کے کارکن اور قیام پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان کی جدوجہد کے ایک دینی رہنما تھے۔

اس وقت پیدا ہوئے، جب ان کے والد مفتی محمد شفیع دارالعلوم دیوبند میں استاذ تھے۔ مرحوم مولانا رفیع عثمانی نے ساری زندگی دارالعلوم کراچی کے احاطے میں اپنے والد کی مسند علم وارشاد پر قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہوئے گزاری۔ مرحوم کے دادا مولانا محمد یاسین بھی دارالعلوم دیوبند کے استاد تھے، ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا، درس مسلم، دو قومی نظریہ،

نوادر الفقہ، پر اسرار بندے ان کی اہم کتابوں میں شامل ہیں۔ آپکے والد گرامی مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیعؒ فرماتے تھے: تنظیم کا نام ادب نہیں ہے بلکہ ادب نام راحت پہنچانے کا ہے، اساتذہ کا ادب و احترام نہ کرنے کی وجہ سے علم میں خیر و برکت اٹھ جاتی ہے، عادۃ اللہ یہی ہے کہ استاد خوش و راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔ غلطیوں سے مبرا اور ہر کام میں توازن و اعتدال تو صرف انبیاء کا خاصا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی اُخروی منازل کو آسان فرمائے۔

قبر کی آواز

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی قبر کی جگہ پہلے سے متعین ہے۔ اللہ رب العزت نے تقدیر میں اسے لکھ دیا ہے۔ اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں کہ فلاں انسان کہاں مرے گا اور کہاں دفن ہو گا۔ حتی کہ اپنے بارے میں بھی کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اسے کہاں موت آئے گی اور کہاں کی مٹی اسے کی قبر بنے گی۔ لیکن قبر کو معلوم ہے کہ میرے پاس کون آئے گا۔ امام غزالی رحمتہ اللہ احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں کہ قبر کی جگہ اپنے اندر آنے والے کو آواز دیتی رہتی ہے کہ اے فلاں! میں تاریکیوں اور اندھیروں کا گھر ہو، میں تیرے انتظار میں ہوں، میرے اندر رہنے والے بچھو اور سانپ بھی تیرے منتظر ہیں۔ اور اللہ کی رحمتیں بھی منتظر ہیں۔ میرے پاس تیاری کر کے آ۔ اگر تیاری کر کے آئے گا تو میری بانہیں تیرے لیے کھل جائیں گ، تاریکی روشنی میں بدل جائے گی، تنگی وسعت میں تبدیل ہو جائے گی اور اللہ کے عذاب کی بجائے اس کی بے پناہ رحمتیں تیرا استقبال کریں گی۔ لیکن اگر تو تیاری کے بغیر آ گیا تو یاد رکھ! میرے بچھوؤں اور سانپوں کے ذریعے تیرے اوپر دردناک عذاب مسلط کیا جائے گا۔

(اصلاحی تقریریں جلد 5 صفحہ 29)

آہ! مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی

(عبدالخالق ہمدرد)

کل رات ایک مجلس میں جانا ہوا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ اچانک ایک شخص نے آکر یہ جانکاہ خبر سنائی کہ مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ فوت ہو گئے ہیں اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ ٹی وی پر پٹی چل رہی ہے۔ میرے لئے یہ خبر غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ جگر خراش بھی تھی۔ بھاگ کر ٹی وی پر نظر ڈالی تو واقعی پٹی چل رہی تھی۔ زبان سے بے ساختہ اناللہ نکلی اور واپس دوسرے کمرے میں آ گیا۔

کچھ لوگوں کی وفات کی خبر پر یقین نہیں آتا

موت ایک حقیقت ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وفات اور انتقال کی خبر کا یقین نہیں آتا یا یوں کہہ لیجئے کہ آدمی اپنے دل کو حوصلہ دیتا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اس کی ایک بہت واضح مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ تھا۔ موت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن فاروق اعظم اس خبر کو سننا نہیں چاہتے تھے۔

مفتی صاحب کے اسلوب گفت گو نے سحر میں جکڑ لیا

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع رحمہ اللہ تعالی کو پہلی بار کوئی تیس برس قبل دار العلوم کراچی کی پرانی مسجد میں دیکھا اور سنا تھا اور اس ایک مجلس نے اپنی محبت کے سحر میں گرفتار کر لیا۔ مجھے اس محفل میں ان کی باتیں اور اسلوب گفتگو بہت پسند آیا۔ بعد کے دنوں میں آپ کی جمعے کی تقریر بارہا سنی لیکن اس اسلوب میں کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ دار العلوم کے مہتمم تھے اور مہتمم کو وہاں کی اصطلاح میں صدر کہتے ہیں۔ آپ گاہے بگاہے طلبہ سے اجتماعی خطاب فرمایا کرتے تھے۔ ہم چونکہ اس زمانے میں ابتدائی درجات میں تھے، اس لئے درسگاہ میں آپ سے مستفید ہونے کا موقع نہیں مل

سکا۔ صدر دار العلوم ہونے کی وجہ سے آپ کا ایک رعب ضرور تھا لیکن جب طلبہ سے خطاب فرماتے تو ''میرے بچو!'' کا لفظ اس پیار سے بولتے تھے کہ واقعی ایک شفیق باپ کے الفاظ جیسی حلاوت محسوس ہوتی تھی۔

پوزیشن نہ لینے والے طلباء کی حوصلہ افزائی

امتحانات کے نتائج کے دن آپ کا خطاب ضرور ہوتا تھا اور اس میں آپ سب سے پہلے پوزیشن لینے والے طلبہ کو مبارکباد دیتے اور اس کے بعد ناکام ہونے والوں کو حوصلہ دیتے کہ ''بھئی اس بار جو کمی کوتاہی رہ گئی ہے وہ کوشش کرکے اگلے امتحان تک پوری کرلیں تو آپ بھی انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

اس خطاب کے بعد نتائج کا اعلان ہوتا تھا۔ اس زمانے میں انعامات میں کتابیں، کپڑے، واسکٹ اور ''ڈیوڑھا وظیفہ'' شامل ہوتا تھا۔ ہم جیسے طلبہ کے لئے ڈیوڑھا وظیفہ بہت اہم ہوتا تھا۔ نتائج کی یہ مجلس کبھی حضرت ناظم صاحب مولانا سحبان محمود رحمہ اللہ تعالیٰ اور کبھی حضرات شیخین میں سے کسی ایک یا مولانا شمس الحق رحمہ اللہ کی دعا پر اختتام پذیر ہوتی تھی۔

حضرت صدر صاحب طلبہ سے بہت محبت فرماتے تھے اور ان کی آسائش اور آرام کا اسی طرح خیال رکھتے تھے جیسے اپنے بچوں کا رکھا جاتا ہے۔ میں نے دار العلوم کے تین برسوں میں کبھی آپ کو غصے میں نہیں دیکھا۔ آپ طلبہ سے ہمیشہ شفقت اور محبت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ طلبہ کو یہ بات معلوم تھی کہ اگر صدر صاحب ایک بار کوئی درخواست منظور نہ کریں تو دوسری بار درخواست دینی چاہئے، منظور ہو جاتی ہے۔

نفاست کے پیکر، سلام میں پہل کرنے والے

آپ کے مزاج میں بلا کی نفاست تھی جو آپ کی مخصوص ٹوپی اور لباس سے عیاں ہوتی تھی۔ اپنے اس عظیم مرتبے اور دار العلوم کے صدر ہونے کے باوجود ان سے سلام میں کوئی آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ بعض اوقات ہم دوست آپس میں طے کرتے کہ آج صدر صاحب کو پہلے سلام کرنا ہے اور اسی انتظار میں ہوتے لیکن مسجد کی طرف آتے ہوئے ہم پر نظر پڑتی تو فوراً سلام علیکم کہہ دیتے۔ یہی عادت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بھی ہے۔

صدر صاحب کی ہر عادت نرالی تھی اور طلبہ کے لئے ہر عادت میں شفقت ہی شفقت ہوتی تھی۔ طلبہ کی درخواست پر بہت سے امور بدل دئے جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم طلبہ کے خادم ہیں۔

حضرت کی جمعے کی تقریر سننے کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے جبکہ دار العلوم کی پرانی مسجد میں گنجائش کم ہوتی تھی۔اس لئے پہلے جمعے کے دن برآمدے میں شامیانے لگائے جاتے تھے مگر بعد میں ٹین کی مستقل چھت ڈال دی گئی۔ ہم طالب علمی کے لاابالی پن کے باوجود تقریر سننے جاتے تھے۔

لوگ یورپ سے برائیاں تو ساتھ لاتے ہیں خوبیاں نہیں

ایک بار آپ یورپ کے دورے سے واپس آئے تو دو تین جمعے اس سفر پر تبصرہ فرمایا۔اس کا خلاصہ یہ تھا کہ یورپ میں نظم وضبط ہے، عدل وانصاف ہے اور خرابیاں بھی بہت ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے جو لوگ وہاں جاتے ہیں، وہ یورپ کی خرابیاں تو اپنے ساتھ لے آتے ہیں لیکن وہاں سے خوبی کوئی نہیں لاتے۔

حضرت مفتی صاحب سے آٹو گراف لینے کا قصہ

دارالعلوم میں تعلیم کے پہلے سال کے اختتام پر میں نے اپنے اساتذہء کرام سے دستخط لئے۔میری خوش نصیبی کہ اس دن حضرت صدر صاحب سے بھی دستخط لیا۔اس کی روداد 12 جنوری 1993 کی ڈائری میں یوں درج ہے:

عشاء کے بعد حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کے انتظار میں رہا کہ کب نماز سے فارغ ہوں تو میں ڈائری آگے کروں۔چنانچہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ڈائری سامنے کی۔آپ نے ڈائری لی اور پوچھا کہ کس درجے میں پڑھتے ہیں۔میں نے اولی بتایا۔انہوں نے ڈائری پر صرف یہ لکھا" العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک "(علم آپ کو اس وقت تک کچھ نہیں دے گا جب تک تم اپنا سب کچھ اسے نہ دے دو)۔ پھر دستخط کیا اور اپنے روایتی انداز میں سلام علیکم کہہ کر چل دئے۔

آہ! مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی

آہ! مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی

آج اٹھائیس برس بعد اس تحریر کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ وہ نفیس اور عظیم انسان آج ہم میں نہیں رہے۔ واقعی کسی شاعر نے سچ کہا ہے کہ:

یدوم الخط فی القرطاس دہرا

وکاتبہ رمیم فی التراب

(صفحہ ءقرطاس پر خط ایک زمانے تک باقی رہتا ہے جبکہ اس کو لکھنے والا پیوند خاک ہو چکا ہوتا ہے)۔

اور پشتو میں ایک اور شعر ہے کہ:

گوتہ قلم تہ رابہ جڑا شو

خط بہ باقی وی مونگہ تورے خاورے شو

(انگلی قلم کے سامنے روپڑی اور کہا کہ خط باقی رہ جائے گا اور ہم سیاہ خاک ہو جائیں گے)۔

دارالعلوم کی جدید تعمیرات مفتی صاحب کے اعلی ذوق کی آئینہ دار

دارالعلوم کی نئی تعمیرات حضرت صدر صاحب کے اعلیٰ ذوق اور نفاست کی آئینہ دار ہیں۔ آپ اس عظیم منصوبے کی نگرانی بنفس نفیس کرتے تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے آپ کو بار بار وہاں کام کا جائزہ لیتے دیکھا اور وقف مال کا اس قدر خیال فرماتے کہ تعمیرات کے دوران نکلنے والی زائد مٹی بھی باہر نہیں پھنکوائی۔ اسی طرح مسجد کی تعمیر کے دوران بھی اسی تندہی اور فرض شناسی کا مظاہرہ فرمایا۔ ہمارے بعض احباب نے بتایا کہ جب مینار کا کلس لگایا گیا تو پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے اوپر چڑھ کر دیکھا اور اطمینان کر لیا کہ کام ٹھیک ہوا ہے۔

الغرض حضرت صدر صاحب کی شخصیت محبت، شفقت، رواداری، حسن انتظام اور حسن تدریس کا ایک نمونہ تھی۔ آج دنیا اس انجمن سے محروم ہو گئی ہے اور گلشن عثمانی کا وہ عظیم پھول اپنے اسلاف صالحین کی محفل میں پہنچ گیا ہے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

لاکھوں شاگرد یتیم ہو گئے

حضرت صدر صاحب کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ تو کبھی پر نہ ہو سکے گا کیونکہ ہر انسان دنیا میں ایک ہی بار آتا ہے لیکن وہ اپنے پیچھے جو لواحقین چھوڑ کر گئے ہیں، ان سے امید یہی ہے کہ ان شاءاللہ وہ ان کی اس علمی میراث کو مزید ترقی دیں گے اور ان شاءاللہ دارالعلوم کراچی کا یہ سفر یوں ہی جاری وساری رہے گا۔

آپ کی وفات سے صرف دار العلوم یا خانوادہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، ہی متاثر نہیں ہوا، بلکہ آج آپ کے وہ لاکھوں شاگرد بھی یتیم ہو گئے ہیں جو دنیا کے گوشے گوشے میں دین کی ترویج کے لئے کوشاں ہیں۔ بلا شبہ آپ کی دینی خدمات کو تا قیامت یاد رکھا جائے گا۔

دکھ کی اس گھڑی میں میں حضرت کے جملہ خاندان اور لواحقین سے عمومی اور اپنے استاد محترم حضرت مولانا زبیر اشرف عثمانی صاحب مد ظلہ العالی سے خصوصی تعزیت کا اظہار کرتا ہوں کہ غم کے اس لمحے ہمارا دل بھی انہی کی طرح رنجیدہ ہے کیونکہ حضرت صدر صاحب جس طرح ان کے حقیقی والد تھے، اسی طرح ہمارے روحانی باپ تھے۔ اللہ تعالی ہم سب کو یہ صدمہ سہنے کی توفیق بخشے اور حضرت صدر صاحب کے درجات بلند فرمائے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ، وعافہ واعف عنہ، واکرم نزلہ ووسع مدخلہ، واغسلہ بالماء والثلج والبرد، ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس، وابدلہ دارا خیرا من دارہ، واھلا خیرا من اھلہ، وزوجا خیرا من زوجہ، وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر۔

موت کی سختی سے پناہ مانگنے کی تلقین

وہ روح جو ایک عرصہ تک ہمارے جسموں کے اندر رہتی ہے، جسم کی رگ رگ میں سمائی ہوتی ہے، ریشے ریشے میں پیوست ہوتی ہے جب جدا ہوتی ہے تو تکلیف بہت ہوتی ہے۔ اس لیے اس تکلیف سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی مرض الموت میں یہ دعا فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى غَمَرَاتِ المَوْتِ أَو سَكَرَاتِ المَوْتِ

اے اللہ میری موت کی سختیوں میں یا سکرات الموت میں مدد فرما (ترمذی)

(اصلاحی تقریریں جلد 5 صفحہ 35)

خامۂ عقیدت

(مفتی شمشیر حیدر قاسمی استاذ حدیث وفقہ جامعہ رحمانی، خانقاہ مونگیر/بہار)

18نومبر 2022مطابق 23ربیع الآخر سنہ 1444ہجری، شنبہ کی شب مطالعے سے فارغ ہوکر سونے سے پہلے کسی ضرورت سے موبائل ہاتھ میں لیا،اورایک اچٹتی نگاہ سوشل میڈیاپرڈالناچاہا،توہرطرف ایک کہرام مچاہواتھا،اولاًمجھے یقین نہیں آیا،مگرجب متعددذرائع سے اسی اندوہناک خبرکی ترسیل ہونے لگی تودل دھک سے رہ گیا،دراصل دارالعلوم کراچی سے غموں اور صدموں کی ایک لہر اٹھی،جو پوری دنیا میں پھیل گئی،حسرت وافسوس کاایک عجیب وغریب منظرنگاہوں کے سامنے قائم ہو گیا،علمی حلقوں،خانقاہی مجلسوں،دینی اداروں،دعوتی تنظیموں اوراصلاحی نشستوں میں ایک سناٹاساچھاگیا،ہرشخص اداس اداس نظرآنے لگا،مدارس کے طلبہ افسردہ افسردہ اوراساتذہ رنجیدہ رنجیدہ دکھنے لگے،ہرایک کی زبان سے بس ایک ہی صداسنائی دینے لگی،اناللہ واناالیہ راجعون،اناللہ واناالیہ راجعون،کیوں کہ ایک ایسی عظیم ہستی کانیرحیات غروب ہوگیاتھاجواپنی ذات میں ایک انجمن تھی،جہاں سے قرآنی علوم اورنبوی فیوض کے سوتے پھوٹتے تھے،جن کے آستانے سے رشدوہدایت کے جام چھلکائے جاتے تھے،جن کے دردولت پرہرلمحہ دوائے دل تقسیم ہوتی تھی،جہاں سے دین وشریعت کی ایسی روشنی پھوٹتی تھی،جوضلالت و جہالت کی ظلمت کدہ کوبقعۂ نوربنادیتی تھی،اس عظیم ہستی پردارالعلوم کراچی کے مسندحدیث کونازتھا،دارالافتاء سینہ تان کران کے فتوے کوپیش کرتاتھا،دارالتفسیرمیں ان کی نکتہ آفرینی کاغلغلہ تھا،مجلس وعظ وتذکیرمیں ان کے اخلاص وانابت کی سحرانگیزی واثرآفرینی کاطنطنہ تھا،انتظام وانصرام کی دنیامیں ہرایک کی زبان پران کے ہی نام کازمزمہ تھا،افسوس آج اس عبقری ہستی نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بندکرلی،اب اس ناسوتی عالم میں کسی کوان کادیدارنہیں ہوسکے گا،اب براہ راست ان سے استفادے کی راہیں مسدودہوگئیں ہیں،کانوں میں رس گھولنے والی ان کی صدائے دلنوازکی سماعت کے لئے تشنگان علوم ترستے رہیں گے؛-

بلاشبہ ان کاچلایاہوانظام،ان کاسجایاہواچمن،ان کاپھیلایاہوارشدوہدایت کاسلسلہ چلتارہے گا،بڑھتارہے گا،چمکتارہے گا،منازل ترقی سے ہم کنارہوتارہے گا،ان کے علوم سے افادے اوراستفادے کے دروازے بھی کھلے رہیں گے،لوگ پروانہ وار آتے رہیں گے،ان کے بنائے ہوئے نظام وسسٹم کے مطابق مئے توحیدسے اپنی تشنگی بجھاتے رہیں گے،نورسنت سے اپنی زندگی

چمکاتے رہیں گے، قرآنی تعلیماتِ اور نبوی ہدایات کی نشرو اشاعت کرتے رہیں گے ، اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے ان کے شاگردوں کی ٹیم دعوت دین، احیائے سنت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے ؛

مگر نگاہیں ڈھونڈیں گیں اور اشاروں ہی اشاروں میں کہتی رہیں گیں !

کاش ! مفتی اعظم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی بقید حیات ہوتے !

مگرہاں ! یہ دنیا ہے، یہاں کی ہر شئی فانی ہے، کیسے کیسے آئے اور چلے گئے، جب تک دنیا قائم ہے آنے جانے کا یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہے گا، صرف اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے جو ہر طرح کی فناو زوال سے پاک ہے :

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلالِ وَالإِكْرَامِ

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی بھی ایک متعین عمر کے ساتھ آئے تھے اور اس متعین عمر کی تکمیل کے بعد رب العالمین کے حضور بلا لئے گئے،

اسی طرح ہر آنے والے کو ایک نہ ایک دن چلے جانا ہے، کامیاب انسان وہ ہے جس نے اس دنیا میں رہ کر اپنے رب کو پہچانا، دین اسلام کو مضبوطی سے تھاما، سنت نبوی کو اپنی زندگی کا اسوہ بنایا، اور ایمان کو سینے سے لگائے ہوئے اس دنیا کو الوداع کہا، ہمیں یقین ہے کہ مفتی اعظم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ بھی انھیں کامیاب انسانوں میں سے تھے، در حقیقت آج اسی عظیم ہستی کے فراق میں یہ ہنگامہ آرائی ہے، انہی کی جدائی کے غم میں لاکھوں عقیدت مند بلک رہے ہیں، اور بزبان حال یہ کہے رہے ہیں :

اے پیکر علم و معرفت !

اے خادم قرآن و سنت

اے شیخ طریقت !،

اے آستانۂ تھانویت کے آخری یادگار !

اے حضرت عبد الحہ عارفی کے جانثار !

اے مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع کے آنکھوں کا نور !

اے محقق عصر، فقیہ زمان حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کے دل کا سرور!

اے مفتی زبیر اشرف عثمانی کے سر کا سایۂ شفقت و محبت!

اے ملت اسلامیہ کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز!

اے اکابر و اسلاف کے علوم و معارف کا ترجمان!

ذرا ایک بار آنکھ تو کھولئے! دیکھئے ہم اہل عقیدت آپ کے آستانے پر اپنے کشکول لیکر آئے ہیں، آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے اسرار قرآنی اور رموز نورانی سے ہم اپنے کشکولوں کو بھرنا چاہتے ہیں، آپ نے ہی تو ہمیں حصول علم کا شوق دلایا ہے، ہم آپ کی تحریک پر ہی آپ کے آستانے پر حاضر ہوئے ہیں، کچھ تو فرمائیے، ہمیں مایوس مت کیجئے، آپ نے ایک طویل عرصے تک علم و معرفت کا جام لٹایا ہے، ہم بھی پر امید ہو کر آئے ہیں، ہمیں بھی نواز دیجئے! اتنی جلدی ہم سے مت روٹھئے، بالیقین آپ اور آپ کے خاندان کا ملت اسلامیہ پر بڑا احسان ہے، ایک احسان ہم پر اور کر جائیے!

راقم آثم کا یہ احساس ہے کہ شاید ان ہنگامہ آرائیوں، تعزیتی تحریروں، غموں اور صدموں کا اظہار کرنے والے بیانوں اور ایصال ثواب کی مجلسوں کے پس پردہ اسی طرح کے جذبات و کیفیات کارفرما تھے، اور ہمارے وجدانیات کا یہ بھی ماننا ہے کہ اگر بعد از مرگ کسی کو بولنے کی اجازت ہوتی تو روح رفیع سے یہ صدا بلند ہوتی، کہ اب ہم اس عالم میں پہنچ چکے ہیں جہاں سے ہمارے لئے اس دنیا کے لوگوں کے ساتھ بالمشافہ ہم کلام ہونا ممکن نہیں ہے۔

لہذا اب ہم آپ سے براہ راست گفتگو تو نہیں کر سکتے؛ مگر ہم نے پروانۂ علم و معرفت کی تسکین کے لئے ماہرین قرآن و سنت کا جال پھیلا دیا ہے، تشنگان علوم کی سیرابی کے لئے علم و ہنر کے بہت سے چشمے تیار کر دیا ہے، سالکین راہ طریقت کی رہنمائی کے لئے رشد و ہدایت کے کتنے ہی میخانے قائم کر دیئے ہیں، اور شیدایان علم کے لئے بہت سی کتابیں تصنیف کر دی ہیں، جو چاہے، جہاں سے چاہے حسن نیت اور صدق دل کے ساتھ آئے، استفادہ کرے، مئے توحید سے اپنی تشنگی دور کرے، علمی جواہر پاروں سے اپنے کشکولوں کو بھرے، قرآن و سنت کے علوم سے اپنے دلوں کو مزین کرے اور دین مبین کا داعی، شیدائی اور فدائی بن کر اقصائے عالم میں پھیل جائے، اپنی زبان، اپنے قلم اور اپنے کردار اہل دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ:

إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَامُ

خدا کرے حضرت مفتی اعظم کے قبر اطہر پر سدا انور کی بارش ہوتی رہے، ان کے معتقدین و منتسبین نیکی اور بھلائی کے راستے پر چلتے رہیں اور ان کے لگائے ہوے چمن اور جلائے ہوئے چراغ راہ سے تاقیامت لوگ مستفید ہوتے رہیں!

خدائی ڈھیل اور پکڑ

قرآن مجید میں ہے:

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينَ (اعراف: ۱۸۳)

میں اپنے نافرمان بندوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہوں۔ میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔

جب آدمی نافرمانی میں حد سے بڑھنے لگتا ہے تو بعض مرتبہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ دیکھنے میں تو اس کے مال و اسباب میں اضافہ ہوتا ہے، عہدے بھی ملتے رہتے ہیں، ظاہری عزت بھی ملتی رہتی ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے وہ گناہوں میں اور مست ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے۔ اور یہ ڈھیل اس لئے دی جاتی ہے کہ ان سب گناہوں کے بدلے ایک ہی مرتبہ پکڑ لیا جائے۔ اور اللہ کی پکڑ ایسی سخت ہے کہ اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ لہذا اگر ایک شخص گناہوں کے باوجود ڈرنے کے بجائے خوش ہوتا ہے اور مزید آگے بڑھتا ہے تو سمجھو کہ یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ڈھیل ہے۔

جسے یہ یاد رہے کہ پتا نہیں کہ کل بھی زندہ رہوں گا یا نہیں تو وہ آج کے لئے اتنے لوگوں سے کیوں جھگڑے گا۔ لوگوں پر ظلم کیسے کرے گا۔ حرام کیوں کھائے گا۔ وہ تو یہ دیکھے گا کہ اگر میں نے حرام کھالیا اور کل میں رخصت ہو گیا تو کس کے کام آئے گا کیونکہ دنیا سے جاتے وقت تو سب مال و اسباب نہیں چھوڑ کر جانا ہے۔ وہ میرے کام نہیں آئے گا بلکہ دوسروں کے استعمال میں آئیگا۔ بیوی بچوں کے کام آئے گا۔ رشتہ دار وارثوں کے کام آئے گا۔ حرام کھانے کی وجہ سے ان کی بھی دنیا خراب ہو گی کہ حرام کھائیں گے اور اس مرنے والے کی آخرت برباد ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ سارے گناہوں کی اصل بنیاد موت کو بھولنا ہے۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ

لذتوں کو توڑ پھوڑ دینے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو

واقعہ بھی یہ ہے کہ موت کے آتے ہی دنیا کی ساری لذتیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

سب سامان عیش و راحت یہیں رہ جائے گا، خود انسان اکیلا چل بسے گا۔

(اصلاحی تقریریں جلد 5 صفحہ 32)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ ایک طائرانہ نظر

(طاہرہ فاطمہ)

نام:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ

والد ماجد کا نام:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب قدس اللہ تعالی سرہ

تاریخ پیدائش:2

جمادی الاولی 1355 ہجری بمطابق 21 جولائی 1936

جائے پیدائش:

دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی بھارت

علمی قابلیت:

1. حفظ قرآن کریم: نصف قرآن کریم دار العلوم دیوبند ہندوستان میں حفظ کیا تھا، پھر 20 جمادی الثانیہ سنہ 1367 ہجری بمطابق یکم مئی سنہ 1948 کو اپنے والد ماجد کے ساتھ پاکستا کی طرف ہجرت فرمائی، اس کے بعد آپ نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل پاکستان میں فرمائی۔

2. پنجاب یونیورسٹی پاکستان سے سن 1379 ہجری میں "مولوی عالم" کا امتحان پاس کیا

3 . سن 1379 ہجری مطابق 1959 میں جامعہ دار العلوم کراچی سے دورہ حدیث "سند الفراغ" حاصل کی جسے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور کراچی سمیت پاکستان کی متعدد یونیورسٹیوں نے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کے مساوی قرار دیا ہوا ہے۔

4 . سن 1380 مطابق 1960 میں جامعہ دار العلوم کراچی سے "تخصص فی الافتاء: کی سند حاصل کی جو پی ایچ ڈی کے برابر ہے۔

مختلف عہدے اور ذمہ داریاں

1 . جامعہ دار العلوم کراچی میں صحیح مسلم شریف کا درس۔

2 . جامعہ دار العلوم کراچی میں تخصص فی الافتاء کے طلباء کو افتاء کی تربیت۔

3 . افتاء(یعنی خود فتاوی تحریر کرنا اور دوسرے حضرت کے تحریر کردہ فتاوی کی اصلاح و تصدیق فرمانا)

4 . جامعہ دار العلوم کراچی کی صدارت (انتظامی سربراہی)

5 . رکن کمیشن برائے تعلیم کی اسلامی تشکیل (وزارت تعلیم حکومت پاکستان)

6 . رکن کمیشن برائے تبدیلی نظام سرمایہ کار (وفاقی حکومت پاکستان)

7 . مجمع الفقہ الاسلامی جدہ (او آئی سی) کی معاونت بطور ماہر شریعت

8 . رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

9 . رکن مجلس شوری وفاق المدارس العربیہ پاکستان

10 . رکن طریق تدریس کمیٹی وفاق المدارس العربیہ پاکستان

11 . رکن اسلامی مضاربہ کمیٹی، وزارت خزانہ حکومت پاکستان

12 . رکن سنڈیکیٹ کراچی یونیورسٹی

13 . رکن اعلی اختیاراتی کمیشن برائے فرقہ ورانہ ہم آہنگی (حکومت پاکستان)

14. رکن مشاورتی بورڈ، وفاقی وزارت داخلہ حکومت پاکستان

15. رکن مجلس شوری، مجلس صیانۃ المسلمین لاہور

16. رئیس (صدر) مجلس منتظمہ برائے جامعہ دارالعلوم کراچی

17. رکن امن کمیٹی برائے صوبہ سندھ (حکومت سندھ)

18. صدر "دارالعلوم جامع مسجد بیت المکرم و مدرسہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) گلشن اقبال کراچی

19. رکن اسلامی نظریاتی کونسل

20. رکن "شریعت ورنگ گروپ وزارت مذہبی امور" حکومت پاکستان

21. مشیر شریعت اپیلٹ بنچ، سپریم کورٹ آف پاکستان

22. رکن مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان

23. رکن مجلس علمی و مجلس شورت متحدہ علماء کونسل

24. رکن مؤتمر رسالۃ المسجد رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ

25. رکن زکوۃ کونسل صوبہ سندھ

سابقہ اجتماعی خدمات:

1. فتنہ سوشلزم کے مقابلے میں، تحقیقی اور عمل میدانوں میں جدوجہد

2. تحریک قیام پاکستان میں شرکت

3. فتنہ قادیانت کے مقابلے میں علمی و عملی حصہ

بنیادی مشاغل:

1. تدریس

2. افتاء

3. جامعہ دارالعلوم کراچی کی انتظامی سربراہی (بحیثیت رئیس الجامعہ)

آپ نے جامعہ دارالعلوم کراچی میں سن 1380 ہجری سے سن 1390 ہجری تک درس نظامی کے تمام عربی و دینی علوم و فنون سے متعلق تمام کتابوں کی تدریس کی، پھر 1391 ہجری سے علم حدیث واصول افتاء کی تدریس اور تربیت افتاء کی خدمات جاری ہیں۔

تصنیفات وتالیفات:

1. التعليقت النافعة على فتح الملهم (بزبان عربی)

2. بیع الوفاءاسے مجمع الفقہ الاسلامی نے جدہ سے شائع کیا (بزبان عربی)

3. کتاب حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں

4. علم الصیغہ، یہ فارسی زبان میں علم صرف کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ اور تشریح ہے، جو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برطانیہ، امریکہ اور جنوبی افریقہ کے دینی مدارس میں داخل نصاب ہے

5. احکام زکوۃ

6. علامت قیامت اور نزول مسیح

7. یہ تیر پراسرار بندے (جہاد افغانستان کی بصیرت افروز داستاں)

8. مسائل چرم قربانی

9. مسائل صدقہ فطر

10. مقدمہ جواہر الفقہ

11. فقہ وتصوف ایک تعارف

12. حیات مفتی اعظم (یہ والدماجد قدس اللہ سرہ کی سوانح حیات ہے)

13. میرے مرشد حضرت عارفی (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب سے تعلق کی روائداور تاثرات)

14. دارالعلوم کراچی (تعارف)

15. یورپ کی تین معاشی نظام "جاگیرداری"، "سرمایہ داری"، "اشتراکیت" اوران کاتاریخی پس منظر،اس کتاب کاانگریزی ترجمہ بھی شائع ہوچکاہے۔

16. اسلامی معیشت اور صنعتی تعلقات

17. الحواشی علی شرح عقودرسم المفتی لابن عابدین (عربی)

18 20. ضابط لمفطرات الصوم فی المذاهب الاربعۃ (عربی) جسے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے جدہ سے شائع کیاہے

19. الاخذ بالرخص وحکمھا (بزبان عربی جسے مجمع الفقہ الاسلامی نے جدہ سے شائع کیاہے۔

20. رفیق حج

21. اصلاحی تقاریر (جلداول تانہم) دس اردوتقریروں کا مجموعہ

22. اپنے دشمنوں کی پہچانو!

23. دوملی نظریہ

24. دینی جماعتیں اور موجودہ سیاست

25. اسلام میں عورت کی حکمرانی

26. نوادرالفقہ

غیر ملکی دورے:

آپ نے مختلف دینی اجتماعات، تبلیغی مقاصد، علمی وتحقیقی سیمیناروں اور اسلامی کانفرنسوں کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ممالک کاسفر فرمایا:

1. سعودی عرب
2. جنوبی یمن
3. کویت
4. بحرین
5. متحدہ عرب امارات
6. عراق
7. افغانستان
8. ازبکستان
9. بھارت
10. بنگلہ دیش
11. نیپال
12. برما
13. تھائی لینڈ
14. سنگاپور
15. دارالسلام برونائی
16. ملائیشیا
17. انڈونیشیا
18. ہانگ کانگ

19. چین

20. شمالی امریکہ

21. کینیڈا

22. ویسٹ انڈیز

23. برطانیہ

24. فرانس

25. جرمنی

26. ہالینڈ

27. اسپین

28. ترکی

29. کینیا

30. جنوبی افرقہ

31. ماریشس

32. سوئزرلینڈ

33. ڈنمارک

34. ناروے

ان میں سے بہت سے ممالک کا سفر کئی کئی بار ہوا۔

علم حدیث میں آپ کے اساتذہ کرام

1 . مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ: ان سے آپ نے مؤطا امام مالک اور شمائل ترمذی پڑھی۔

2 . حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوری: ان سے صحیح مسلم شریف پڑھی۔

3 . حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب: ان سے صحیح بخاری شریف پڑھی

4 . حضرت مولانا سبحان محمود صاحب: ان سے مؤطا امام محمد اور سنن نسائی پڑھی۔

5 . حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمہ اللہ: ان سے سنن ابوداؤد شریف پڑھی

6 . حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب: ان سے جامع ترمذی پڑھی۔

7 . سنن ابن ماجہ کا کچھ حصہ حضرت مولانا حقیق صاحب سے پڑھا لیکن تکمیل حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب نے کرائی

آپ کو روایت حدیث کی اجازت مندرجہ ذیل اکابر علمائے کرم سے حاصل ہے:

1 . والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

2 . فضیلۃ الشیخ محمد حسن بن محمد المشاط المکی المالکی رحمہ اللہ۔

3 . حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ العزیز۔

4 . حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب

5 . شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

6. حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب "مہتمم دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) رحمہ اللہ۔

مولانا محمد مفتی رفیع عثمانی

صاحبؒ کے چند منتخب

بیانات

مفتی بننا آسان نہیں

رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کا جامعۃ الحسن ساہیوال کی سالانہ تقریب میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے وہاں حضرت والاؒ نے علماء کرام، طلبہ اور دیگر حاضرین سے جو بصیرت افروز خطاب فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

بعد از خطبہ مسنونہ

حضرات علماء کرام، محترم اساتذہ و ہونہار طلبہ !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ اہل محبت اور علماء نے بڑی محبت اور بڑے اخلاص سے مجھ ناچیز کو یاد فرمایا۔ الحمدللہ میں یہاں جو منظر دیکھ رہا ہوں اس سے دل باغ باغ ہو رہا ہے۔(اللهم لك الحمد ولك الشكر) آپ کے شہر ساہیوال میں نصف صدی سے بھی زیادہ ہو گیا ہے جب میں یہاں حاضر ہوا تھا۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اس وقت میری عمر تقریباً 15 سال ہو گی۔ اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حاضری ہوئی تھی۔ اور میرے برادر عزیز جو الحمدللہ اب شیخ الاسلام ہیں، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ وہ عمر میں چھوٹے تھے۔ اس کے بعد کسی دینی مدرسے میں، کسی دینی ادارے میں حاضری نہیں ہوئی۔ اب تو دنیا بدل چکی ہے، دنیا بھی بدل گئی اور وہ اسلاف بھی رخصت ہو گئے جن کے ہم نام لیوا ہیں۔ جن کی گودوں میں پل کر دو حرف علم کے مل گئے۔ فللہ الحمد۔

یہ اجتماع اس اعتبار سے اپنی نوعیت کا انفرادی اجتماع ہے کہ یہ تخصص فی الافتاء کے فاضلین کے اعزاز میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ تفقہ جو مفتی کے لیے لازم و ملزوم ہے، یہ اتنا اونچا مقام ہے کہ بہت کم لوگ وہاں تک پہنچتے ہیں۔ تفقہ فی الدین، قدوری، کنز اور ہدایہ کے فہم کا نام نہیں ہے، بلکہ پورے دین کی تحقیقی فہم رکھنا یہ تفقہ فی الدین ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

" فَلَولا نَفَرَ مَنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّين "

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کا مونوگرام اسی آیت کو بنایا تھا۔

الحمد للہ میں مبارک باد دیتا ہوں ان ہونہار طلبہ کو جنہوں نے درس نظامی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس ادارے جامعہ الحسن ساہیوال میں فتویٰ کی تربیت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں تفقہ فی الدین عطا فرمائے اور فقہی میدان میں ملک وملت کی صحیح رہنمائی کی توفیق نصیب فرمائے۔

میری عادت ہے کہ میں پوچھ لیا کرتا ہوں کہ اجتماع کس قسم کے حضرات کا ہے۔ مدرسوں کے اساتذہ، طلبہ و علماء کا اجتماع ہے یا عوام کا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ملا جلا اجتماع ہے، لیکن مجھے آثار ایسے نظر آرہے ہیں کہ شاید مدرسوں کے حضرات زیادہ ہیں۔ اپنے دل کی بات عرض کرتا ہوں کہ جب مدرسوں کے علماء اور طلبہ جمع ہوتے ہیں تو اس وقت میری کیفیت ہی کچھ اور ہو جاتی ہے اور میں بتا نہیں سکتا کہ وہ لمحات میرے لیے کتنے لذیذ ہوتے ہیں جن میں علماء اور طلبہ سے بیان ہو۔

میں نے دار العلوم دیو بند کے دار الافتاء میں ہوش کی آنکھ کھولی۔ والد صاحبؒ صدر مفتی تھے۔ میری سب سے پہلی بسم اللہ ناظرہ سے ہوئی۔ دار العلوم دیو بند میں پہلے بغدادی قاعدہ پڑھایا جاتا تھا۔ الحمد للہ، اللہ رب العزت نے بغدادی قاعدہ کا آغاز دار الافتاء میں حضرت والد صاحبؒ سے کروایا۔ پھر پندرہ پارے دیو بند میں ہی حفظ کیے تھے۔ میں دار العلوم دیو بند کا اور دار العلوم دیو بند کے دار الافتاء کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ بزرگان دیو بند جو اس وقت حیات تھے، بڑے آفتاب و مہتاب تھے، ان سب کی زیارت نصیب ہوئی، ان کی شفقتیں بھی ملیں، ان کی برکتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ تو جب طلبہ یا علماء سے خطاب ہوتا ہے تو انتخاب کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کیا بات کریں اور کہاں سے شروع کریں۔ اللہ کے حوالے ہے، اللہ کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حق بات حق نیت سے حق طریقے سے کہلوا دے۔

یہ جو میں نے دعا کی ہے اس کا بھی پس منظر ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ ان کے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ آج کل وعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں، بے کار ہے۔ کوئی سنتا ہی نہیں، ہر کوئی اپنی رائے پر عمل کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرمایا غلط ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِكرى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ"

تم نصیحت کرو، نصیحت مومنین کو فائدہ دیتی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ فائدہ پہنچاتی ہے، تم کیسے کہتے ہو کہ فائدہ نہیں پہنچاتی؟ لیکن فرمایا کہ فائدہ پہنچنے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ بات حق ہو۔ بات ہی اگر غلط ہے تو کیا فائدہ ہو گا؟ دوسری شرط یہ ہے کہ طریقہ حق ہو کہ سنت انبیاء کے مطابق ہو۔ انبیاء علیہم السلام والا طریقہ ہو، حکمت والا ہو، موعظت والا ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے طریقہ دعوت سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ نیت حق ہو، اپنی بڑائی جتانا یا شہرت طلبی مقصود نہ ہو۔ اللہ کے لیے ہو، لوگوں کو دکھانے کے لیے نہ ہو۔ یہ تینوں شرطیں پائیں جائیں تو فائدہ ضرور ہوتا ہے، کلام کبھی بے فائدہ نہیں جاتا۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب کو فائدہ ہو، کچھ کو ہو جاتا ہے اور کچھ کو نہیں ہوتا۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس وقت فائدہ نہیں ہوتا بعد میں ہو جاتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کو اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا سنانے والے کو ہو جاتا ہے، مگر فائدہ پہنچتا ہے۔

ہوا یہ کہ درس نظامی میں، میں اور مولانا محمد تقی عثمانی ساتھ تھے۔ جب درس نظامی سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحبؒ نے ہم کو اور ہمارے چند اچھے اچھے ساتھیوں کو کہا کہ بھائی تم تخصص فی الافتاء کا کام کرو۔ خود ہی ہم کو لے کر بیٹھتے تھے اور کوئی استاد نہیں تھا۔ ایک سال میں ہمیں تخصص کروایا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ برصغیر ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان میں پہلا تخصص فی الافتاء کا شعبہ یہی تھا جو والد صاحب نے اسی سال قائم کیا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اکثر کہا کرتے تھے کہ دیکھو بھائی تم نے فقہ ظاہر حاصل کر لی یہ بھی بہت بڑی دولت ہے۔ لیکن فقہ باطن ابھی باقی ہے اور تفقہ فی الدین دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ حدیث جبریل جو مشکوۃ اور دورہ حدیث کے طلبہ نے پڑھی ہے اس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احسان کی تعریف پوچھی تو فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِن لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے دل کا ایسا گہرا تعلق ہو جائے کہ تم جب بھی عبادت کرو تو یہ سمجھ کر کرو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے۔ یہ استحضار رہے دل کے اندر۔ تقریر کرتے وقت سبق پڑھاتے وقت، بیوی بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے وقت بھی، تفریح کے وقت بھی۔ سفر میں بھی حضر میں بھی، دوکان میں بھی مکان میں بھی، افسری میں بھی ماتحتی میں بھی، ہر وقت یہ احساس ہونے لگے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، یہ ہے احسان یہ ہے فقہ باطن۔ اخلاص ہو ریا اور نمود نہ ہو، تواضع اور انکساری ہو تکبر اور تعلی نہ ہو، سخاوت ہو کنجوسی نہ ہو، شجاعت ہو بزدلی نہ ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ ان سب کا تعلق دل کے اعمال کے ساتھ ہے۔ باطن کے ساتھ ہے۔ تو والد صاحبؒ نے فرمایا تم نے فقہ ظاہر تو حاصل کر لیا فقہ باطن ابھی باقی ہے۔ نجات نہیں ہے جب تک کہ باطن کی اصلاح نہ ہو۔ تمہارا

دین بھی آدھا ہے، تمہارا علم بھی آدھا ہے۔ اپنے آپ کو ابھی عالم نہ سمجھنا۔ بھائی ایک بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، مفتی اعظم فقیہ ملت کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔

اور فرمایا دیکھو یاد رکھو! ہم جو تمہیں سند دیں گے تمہارے مفتی ہونے کی سند نہیں دیں گے۔ ابھی تم مفتی نہیں، مفتی بننے میں تو تمہیں ابھی بہت وقت لگے گا۔ کسی ماہر مفتی کی نگرانی میں سالہا سال محنت کرنی پڑے گی۔ اس کی سرپرستی میں برسوں کام کرنا پڑے گا۔ جب کچھ اہل فتویٰ تمہارے فتووں پر اعتماد کرنے لگیں تو پھر تم کو کہا جائے گا کہ تم مفتی ہو گئے ہو۔ میں اپنے متخصصین سے ادب سے درخواست کر رہا ہوں کہ والد صاحب کے اس جملہ کو یاد رکھیے گا۔

میں آپ کو مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب کی مثال پیش کر رہا ہوں والد صاحب کے زمانہ سے مدرسی کا کام کر رہے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد فتوے کا کام شروع کر دیا تھا۔ انہیں برسوں کے بعد نائب مفتی مقرر کیا گیا۔ اب سے دو تین سال پہلے تک وہ نائب مفتی تھے جب کہ تمہیں سال سے فتوے کا کام کر رہے ہیں۔ ابھی تین چار سال پہلے ان کو مفتی کی مہر دی گئی ہے۔ اسی طریقہ سے مفتی محمود اشرف صاحب ہیں۔ الحمد للہ کتنے بڑے عالم اور مفتی ہیں، بخاری جلد ثانی بھی پڑھا رہے ہیں۔ ان کو بھی مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب سے ایک سال پہلے مفتی قرار دیا گیا، ورنہ وہ بھی اس سے پہلے نائب مفتی تھے۔ مفتی بننا آسان نہیں ہے، آج کل تو لوگوں نے مفتی بنا بہت آسان کر دیا ہے۔ اصل میں بعض طلبہ تخصص فی الافتاء میں داخلہ لیتے ہیں تو بریکٹ میں مفتی لکھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر جب رفتہ رفتہ لوگوں کی زبان پر وہ لفظ چڑھ جاتا ہے تو سوچتے ہیں کہ کچھ تو ہوں گے تبھی تو اتنے سارے لوگ کہہ رہے ہیں! چنانچہ وہ بریکٹ بھی ہٹ جاتی ہے۔

تو جو کچھ آپ نے کیا وہ معمولی کام نہیں، جس چیز کی آپ کو سند ملی وہ آسان کام نہیں ہے۔ تخصص فی الافتاء کا کام کرنا، اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنا معمولی بات نہیں ہے اور بڑی محنت اور مشقت کا کام بھی ہے اور قابلیت کی بات بھی ہے، لیکن بات اتنی ہے کہ ابھی بریکٹ میں بھی مفتی لکھنا شروع نہ کرنا، اللہ تعالی ہمیں توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

" إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"

والد صاحب نے تفسیر "معارف القرآن" میں اس کو بہت اچھے طریقے سے بیان کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو عالم ہو گا وہ ڈرے گا، یہ مطلب نہیں کہ دوسرے نہیں ڈرتے۔ مطلب یہ ہے کہ جو عالم ہو گا وہ ڈرے گا ضرور، علماء کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈرتے ضرور ہیں، عالم وہی ہے جو ڈرتا ہے اور اللہ کا خوف اس کے دل میں ہوتا ہے۔ نیز والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ کسی سے بیعت ہو جاؤ، اصلاحی تعلق قائم کرو۔ ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "قصد السبیل" کا مطالعہ کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ شیخ کا انتخاب کیسے کریں؟ کیسے بزرگ کو اپنا شیخ اور مرشد بنایا جائے؟ تو اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ شیخ سے عقیدت بھی ہو اور طبعی مناسبت بھی ہو۔ ہم ماشاء اللہ پانچ بھائی تھے۔ سب نے الگ بھی اور ایک ساتھ بھی والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ ہمیں سب سے زیادہ عقیدت بھی آپ سے ہے اور مناسبت بھی آپ سے ہے، آپ ہمیں بیعت کر لیجیے۔ وہ ٹلا دیتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے فلاں خلیفہ ہیں، ان سے بیعت ہو جاؤ۔ اُس وقت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے بہت سارے خلفاء زندہ تھے، لاہور میں حضرت مفتی محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ، ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ٹنڈو الہ یار میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ، کراچی میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمتہ اللہ علیہ مگر وہ ٹلاتے چلے گئے۔

1966 کی بات ہے کہ والد صاحب ایک سفر میں ساؤتھ افریقہ تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں صبح سے شام تک معتقدین کا اجتماع رہتا تھا۔ جلسے، تقریریں اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا تو ایک رات بارہ بجے میں نے پھر عرض کیا کہ مجھے آپ بیعت کر لیجیے، مجھے آپ سے سب سے زیادہ عقیدت و محبت اور مناسبت ہے۔ اس مرتبہ والد صاحب نے تفصیلی جواب دیا اور فرمایا دیکھو ایسا بھی ہوا کہ بیٹے باپ سے بیعت ہوئے اور ان کو فائدہ بھی ہوا ہے، لیکن اس کے لیے باپ کو بھی بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے اور بیٹے کو بھی۔ اور باپ بیٹے کا تعلق بے تکلفی کا ہوتا ہے۔ اور پیر و مرشد کے ساتھ ابتدا میں بے تکلفی مفید نہیں ہوتی۔ اس واسطے جہاں تک اصلاح نفس کا تعلق ہے وہ تو تم فوراً شروع کر دو، میں تم کو کچھ معمولات بتاتا ہوں وہ کیا کرو، لیکن بیعت تم ہو جاؤ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ سے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے وہ اور والد صاحب رہ گئے تھے۔ فرمایا کہ وہ تمہارا خاص طور سے خیال کریں گے، مجھ سے وہ محبت فرماتے ہیں۔

اور جو بڑی عجیب بات فرمائی وہ علماء کے سننے کی ہے، فرمایا ایک فائدہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کا یہ ہو گا کہ اگر دماغ میں علم کا کچھ خناس ہو گا تو وہ بھی نکل جائے گا، کیونکہ وہ ضابطے کے عالم نہیں ہیں، وہ ڈاکٹر ہیں علی گڑھ میں پڑھا ہے، علی گڑھ میں ایل ایل بی کیا تھا۔ پھر اس کے بعد وکالت کی پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، پھر رفتہ رفتہ وکالت چھوڑ دی اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر بن گئے اور آخر تک وہی ذریعہ معاش رہا۔ تو فرمایا ان سے بیعت کرنے سے ایک فائدہ یہ ہو گا کہ جب تم غیر عالم کے سامنے مرید بن کر بیٹھو گے تو دماغ میں اگر علم کا کوئی خناس ہو گا تو وہ بھی نکل جائے گا۔

اور یہ خناس ہوتا ہے، طلبہ جب فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم علماء ہو گئے، علمائے حق۔ حق بھی ''موٹے قاف'' کے ساتھ کہتے ہیں۔ جب رزائل کا علاج ہو جاتا ہے تو پھر علماء بنتے ہیں، ستارے بنتے ہیں، مہتاب بنتے ہیں۔ پھر نبوت اور قرآن وسنت کا نور پھیلاتے ہیں۔ ان رگڑوں سے گزرتے ہیں، رگڑے کھانے پڑتے ہیں۔

خیر والد صاحب ہم کو حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہ کے پاس لے گئے۔ حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا لیکن فرمایا کہ میں آج بیعت نہیں کروں گا۔ اکیلے خود آئیں تو پھر بیعت کروں گا۔ پیش نظر یہ تھا کہ باپ کے دباؤ میں آکر سبقت نہ کریں۔ اپنے شوق سے آکر بیعت کریں تو بیعت ہو گی۔

ہر باپ کے اپنے بیٹے پر احسانات ہوتے ہیں اور ہمارے والد صاحب تو چیز ہی کچھ اور تھے۔ ان کے کتنے احسانات ہیں مجھ پر! ان احسانات میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ہمارا ہاتھ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے گئے، یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ خیر اگلے دن جا کر ہم بیعت ہوئے، حضرت نے کچھ معمولات بتائے۔

والد صاحبؒ کی جب وفات ہو گئی، جنازہ تیار تھا، چار پائی بچھی ہوئی تھی، میں چار پائی کے کنارے کھڑا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی وہیں کھڑے تھے۔ میں نے کہا حضرت آپ کی موجودگی میں ہم اپنے آپ کو یتیم نہیں سمجھیں گے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو کہتا ''ہاں ہاں بالکل'' حضرت نے چند لمحے سوچا، پھر فرمایا ان شاءاللہ میں اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر وہ مرد مومن تھا جس نے والد صاحب کے انتقال کے بعد پورے دس سال تک وہ حق ادا کیا۔ وہ شیخ اور مربی بھی تھے اور باپ کا کردار بھی اس شخص نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی شفقتوں کی داستان بہت طویل ہے۔

ایک اور بات آپ سے عرض کرتا ہوں۔ حضرت کی خدمت میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے: ''بھئی آپ تقریر نہ کیا کریں''۔ اس زمانے میں ہماری تقریریں بہت ہوتی تھیں۔ میں دارالعلوم کراچی کا مہتمم تھا، درجہ علیا کا استاد تھا، مسلم شریف پڑھاتا تھا، اخبارات میں اشتہارات چھپتے تھے۔ ریڈیو پر بھی تقریریں ہوتی تھیں۔ تو فرمایا بھائی آپ تقریریں نہ کیا کریں۔ اب ہم میں پوچھنے کی ہمت نہیں۔ اگلے ہفتے ہم پھر مجلس میں گئے تو پھر فرمایا بھائی تقریر نہ کیا کریں۔ ہم نے کہا لوگ ہماری تقریر کے لیے آتے ہیں، اصرار کرتے ہیں، مانتے ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا: انہیں میرے پاس بھیج دیا کرو۔ بس دارالعلوم میں رہا کرو اور دارالعلوم میں جمعہ کی تقریر جاری رکھو۔ طلبہ سے خطاب کر لیا کرو لیکن باہر نہ جایا کرو۔ ریڈیو والے آئیں تو انہیں بھی منع کر دیا۔

ہمیں تعجب ہوتا تھا کہ اتنے نیک کام سے منع کر رکھا ہے۔ میں نے ایک مضمون لکھا ''فقہ اور تصوف "، ایک تعارف، اب کتابی شکل میں چھپ گیا ہے۔ اس کا مسودہ میرے پاس تھا۔ حضرت مولانا مفتی جمیل رحمۃ اللہ علیہ جو روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحے کے مدیر تھے، وہ آکر لے گئے اور جنگ میں چھاپ دیا۔ میں پیر کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا بھئی مولوی صاحب! اخبارات میں بیان بھی نہ دیا کریں۔ اخبارات میں بیان دینے کا کیا فائدہ؟ تقریباً ایک سال اسی طرح گزر گیا کہ ہم کسی تقریب میں نہیں گئے۔ ایک دن مغرب کی مجلس ختم ہو چکی تھی۔ حضرت نے فرمایا نماز کے بعد ٹھہر جانا۔ ہم ٹھہر گئے، حضرت نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے اور بہت سارے خطوط لے کر آئے۔ یہ سب مدینہ طیبہ سے آئے تھے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط تھے۔ فرمایا: حضرت نے یہ میرے پاس بھیجے ہیں اور یہ سارے خطوط تم دونوں بھائیوں کے بارے میں ہیں۔ حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اتنے مصروف، اتنے مریدین، مشاغل اور اسفار۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ والد صاحب جب حیات تھے تو ہمیں ان کے پاس لے جاتے اور جب وہ کراچی آتے تو حضرت والد صاحب سے ملنے آتے اور مجھے تمام کتب کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی لیکن یہ تصور نہیں تھا کہ وہ ہم سے اتنی محبت فرماتے ہیں۔ اتنے سارے خطوط ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں لکھے ہیں۔ ہم سے حضرت والا نے فرمایا پڑھ لو۔ جب پڑھا تو مضمون سب کا ایک ہی تھا کہ مجھے بڑی خوشی ہے یہ صاحبزادے آپ کی زیر تربیت ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ ان پر خصوصی توجہ فرمائیے گا۔ مجھے ان کے بارے میں "کبر" کا اندیشہ ہے۔ اور اندیشہ بالکل بجا تھا۔ کیونکہ عام طور سے بڑوں کی اولاد میں صاحبزادگی کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مولوی صاحب! میں نے آپ کے اوپر جو تقریر کی پابندی لگائی ہے، وہ اس لیے کہ آپ لوگوں کو ابھی بلوغ نہیں ہوا۔ "اس وقت میری عمر پچاس سال تھی۔ تدریس کرتے کرتے تقریباً ۳۰ سال گزر چکے تھے۔ تو فرمایا: ''ابھی تک بلوغ نہیں ہوا۔ جب بلوغ ہو گا تو پھر ان شاء اللہ کسی کے منع کرنے سے بھی نہیں رکیں گے۔'' اس کے بعد الحمد اللہ ہم نے پورے دس سال تک اس کی پوری پابندی کی۔

ایک مرتبہ فیصل آباد سے ہمارے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کا میرے پاس ٹیلیفون آیا۔ وہ بھی حضرت سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کو ایک ساتھ اجازت، خلافت عطا فرمائی تھی۔ ان کا فون آیا کہ بھئی ہم فلاں موقع پر جلسہ کر رہے ہیں، آپ ضرور آئیں۔ میں نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ ہم پر پابندی ہے، ہم نہیں آسکتے۔ فرمایا نہیں، حضرت سے میں بات کر لوں گا۔ میں نے کہا آپ جائیں آپ کا کام جانے، مگر ان سے بات کرتے وقت میرا نام نہ لیجیے گا۔ میں آپ سے نہیں کہہ رہا کہ حضرت سے بات کرو۔ کہا نہیں نہیں، میں بات کر لوں گا۔ میں نے کہا بار بار کہہ رہا ہوں میرا نام نہ لینا۔ پھر جب میں پیر کو جلس میں پہنچا مجلس ہو گئی مغرب کے بعد حضرت فرمایا: "مولوی رفیع (اچھا ایسے پیار سے کہتے مولوی

رفیع !!!) مولوی نذیر کا فون آیا تھا۔ وہ جلسہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ اپنا آدمی ہے، چلے جاؤ!!! ماشاءاللہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ مدرسے میں چلے جاؤ"

ابھی جلسے میں کچھ دن تھے، بیچ میں کئی مجالس اور بھی آئیں۔ اب جانے کے بارے میں ہدایات دی جارہی ہیں کہ وہاں جاؤگے نا، تو ایک بات کا خیال رکھنا۔ فرمائشی تقریریں کبھی نہ کرنا۔ مطلب یہ تھا کہ فرمائش ہوتی ہے کہ فلاں موضوع پر آپ تقریر کر دیں۔ نہیں فرمائشی تقریر کبھی نہ کرنا۔ اور رسمی تقریریں کبھی نہ کرنا کہ بہت اچھا اور بڑا مدرسہ ہے۔ بہت خوشی ہوئی، مبارک ہو۔ جو رسمی باتیں ہوتی ہیں، رسمی تقریریں ہوتی ہیں وہ بھی نہ کرنا۔ جہاں جاؤ یہ دیکھو زخم کہاں ہے؟ وہاں مرہم لگاؤ۔ اور دیکھو جانے سے پہلے یہ دعا بھی پڑھ لینا، راستے میں یہ دعا پڑھنا، تقریر کرتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ جب تم سفر پر جاؤ تو دو رکعت صلاۃ السفر پڑھنا۔ پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھنا، دوسری میں فلاں۔ یہ سکھا کے سبق پڑھا کے بھیجا۔ یہاں سے دس سال کے بعد پابندی ہٹی۔

میں آپ کو یہ سب باتیں سنا رہا ہوں "فلیبلغ الشاھد الغائب" (حاضرین یہ باتیں غائبین تک پہنچائیں) میرا خیال ہے اگرچہ جلسہ عام ہے، سب بھائیوں اور خواتین کے مطلب کی بات تو شاید نہیں ہو سکی، لیکن جن کے مطلب کی بات نہیں ہوئی ان کی اولاد کے لیے کار آمد ہوگی۔ ان شاءاللہ وہ بھی فائدے سے خالی نہیں رہیں گے۔ اس پر اپنی بات کو ختم کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حاجیوں کو نصیحت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا من یہدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاہاديَ لہ وأشہد أن لا إلٰہ إلا اللہ وحدہ لاشریک لہ وأشہد أن محمدا عبدہ ورسولہ ، صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہ وأصحابہ وأتباعہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیراً کثیراً۔ أما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۞ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ [آل عمران: 96– 97]

حضرات علمائے کرام، بزگان محترم اور برادران عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ میرا سورتی مسجد رنگون میں پہلی بار خطاب نہیں ہے، الحمد للہ میں اس مبارک مسجد میں پہلے بھی دو مرتبہ برما میں حاضر ہو کر اپنے بھائیوں سے خطاب کر چکا ہوں۔ یہ وہ تاریخی اور برکت والی مسجد ہے جس میں ہمارے اکابر علماء اور اولیاء اللہ کے بیانات ہو چکے ہیں، حتی کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب بھی اس مسجد میں ہوا ہے، وہ چھپا

ہوا بھی ہے اور اس کے شروع میں لکھا ہوا ہے کہ یہ خطاب فلاں تاریخ، فلاں وقت، سورتی مسجد رنگون میں ہوا۔ تو میرے لئے یہ بڑی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس یادگار مسجد میں پھر حاضری کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

اس وقت میں نے حج سے متعلق آیات قرآنیہ کی تلاوت کی ہے، آپ سوچیں گے کہ حج تو کچھ دنوں پہلے ختم ہو چکا ہے، اس موضوع پر خطاب کا کیا موقع ہے؟ میرے نزدیک یہ حج کے بیان کا بہت اہم موقع ہے۔ میں اس موضوع پر دو وجہ سے خطاب کر رہا ہوں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کچھ مسلمان بھائی حال ہی میں حج سے واپس آئے ہیں، تو اُن کے لئے قرآن و سنت میں جو رہنمائی اور ہدایات ہیں اُن کے لئے کچھ اہم باتیں عرض کروں گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جن حضرات نے ابھی حج نہیں کیا، تو حج کی ادائیگی کے لئے ایسا نہیں کیا جا سکتا کہ آدمی حج سے ایک دن پہلے ارادہ کرلے اور حج ہو جائے۔ حج کے لئے تقریباً ایک سال پہلے سے تیاری اور عزم کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر آدمی حج کو جاتا ہے، تو ان کے لئے حج کی تیاری کے سلسلے کی کچھ باتیں بھی ہو جائیں۔

حج اسلام کا ایک عظیم اور پانچواں رکن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بنِي الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَانَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكواةِ، وَحِجِّ البَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (متفق عليه)

ترجمہ:-"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کو قائم کرنا، اور زکوۃ ادا کرتے رہنا اور بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔"

جس طرح اس مسجد کے ستون ہیں اور اس کے اوپر چھت ہے، اسی طرح یہ پانچ اعمال اسلام کے ستون اور رکن ہیں، بیت اللہ کا حج کرنا بھی اسلام کا ایک عظیم الشان رکن ہے۔ جو حضرات حج سے واپس آئے ہیں تو ان کے لئے میں ایک حدیث شریف سناتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمٍ ولدته امه (متفق عليه)

ترجمہ: جو شخص حج کرے اور اس میں نہ تو فحش باتیں کرے، نہ گناہ کرے، وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر واپس ہو گا، جیسے آج ہی اُس کی ماں نے اُس کو جنا ہے۔"

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس آدمی نے حج کی عبادت ادا کی اور اس میں جنسی عمل کی باتیں نہ کیں، حتی کہ اس نے اپنی بیوی سے بھی حالت احرام میں فحش باتیں نہیں کیں اور ایسا کوئی عمل بھی نہیں کیا جس کو فسق یعنی گناہ کبیرہ کہا جائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسا اس دن پاک تھا جس دن اُس کی ماں نے اُس کو جنا تھا۔

جو حضرات حج سے واپس آئے ہیں، میں ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کا حج مبارک کرے اور قبول فرمائے، آمین ! اللہ تعالی نے حج کرنے والوں کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے تو اب اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بہت زیادہ بچانے کا اہتمام کریں۔ آج جمعہ المبارک میں ہم نے دھلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، جب آدمی نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہے تو اسے طبعی طور پر یہ تقاضا ہوتا ہے کہ میرے کپڑے میلے نہیں ہونے چاہئیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حج کرنے والوں کو گناہوں سے پاک کر کے واپس بھیجا ہے تو ان کو پہلے سے زیادہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے وہ اپنی آنکھوں کو، اپنے کانوں کو، اپنی زبانوں کو، اپنے دل کو، اپنے ہاتھوں کو اور اپنے پاؤں کو اور خصوصی طور پر اپنے پورے سراپا کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کریں۔

آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ گناہوں سے بالکل پاک رہنا تو نبی یا فرشتے کا کام ہوتا ہے، کیونکہ نبی، فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور انسان سے تو کچھ نہ کچھ گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں؟ خوب سمجھ لیجئے جو گناہ ہو جائیں اُن کی معافی کا راستہ بھی کھلا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کر لو۔

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاتُوبُ إِلَيْهِ

آدمی اگر توبہ واستغفار کر لے تو وہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور پھر آدمی ایسا ہو جاتا ہے کہ کہ جس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ

ترجمہ:- "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس کا گناہ تھا ہی نہیں۔"

اگر آپ گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ)

ترجمہ: "اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں فرمایا: **"یٰاَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللہ " اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو**۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے گناہوں سے بھی بچو اور بڑے گناہوں سے بھی بچو۔ اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ گناہوں سے بچنا تو مشکل کام ہے، بازار میں نکلتے ہیں تو نامحرم عورتیں نظر آتی ہیں اور آنکھ بہک جاتی ہے، جب موسیقی سنائی دیتی ہے تو اُس سے لذت اور مزہ آنے لگتا ہے اور کان بہک جاتے ہیں، کبھی زبان سے ناجائز کلمات ادا ہو جاتے ہیں کبھی ہاتھ کسی نامحرم کو چھو دیتا ہے، کبھی دل کا گناہ ہو جاتا ہے، تو گناہ طرح طرح کے ہیں، سارا ماحول گناہ آلود ہے۔ گناہ انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، گناہوں میں کشش ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے گناہوں میں کشش رکھی ہے۔ تو گناہوں سے کیسے بچیں؟

قرآن کریم کا ایک خاص انداز ہے، جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے کہ جس پر عمل کرنا بظاہر مشکل ہو تو اُس کے ساتھ آگے یا پیچھے ایک حکم اور دے دیتا ہے جس سے پہلے کام کو کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے آگے فرمایا: **" وَكُونُوا مَعَ الصدقين اور سچوں کے ساتھ رہو** کہ تم کو گناہوں سے بچنا بڑا مشکل معلوم ہو رہا ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ ہم آسانی کا راستہ بتا دیتے ہیں کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو عقیدے کے بھی سچے ہیں، زبان کے بھی سچے ہیں، دل کے بھی سچے ہیں اور جو عمل کے بھی سچے ہیں، یعنی تقویٰ والے اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اگر نیک لوگوں کے ساتھ جڑے رہو گے تو گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

جو لوگ حج سے واپس آئے ہیں، اب ان کو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا ہے، اور گناہوں سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ دین دار لوگوں سے اپنا جوڑ قائم کرو، ایسے بزرگ جو تربیت یافتہ اور بقدر ضرورت دین کا علم رکھنے والے ہیں، اُن سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرو۔ اگر وہ مجاز بیعت ہیں تو اُن سے بیعت ہو جاؤ کرو، اُن کے پاس آتے جاتے رہا کرو، ان کی زیادہ سے زیادہ صحبت حاصل کرنے کی کوشش کرو، جب اُن سے ملتے رہو گے تو رفتہ رفتہ دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہونے لگی گی اور نیکیوں کی طرف رغبت پیدا ہونے لگے گی۔

تجربہ شاہد ہے کہ اگر آپ کسی سفر میں جا رہے ہوں اور آپ کے ساتھ جتنے بھی لوگ ہیں، اُن میں سے کوئی بھی نمازی نہیں ہے تو آپ دیکھ لیجئے گا کہ آپ کے لئے وضو کرنا، نماز پڑھنا اور سمت قبلہ معلوم کرنا کتنا مشکل کام ہو گا! اور اگر وہ لوگ حلال و حرام کی بھی فکر نہیں کرتے، حلال مل گیا تو وہ بھی کھا لیتے ہیں اور حرام مل گیا تو وہ بھی کھا لیتے ہیں، وہ خنزیر کا اور ذبیحہ کے بغیر جو

حرام مردار کا گوشت ملتا ہے وہ بھی کھا لیتے ہیں اور ہر قسم کا گوشت کھا لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ حلال گوشت کا کھانا کتنا مشکل ہو گا! اس طرح دین پر عمل کرنا آپ کے لئے مشکل سے مشکل ہوتا چلا جائے گا۔

اس کے بر خلاف اگر آپ کے ہم سفر سارے کے سارے نمازی ہیں، وہ گناہوں سے اور حرام سے بچنے والے ہیں، تو آپ کے لئے وضو کرنا بھی آسان، نماز پڑھنا بھی آسان سمت قبلہ معلوم کرنا بھی آسان اور حلال کھانا بھی آسان ہو جائے گا کیونکہ وہ سب کے سب ایک دوسرے کے ساتھ نیک کاموں میں تعاون کرنے والے ہوں گے۔ آپ کے لئے اُن کے ساتھ رہ کر گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا، جب آپ ایسے لوگوں کے ساتھ رہیں گے تو گناہ کرنا بھی چاہیں گے تو نہیں کر سکیں گے کیونکہ نیک لوگوں کے ساتھ رہ کر نیکیاں آسان ہو جاتی ہیں اور گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور بُرے لوگوں کے ساتھ رہ کر نیکیاں کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تو قرآنِ کریم نے یہ نسخہ بتا دیا کہ اگر گناہوں سے بچنا ہے تو اُس کا آسان راستہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ والوں سے جوڑ کر رکھو تو پھر اس طرح گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا اور اگر پھر بھی کچھ گناہ ہوئے تو فوراً توبہ و استغفار کی توفیق ہو جائے گی اور جب توبہ واستغفار کی توفیق ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

الحمدللہ رنگون میں ماشاءاللہ بزرگوں کے تربیت یافتہ علماء موجود ہیں، اگر کوئی ایسی جگہ ہے جو ایسے بزرگوں سے خالی ہے تو ہماری تبلیغی جماعت بہت اچھا کام کر رہی ہے، اور یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت کے ساتھ لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالی کے فضل سے اُن کے دین کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اللہ والوں اور نیک لوگوں کے ساتھ جڑو اور ایسے لوگوں سے دوستیاں پیدا کرو جو نیک ہوں، اور جو لوگ خدا اور آخرت سے بے فکر ہیں، اُن سے دوستی نہ بڑھاؤ۔ اپنی دوستی اُن لوگوں سے بڑھاؤ جن کے پاس رہ کر تمہارے دل میں دین پر عمل کرنے کے جذبات پیدا ہوں۔ اللہ والوں سے جڑنے کا ایک راستہ اور بھی ہے کہ اُن کی کتابیں مطالعے کے لئے اپنے پاس رکھیں (آپ جس زبان میں پڑھ سکتے ہیں اُس زبان میں ان کی کتابیں آپ کے پاس ہونی چاہئیں) کیونکہ ہر وقت کوئی بزرگ آپ کو میسر نہیں ہو گا کہ آپ ہر وقت اُس کے پاس رہ سکیں تو دوسرے فارغ اوقات میں ان کی کتابوں کا خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھی مطالعہ کروائیں۔ تو اس طریقے سے بھی بزرگوں کے ساتھ جوڑ مزید مستحکم ہو گا! تو جو حضرات حج کر کے آئے ہیں اُن کے لئے تو یہ بطور خاص ایک بات تھی۔ لیکن یہ بات صرف حج کر کے آنے والوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے عام ہے کہ گناہوں سے بچیں اور اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں۔

بہت سے لوگوں پر تو حج فرض ہی نہیں ہوتا کیونکہ حج فرض ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اُس کے پاس اتنا پیسہ ہو کہ وہ آدمی سواری کر کے حج کو جاسکے اور واپس آسکے، اور دوسری یہ کہ اتنی صحت ہو کہ وہ اتنا لمبا سفر سواری پر کر سکے، اگر کسی کو حج کے زمانے میں کبھی بھی اتنی صحت نہیں ملی تو وہ کتنا ہی مال دار ہو اُس پر حج فرض نہیں ہوتا، یا کوئی آدمی تندرست تھا مگر کبھی بھی اُس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوئے کہ وہ حج کو جاسکے اور واپس آسکے، تو اُس پر بھی حج فرض نہیں لیکن اگر کسی بالغ شخص کی ملکیت میں کبھی اتنا پیسہ آیا کہ اگر وہ حج کو پانی کے جہاز سے یا ہوائی جہاز سے یا خشکی کے راستے سے جا کر حج کر کے واپس آسکتا تھا اگرچہ اُس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ مدینہ طیبہ بھی جاسکے، اُس کے پاس صرف اتنی رقم ہے کہ وہ مکہ معظمہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں حج کر کے سواری پر واپس آجائے اور اس کی صحت بھی اس سفر کے قابل تھی تو ہر ایسے شخص پر حج فرض ہو گیا۔

بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حج فرض ہو جانے کے بعد اگر ہمارے پاس مال نہیں رہا تو ہم پر حج فرض نہیں رہا۔ یہ بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ جب ایک مرتبہ کوئی عبادت فرض ہو جائے تو پھر جب تک اُس کو ادا نہیں کریں گے تو وہ فرض آپ کے ذمے یوں ہی برقرار رہے گا۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص پندرہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا اور اُس کے پاس شوال سے لے کر ذوالحجہ کے شروع تک اتنے پیسے موجود تھے اور اتنی صحت بھی تھی کہ حج کو چلا جاتا لیکن وہ حج کو نہیں گیا، بعد میں جب اُس کی عمر میں پچیس سال ہو گئی اور اب اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تب بھی اس پر حج فرض ہے، اگر حج ادا نہیں کرے گا تو گناہگار رہے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پر نماز فرض ہوئی، نماز کا وقت آیا اور گزر گیا اور اُس نے نماز نہیں پڑھی لیکن نماز کا فریضہ تو اس کے ذمے رہا، تو اُس کو چاہئے کہ قضاء نماز پڑھے۔ اسی طرح اگر کسی نے تندرست ہونے کے باوجود رمضان کے روزے نہیں رکھے تو روزوں کا فریضہ اُس پر باقی رہا، اُس کو چاہئے کہ روزوں کی قضاء کرے۔ اسی طرح حج فرض ہو جانے کے بعد جب تک وہ حج نہیں کرے گا تو اُس کے ذمے یہ فریضہ برقرار رہے گا۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کی ادائیگی فی الفور فرض ہے، اگر آدمی کو صحت کے زمانے میں حج کی قدرت ہو جائے تو پھر حج کو مؤخر کرنا گناہ ہے۔

ہم میں بہت سارے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنے پیسے ہیں کہ ہم حج کر سکتے ہیں لیکن ہمارا فلاں فلاں کام باقی ہے، مکان بنوانا ہے، بچوں کی شادیاں کرنی ہیں، کارخانہ اور کاروبار چل رہا ہے، اُس کے فلاں فلاں کام ہیں، ذرا وہ نمٹ جائیں اگلے سال چلے جائیں گے۔ تو خوب سمجھ لیجئے کہ اگلے سال کے لئے حج کو سخت مجبوری کے بغیر مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر آپ اگلے سال حج کر بھی لیں گے تو بھی تاخیر کرنے کا گناہ ہو گا۔ حج کی فرضیت کے بعد اُس کی ادائیگی فی الفور واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص حج کاارادہ رکھتاہواس کو چاہئے کہ جلدی کرے۔"(ابوداؤد)

اس سال آپ نے ٹال دیا کہ اس سال بیٹی وغیرہ کی شادی ہونی ہے اس لئے اس سال حج نہیں کرتے اگلے سال کرلیں گے۔ یہ بھی بڑی غلطی ہے کیونکہ کچھ نہیں پتہ کہ اگلے سال آپ کے پاس پیسے بھی ہوں گے یا نہیں ہوں گے؟ اتنی صحت بھی ہوگی یا نہیں ہوگی؟ زندہ بھی رہیں گے یا نہیں؟ اس واسطے جیسے ہی کسی پر حج فرض ہو جائے تو اُس کو ادا کرنے کی جلد بھرپور کوشش کرنی چاہئے اور اُس میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجِّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا (دارمی)

ترجمہ:-"جس شخص کو حج سے نہ کھلی حاجت مندی روکے، نہ کوئی ظالم حکومت اور نہ کوئی ایسا مرض جس سے وہ سفر کے قابل نہ رہے، پھر وہ حج کئے بغیر مرجائے (تواللہ کو پروا نہیں ہے، چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر"۔

جس شخص کو ایسا افلاس اور مجبوری نہیں کہ وہ حج کو نہ جاسکے اور حکومت کی طرف سے بھی ایسی کوئی رُکاوٹ نہیں ہے کہ حکومت نے حج پر جانے سے بالکل منع کر رکھا ہو، اور اس کو کوئی ایسی بیماری بھی نہیں جو حج کے لئے جانے نہیں دیتی، پھر بھی وہ آدمی حج نہ کرے، تو اللہ تعالی کو اس کی کوئی پروا نہیں، چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے۔ قرآنِ کریم نے یہی مضمون اس انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَرَكًا وَهُدًى لِلْعَلَمِينَ۔ فِيهِ آيتٌ بَيِّنَتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَلَمِينَ

(آل عمران)

ترجمہ:-"بے شک سب سے پہلا گھر جو (عبادت کے لئے) مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے، وہ برکت والا ہے اور ہدایت ہے جہان بھر کے لوگوں کے لئے۔ اور اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم، اور جو اس کے اندر آیا وہ امن کا

مستحق ہو گیا، اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس تک پہنچنے کے راستے کی۔ اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔"

جن حضرات پر حج فرض ہے وہ آج ہی سے پکا ارادہ کر لیں اور اس کے لئے کوشش شروع کر دیں، جب کوشش کریں گے تو ان شاء اللہ کامیابی مل جائے گی، اور حج کا ارادہ کرنے سے دُوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر آپ آج ہی سے ارادہ کر لیں گے تو آپ کو آج ہی سے حج کا ثواب ملنا شروع ہو جائے گا، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ :

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری بحوالہ ریاض الصالحین ج: ۱ ص: ۲۵)

ترجمہ: تمام اعمال کا دارومدار (انسان کی) نیت پر ہے۔"

جن حضرات پر حج فرض نہیں لیکن اُن کا بھی دل چاہتا ہے کہ وہ حج کو جائیں، حج کے لئے ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے، اُس کے ایمان کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف میں ایسی کشش رکھی ہے کہ دور بیٹھا ہوا آدمی بھی اس کی کشش محسوس کرتا ہے اور وہاں پہنچ کر تو بیت اللہ کی کشش بالکل سامنے آجاتی ہے اور اس کا احساس واضح طور پر ہوتا رہتا ہے۔

بیت اللہ شریف کالے پتھر کا ایک کمرہ ہے، جس میں کھڑکیاں اور روشن دان بھی نہیں ہیں، اور آرٹیکیچر کا کوئی بظاہر کمال بھی اُس میں نظر نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی کشش رکھی ہے کہ اس کی طرف دل کھچا چلا جاتا ہے اور اس کو دیکھنے سے آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتیں۔ اگر آدمی اس کو جی بھر کر دیکھنا چاہے تو اُس کو دیکھنے سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا اور اس کا دل چاہتا ہے کہ اُسے دیکھتا ہی رہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں کی تھیں ان میں یہ دُعا بھی تھی کہ :

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم)

ترجمہ: اے رب! میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو (یعنی اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کے واسطے سے ان کی نسل کو) ایک ایسی وادی میں کہ جہاں کوئی کھیتی نہیں تیرے محترم گھر کے پاس، اے رب ہمارے! تاکہ یہ قائم رکھیں نماز کو، تو آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجئے، اور ان کو ثمرات (ونتائج) سے کچھ رزق عطا کیجئے تاکہ یہ شکر کریں۔"

یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئی جس کا مشاہدہ مکہ مکرمہ میں ہر شخص کر سکتا ہے۔

عالم اسلام میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو شوق ہوتا ہے اور ان کی بھی یہ چاہت ہے کہ ان کو حج کی دولت نصیب ہو جائے۔ ان کے لئے میں دو باتیں عرض کروں گا، جس سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا اور اس سے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ ہوا۔

بیت اللہ شریف کی حاضری کے لئے کوشش کے ساتھ ساتھ دُعا کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے، قبولیت دعا کے خاص خاص اوقات میں دُعا کی جائے، ہر فرض نماز کے بعد بھی قبولیت دعا کا خاص وقت ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے مرشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحہ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے نکتے کی بات ارشاد فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اپنی اُمت سے اذان کے بعد صرف ایک دُعا کے لئے فرمایا:

اللھُم رَبّ هَذِهِ الدّعْوَةِ التّامّةِ وَالصّلوةِ الْقَائِمَةِ اتِ مُحَمّدَنِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودَنِ الّذِي وَعَدْتَهُ إِنّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (بخاری شریف بحوالہ ریاض الصالحین : ۲ ص: ۷۰)

ترجمہ:-"اے اللہ! اس کامل دُعا کے پروردگار اور قائم ہونے والی نماز کے پروردگار، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو وسیلہ اور بزرگی عطا کر، اور ان کو مقام محمود پر پہنچا، جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے، آپ (کبھی) وعدہ خلافی نہیں کرتے۔"

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے کتنی دُعائیں کی ہیں لیکن اپنی اُمت سے اس ایک دُعا کے بارے میں فرمایا کہ تم میرے لئے یہ دُعا کرو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دعا کی قبولیت کا یہ خاص وقت ہے، تو تم اس موقع پر اپنے لئے بھی دُعا کر لیا کرو۔

ہمارے شیخ نے یہ ہمیں ایسا گر بتلایا کہ الحمدللہ جب اس کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بڑی بڑی مشکلیں حل کر دیتے ہیں۔ جن حضرات نے ابھی حج نہیں کیا کیونکہ اُن کے پاس اتنے پیسے اور ذرائع نہیں اگرچہ اُن پر ابھی حج فرض نہیں ہوا لیکن اُن کا دل حج کرنے کے لئے تو بہت چاہتا ہے، تو اس کے لئے عملی کوشش بھی کریں اور دُعا چلتے پھرتے بھی کرتے رہا کریں، خاص خاص اوقات میں بھی دُعا کا اہتمام کریں، اور اذان کے بعد کی دُعا پڑھنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کی حاضری کے لئے دُعا کر لیا کریں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے، جب وہاں سے واپس آکر حج کے حالات سناتے تھے تو مجھے بڑی حسرت ہوتی تھی کہ کاش! میں بھی حج کے لئے جاتا مگر اس وقت تک میرے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہوتے

تھے کہ میرے اوپر حج فرض ہوتا۔ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃاللہ علیہ حج سے واپس تشریف لائے،وہ وہاں کے حالات سنانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ میرے لئے دُعا کر دیجئے کہ اللہ پاک مجھے بھی حج کرادے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃاللہ علیہ بڑے مہربان اور شفیق باپ تھے،وہ فقیہ الملت اور ولی اللہ تھے،میں نے اُن سے دُنیا کے لئے دُعا کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ حج کے لئے کی تھی۔اس پر حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے حج کی دُعا نہیں کروں گا!اور یہ بات سنجیدہ ہو کر فرمائی،مذاق میں نہیں فرمائی۔میں سخت پریشان ہو گیا۔میں نے ڈرتے ڈرتے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے تمہیں حج کا شوق نہیں ہے۔‘‘

میں نے کہا کہ مجھے تو حج کرنے کا بہت شوق ہے،جب آپ سے حج کے حالات سنتا ہوں تو تنہائی میں روتا ہوں،اس پر پھر فرمایا کہ نہیں تمہیں حج کا شوق نہیں ہے،اگر تمہیں حج کا شوق ہوتا تو اس کے لئے کچھ تیاری کرتے!بتاؤ تم نے کچھ حج کی تیاری کی؟ تم نے کتنے پیسے جمع کئے؟میں نے کہا کہ میں نے تو کوئی پیسے جمع نہیں کئے،کیونکہ اس زمانے میں میری ڈیڑھ سو روپے پاکستانی تنخواہ تھی اور میری ایک بچی بھی تھی۔میں نے عرض کیا’’ان پیسوں میں کیسے تیاری کرتا؟فرمایا"کیا تم مہینے میں ایک روپیہ بھی نہیں بچا سکتے تھے؟‘‘

میں نے عرض کیا اتنا تو بچا سکتا تھا فرمایا بتاؤ!تم نے کتنے روپے جمع کئے؟اگر تمہیں حج کا شوق ہوتا تو تمہاری جتنی قدرت تھی اتنے روپے تو ضرور جمع کرتے!

اس کے بعد حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ہماری سب سے بڑی بہن کا واقعہ سنایا۔ان کی زندگی زیادہ تر بڑی غربت اور افلاس میں گزری تھی،ان کا اڑتالیس سال کی عمر میں کراچی ہی میں انتقال ہو گیا۔

ان کے بارے میں فرمایا کہ جب تمہاری بہن کا انتقال ہوا تو اُس کے سامان میں سے ایک بٹوا نکلا،اُس بٹے کے اندر پینتیس روپے تھے اور یہ پرچہ پڑا ہوا تھا کہ یہ پیسے حج کے لئے ہیں۔اُس بچاری کو شادی کے بعد جتنے سال ملے تھے اُن میں اُس نے ایک ایک آنہ،دو دو پیسے کر کے یہ پینتیس روپے حج کے لئے جمع کئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کا پینتیس (۳۵) روپے میں حج کرادیا۔وہ اس طرح کہ حضرت والد صاحب رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ میں پچھلے سال جب حج کے لئے گیا تو اس کے پینتیس روپے ساتھ لے گیا تھا،اس کے اُوپر حج فرض تو نہیں تھا لیکن حج کا شوق بہت تھا،تو اس کا نفلی حج وہیں سے بھی کرایا جا سکتا تھا اس لئے میں نے وہیں مکہ معظمہ کے رہنے والے ایک آدمی کو وہ حج کے پیسے دے

دیئے کہ تم میری بیٹی کی طرف سے حج کرلو، اس وقت منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کا خرچہ پینتیس روپے کے اندر اندر ہو جاتا تھا، اس طرح اللہ پاک نے اُن کا حج کرادیا۔

جس نے حج کا ارادہ بھی کر رکھا تھا اور کوشش بھی کی ہوئی تھی، یعنی اُس کے بس میں جتنی قدرت تھی اُس نے پوری قدرت خرچ کرڈالی تھی، اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے اُس کے مرنے کے بعد اُس کا حج کرادیا۔ جو شخص پوری کوشش کرلیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کو حج سے مایوس نہیں کرتے اور حج کرادیتے ہیں۔ میں یہ نسخہ ہر سال لوگوں کو سنادیتا ہوں، اور اس نسخے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سارے لوگوں کو اسی طریقے سے حج کرایا، چنانچہ الحمدللہ میرا خود بھی یہی معاملہ ہوا، میں نے اسی نسخے پر عمل کیا اور اللہ پاک نے اُس کے اگلے سال میرا حج کرادیا۔

حج مقبول کا ایک خاصہ ہے کہ جب ایک مرتبہ آدمی حج کو چلا جاتا ہے تو اُس کا بار بار جانے کا جی چاہتا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اب وہ حج نفل کریں گے تو انہیں ثواب تو ضرور ملے گا لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ ان کو اُس سے بھی زیادہ ثواب ایک اور طریقے سے مل سکتا ہے، وہ یہ کہ ہمارے معاشرے میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے خود اپنا تو حج فرض ادا کرلیا ہے لیکن اُن کی بیوی پر حج فرض ہے اور اُس نے ابھی تک حج نہیں کیا، بیوی کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ وہ شوہر یا کسی محرم کا خرچہ اٹھا کر اس کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے جائے تو ایسی بیماری عورتیں حج سے محروم رہ جاتی ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کو اپنے نفلی حج کی رقم دے دیں جن کی بیوی نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا، یا اُس کی کسی اور رشتہ دار محرم خاتون نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا، جیسے ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ وغیرہ۔ وہ شخص آپ کی طرف سے نفلی حج بدل ادا کرے گا تو اس طرح سے آپ کو تین حجوں کا ثواب ملے گا، ایک اُس عورت کے حج کا ثواب جس پر حج فرض تھا، دوسرا اُس شخص کے حج کا ثواب جس کو آپ نے پیسے دے کر بھیجا ہے، اور ایک اپنے نفلی حج کا ثواب، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

میں یہ مشورہ اس لئے دیا کرتا ہوں کہ اس طریقے سے بہت سارے لوگوں کی ضرورت پوری ہو جائے گی، اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کل مکہ مکرمہ میں ہجوم اور رش بڑھتا جارہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کتنی ہی موتیں ہر سال ہو جاتی ہیں۔ اس سال تو الحمدللہ ایسے واقعات پیش نہیں آئے۔ وہاں اتنا ہجوم بڑھ گیا ہے کہ بہت سارے لوگ مزدلفہ پہنچ نہیں پاتے، حج فرض ادا کرنے والوں کے لئے حج کرنا مشکل ہو گیا ہے، تو اس طرح اگر آپ آئندہ نفلی حج کے لئے خود جانے کی بجائے کسی ایسی خاتون کے محرم کو اپنے نفلی حج کا خرچہ دے دیں جس کے اوپر حج فرض ہے اور اس خاتون کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ محرم کو اپنے ساتھ لے جاسکے، اور اُس محرم سے کہہ دیں کہ وہ آپ کی طرف سے نفلی حج بدل کردے بشرطیکہ وہ محرم اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکا ہو، تو

اس طرح آپ کی طرف سے نفلی حج ہو جائے گا اور اُس خاتون کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نیت بھی کر لیں کہ حج فرض ادا کرنے والوں کو سہولت ہو جائے تو اس طرح آپ کو نفلی حج سے کئی گنا زیادہ ثواب مل جائے گا۔

چار قسم کے حضرات کے لئے میں نے یہ معروضات پیش کی ہیں، ایک وہ حضرات جو ابھی حج کر کے پاک صاف ہو کر آئے ہیں، وہ گناہوں سے مزید بچنے کا اہتمام کریں اور اللہ والوں کے ساتھ جڑیں۔ دوسرے وہ حضرات جن پر حج فرض ہے اور انہوں نے ابھی تک ادا نہیں کیا تو وہ اس کے لئے دُعا بھی کریں اور آج ہی سے عزم کر لیں اور اس کے لئے کوشش شروع کر دیں تو ان کو اسی وقت سے ثواب ملنا شروع ہو جائے گا، اور کوشش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی محروم نہیں کرتے۔ تیسرے وہ حضرات بھی اس طریقے پر عمل کریں جن پر حج فرض نہیں مگر وہ حج کا شوق رکھتے ہیں۔ چوتھے وہ حضرات جنھوں نے اپنا حج فرض ادا کر لیا لیکن اُن کا نفلی حج کرنے کو دل چاہتا ہے تو وہ کسی ایسی خاتون کے محرم سے اپنا نفلی حج بدل کروالیں جس خاتون پر حج فرض ہے تاکہ وہ خاتون اپنے محرم کے ساتھ اپنا حج فرض ادا کر لے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ محرم اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو حج مبرور و مقبول عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عقیدہ ختم نبوت اور اس کا تحفظ

یہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی اس تقریر کا متن ہے جو انہوں نے ساتویں سالانہ انٹرنیشنل ختم نبوت کانفرنس منعقدہ اتوار 16 اگست 1992 سینٹرل جامع مسجد برمنگھم، برطانیہ میں بعد نماز ظہر دوسرے سیشن میں فرمائی تھی۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد:

صدر محترم حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنی سے ادنی پہلو پر اگر بولنے والا شروع کرے تو دن تو کیا ہفتے اور مہینے گزر جائیں اللہ تعالی کے فضل و کرم سے بولنے والے کم نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت ﷺ پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی اور پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لیے آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحہ عارفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جا کر قیامت سے ٹکرائے گا، بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لهذا۔۔۔ یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہو گا کہ دوسرا آجائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہو گا کہ یرقق بعضھا بعضا“، یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا

فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آجائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آکر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن و ملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمائیے، کون کہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر و اشاعت، اسلامی علوم کے درس تدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، گو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالباً ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العلمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا وہ کہتے ہیں کہ میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالم اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیب اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی؟

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجئیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور فقہی

مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے لیکن اب یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھول دیا ہے، قادیانیت کا یہ فتنہ مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنا رہا ہے، امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم یہاں دوسرے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں فرمایا کہ تم میری خیریت پوچھتے ہو؟ جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے اور سنے میری بھوک بھی اڑ گئی ہے اور نیند بھی۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا کسی اور کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اس فتنہ کی سرکوبی میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلہ میں خود بڑی عظیم کتابیں تالیف کیں اور اپنے نابغہ روزگار شاگردوں کو بھی اس مہم پر لگا دیا۔ اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دور رس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصنیف اکفار الملحدین، بھی اسی سلسلے کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے، اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یہ قادیانی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں، سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا؟ اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے وہ مشہور عربی کتاب تالیف فرمائی جس کا نام اکـــــفـــــار الملحدین ہے، اس میں اس مسئلہ کی بے مثال تحقیق فرمائی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں اور کیا شرائط ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جا سکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہو جاتا ہے، جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہو لیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یا رسول اللہ نے کی احادیث متواترہ سے صراحتا ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہو جائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کر دیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیا اور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرر اور متعین کر دیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجد کی ایک کتاب جس کا نام ختم نبوت ہے اس میں حضرت نے قرآن کریم کی ایک سو دس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آسکتا، کسی

قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعوی کرے گا وہ بدترین جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دو سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یاد رکھئے! کہ جس طریقہ سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن صراط مستقیم کے اندر جو لفظ صراط ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ مستقیم کو نہیں مانتا، یا اس کی "ر" کو نہیں یا اس کی "ط" کو نہیں مانتا، گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کر دیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اس طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کر دینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنَ رِجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ(سورہ الاحزاب آیات نمبر 40)

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جا جا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہو گئے، پاکستان کی سب سے پہلی حکومت بنی اس میں سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابو بکر صدیق نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابو بکر صدیق نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسیلمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرام کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع

نہیں ہو گیا حضرت ابو بکر صدیق چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا کم از کم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نے مسلم ممالک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم از کم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کر دیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، اور قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو بارہ مولا پر قبضہ کر چکے تھے اور اگلے روز سری نگر میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیریؒ صاحب تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک، اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ وہ والد صاحب کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا کہ حضرت میں تو اب جا رہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہو جاؤں گا ورنہ شہید ہو جاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت میں وصیت نامہ کے مطابق ان کو تقسیم فرما دیجیے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے میں شہید ہو جاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرما دیجیے، وہ بندہ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب فخر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہر حال کسی نہ کسی طرح ہمیں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ وہ جلسہ گاہ ایک جیل ہی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے

کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے لیکن انہوں نے لاؤڈا سپیکر باہر دور تک لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈا سپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی بتیوں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کر دی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے جلسے کو درہم برہم کر دیا، پولیس آگئی، بھگدڑ مچی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمد للہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہو سکا۔

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جا رہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جا رہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلا مارشل لاء وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت میں اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کر دے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کر لیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کر لیا گیا اور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کر رکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی مار دو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کر رہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے، وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے "گولی یہاں مارو، یہاں مارو" اور فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑتڑ گولیاں چلاتی لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہو جاتا تھا، ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے، ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہو گئی، کیونکہ ظفر اللہ اسی طرح وزیر خارجہ رہا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت بھی قرار نہیں دیا اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالی کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں

جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً ہو جاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہو جاتے ہیں کبھی دوسری جگہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا؟ غزوہ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ خندق ساڑھے تین میل میں پھیلی ہوتی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسی تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرام سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بلکہ اس کوشش میں ان کے اوزار بھی ٹوٹ گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا:

اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہو رہی تھی لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا ہو رہا تھا، کدال کی ضرب یہاں پڑ رہی تھی، خوشخبری ایران، فارس اور یمن کی فتوحات کی مل رہی تھی فاقہ کشی اور کھدائی کی مشقت یہاں جھیلی جا رہی تھی لیکن اس کے نتائج وہاں مرتب ہو رہے تھے، قربانی آج دی جا رہی تھی، اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہو رہے تھے۔

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا، 1974 میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالی نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے، تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالی نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈی نینس نافذ کیا، جس کے بعد الحمد للہ پاکستان میں اب قادیانیت کا مسئلہ طے ہو گیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرات نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مد ظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈی نفس پڑھ کر سنایا ہے۔

لیکن اے مسلمانان برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آگئی ہے، برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل و کرم سے اس فتنے کی سرکوبی کر کے وہاں سے اسے جلاوطن کر دیا ہے، اب یہ فتنہ اور فراڈ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دشمن ٹولہ یہاں آپ کے انگلینڈ میں آگیا ہے، یہاں اس نے اپنا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، اور یہاں سے وہ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں میں عقیدہ ختم نبوت کے خلاف تحریک چلا رہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا مرکز لندن کو بنایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے یورپ کے مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ یہاں اسلام دشمن طاقتیں ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں، اب دیکھئے کس کس طریقہ سے یہ اپنی باطل تحریک قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں، کئی یورپین ممالک کسی پاکستانی یا ہندوستانی کو آسانی سے ویزہ نہیں دیتے لیکن ان ممالک میں قادیانیوں کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر وہ کسی کی سفارش کر دیں اور ذمہ داری لے لیں تو اس کو بہت آسانی سے یہاں ملازمت کرنے کا ویزہ مل جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کو کہتے ہیں، دیکھو! تم کو ویزہ دلوا دیں گے، پرمنٹ ویزہ دلوا دیں گے ہم اس فارم پر دستخط کر دو اس فارم میں اس بات کا عہد لیا جاتا ہے کہ وہ احمدی ہے، بہت سے نوجوان قادیانیت کا شکار اسی طریقے سے ہوئے ہیں، جب ان سے کہا گیا کہ بندہ خدا تم کفر نامہ پر دستخط کر رہے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو دستخط ایسے ہی جھوٹ موٹ کر رہے ہیں۔

دل میں تو ہمارے ایمان ہے لیکن یاد رکھیئے جو شخص کھلا ہو صریح کلمہ کفر قلم یا زبان سے نکالتا ہے تو جب تک وہ اس کفر سے اپنی مکمل علیحدگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا، دنیا میں اسے قادیانی ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے کھلے کفر پر دستخط کئے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں، اب یہ ساری ذمہ داری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں پر آگئی ہے، خاص طور پر برطانیہ میں بسنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ اس نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کر دیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنی نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہو سکتے ہیں کئے جائیں، اپنے تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلبہ اور طالبات کو باخبر کیا جائے۔ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالی آپ سب حضرات کا حامی و ناصر ہو، میں اپنی گذارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالی برطانیہ، یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین۔

موت کی سختی

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ گار انسان کی روح اس طرح قبض کی جاتی ہے جیسے زندہ جانور کی کھال کتر کتر اتاری جائے تو جس طرح ایسے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح کی تکلیف گناہ گار انسان کو موت کے وقت ہوتی ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکلیف اس قدر شدید ہوتی ہے جیسے کانٹے دار جھاڑی پر ململ کا باریک کپڑا ڈال دیا جائے اور پھر اس کپڑے کو جو جھاڑی میں پوری طرح پھنس چکا ہو، کھینچا جائے تو اس باریک کپڑے پر جو تباہی پھیلتی ہے، وہ حالت گناہ گار انسان کی ہوتی ہے۔

(اصلاحی تقریریں جلد 5 صفحہ 32)

مغربی دنیا میں دینی رجحان

بعد از خطبہ مسنونہ امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالی

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ (سورۃ الروم آیت 42)

بزرگان دین اور برداران عزیز! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میرا طویل غیر ملکی سفر پر جانا ہوا جو کہ آٹھ ملکوں پر مشتمل تھا۔ قرآن حکیم میں بھی یہ ہدایت کی گئی ہے۔

"اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ زمین پر چلو پھر اور دیکھو کہ پہلے لوگوں کا انجام کی ہوا"

مختلف لوگوں کے سامنے سفر کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں چنانچہ مجاہدین جہاد کے لیے، مبلغین تبلیغ کے لیے، علم حاصل کرنے والے تعلیم حاصل کرنے کے لیے، تاجر تجارت کے لیے، ملازمت پیشہ لوگ ملازمت اور جاب حاصل کرنے کے لیے، سیاح معلومات حاصل کرنے کے لیے اور تفریح کرنے والے تفریح کے لیے سفر کرتے ہیں۔ اور اگر سفر شرعی حدود میں ہوں جیسا کہ ان مذکورہ بالا میں سے بعض ہیں تو وہ جائز بھی ہیں اور باعث ثواب بھی ہیں چنانچہ اگر طالب علم کے لیے سفر کیا جائے تو اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من سلك طريقا يلتمس فيه علماسهل الله له طريقاً الى الجنة (رواه مسلم عن ابى حريرة)

جو شخص کسی راستے پر اس لیے چلتا ہے کہ وہ علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا وہ راستہ آسان کر دیتے ہیں۔"

اسی طرح سفر جہاد کے بارے میں قرآن حکیم میں جابجا عظیم الشان فضائل بیان کئے گئے ہیں، اور اسی طرح تبلیغ کے سفر کے لیے عظیم الشان فضائل وارد ہیں، نیز تجارت، ملازمت، سیاحت اور تفریح کے لیے اگر وہ شرعی حدود میں ہو تو اجازتِ سفر موجود ہے۔ اور ہمارے سفر عام طورہ سے تبلیغی سلسلے کے ہوتے ہیں اور جہاں دوسرے ممالک میں جو علمی اور دینی اداروں میں کام ہو رہے ہیں وہ ادارے مشوروں کے لیے بطور خاص بلاتے ہیں اور بہت سے فقہی مسائل میں وہاں کے علماء کا کچھ اختلاف رائے ہوتا ہے تو بھی مشورے کے لیے بلاتے ہیں۔ اس طرح ہمارا یہ سفر ایک حیثیت سے تعلیمی بھی تھا اور ایک حیثیت سے تبلیغی بھی تھا اور اگر انسان عبرت کی نگاہ سے دیکھے تو ہر سفر میں اسے کچھ چیزیں عبرت اور سبق آموز ملتی ہیں، چنانچہ اس سفر میں بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو شامل کر لوں اور اس سفر میں جو عبرت آموز باتیں سامنے آئیں، انھیں بیان کر دوں۔ بنیادی طور پر تو ہمارا سفر برطانیہ اور فرانس کا تھا اور باقی ممالک کے سفر اللہ نے ضمناً کروادیئے۔

پہلے میں آپ کے سامنے برطانیہ کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرتا ہوں کہ یہ وہی برطانیہ ہے جہاں سے عالم اسلام کے خلاف سب سے زیادہ فوجی اور سیاسی کاروائیاں ہوتی ہیں اور اسلام کے خلاف سب سے زیادہ پروپیگنڈہ اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ یہیں سے ہوتا ہے۔ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے اگر کوئی مسلمان برطانیہ جاتا تھا تو اس کے لیے وضو کرنا اور نماز پڑھنا بہت مشکل مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت وہاں نہ مسلمانوں کی کوئی قابل ذکر تعداد تھی اور نہ مسجدیں۔ اُس زمانے میں متحدہ ہندوستان سے جو لوگ تعلیم کی غرض سے جاتے تھے وہ عام طور سے ان ہی کے رنگ میں رنگ کر واپس آتے تھے کیونکہ وہاں کوئی دینی ماحول ہی نہیں تھا۔ چنانچہ اگر ایک شخص یہاں نمازی تھا تو وہاں جا کر اس کی نمازیں چھوٹ جاتی تھیں اور حلال و حرام کی تمیز کم ہو جاتی تھی، حتیٰ کہ گوشت بھی حلال جانور کا نہیں ملتا تھا۔

متقی طلبہ وہاں سے بڑی تنگی سے وقت گذار کر واپس آتے تھے، اور جن لوگوں کو حلال و حرام کی تمیز نہیں ہوتی تھی وہ وہاں بہت سی خرافات میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ لیکن اللہ رب العلمین کی قدرت کاملہ کے عجائب اور دین کے معاملے میں کی جانے والی محنتوں اور کوششوں کے ثمرات دیکھیے کہ وہی انگلستان جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور اسلام دشمنی کی سب سے بڑی مرکزی طاقت تھی اگر آج وہاں جا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی اسلامی ملک میں آگئے ہیں جہاں مساجد کی فراوانی ہے۔ چنانچہ ایک ہزار کے قریب مساجد تعمیر ہو چکی ہیں اور مزید سلسلہ جاری ہے۔ مساجد نمازیوں سے آباد اور لبالب بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ ان مساجد میں معمر لوگ ہوتے ہیں بلکہ نوجوانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔ نیز مدارس جگہ جگہ قائم ہو رہے ہیں اور تقریباً ہر مسجد میں قرآن کریم کا ایک مکتب ہے جہاں ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم باقاعدہ

تجوید کے ساتھ ہو رہی ہے۔ جس مسجد میں چلے جائیں وہاں کا امام قرآن کو تجوید سے پڑھتا ہے، نیز درس نظامی کے لیے بڑے بڑے دار العلوم قائم ہو چکے ہیں چنانچہ تین دار العلوم تو خود میں نے بھی دیکھے، اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے مدارس قائم ہو چکے ہیں۔

اب سے بیس یا پچیس سال پہلے مشہور شہر لندن میں کوئی خاتون برقعہ پہن کر باہر نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اگر وہ برقعہ پہن کر باہر نکلتی تو تماشا بن جاتی تھی اور ساری دنیا حیران ہوتی تھی کہ یہ کیا چیز نکل آئی؟ لیکن آج الحمدللہ مسلم خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد برقعہ پہنے ہوئے ہر شہر اور ہر بازار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بعض محلوں میں جائیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا علاقہ ہی مسلمانوں کا ہے جہاں کی مساجد میں اذانوں کی آواز میں گونج رہی ہیں۔ لندن کے بازاروں میں جابجا اللحم الحلال''، یعنی حلال گوشت کے بورڈ لگے ہوئے ہیں اور الحمدللہ اب وہاں حلال گوشت کا زیادہ مسئلہ نہیں رہا کیونکہ وہاں مسلمانوں نے اپنے لیے حلال گوشت کا خود انتظام کیا اور خود مذبح قائم کیے، خود ہی اپنی دکانیں قائم کیں اور اپنے ہوٹل اور ریسٹورانٹ بنائے۔ یہ ایک انقلاب ہے جو پندرہ بیس سال کے مختصر سے عرصے میں بہت ہی تیزی سے آیا ہے اور الحمدللہ آج وہاں علماء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تمام مساجد اور تمام مدارس میں عہدوں پر فائز ہونے کے بعد بھی سینکڑوں علماء فارغ ہیں جن کو وہاں علمی میدان میں کام کرنے کا موقع نہیں مل رہا۔ چنانچہ انھوں نے تجارت وغیرہ شروع کر دی ہے یا کوئی اور کام شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ کچھ پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور کچھ یونیورسٹیوں میں جا رہے ہیں تاکہ انھیں اس میدان میں بھی کام کرنے کا موقع ملے۔

ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں جن کی بناء پر مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار ہیں، ان کو دیکھ دیکھ کر یہ سوچتے ہیں کہ اسلام پر ہر طرف سے دباؤ ہے اور اسلام دشمن طاقتیں غالب آتی جا رہی ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ پروردگار نے اسلام کی سربلندی کے لیے نیچے سے ایک اور لہر جاری کر رکھی ہے جس کے بارے میں اوپر اوپر سے نظریہ آ رہا ہے کہ اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں ہو رہی ہیں۔ لیکن اللہ رب العالمین کی کرشمہ سازی ہے کہ نیچے ایک اور اسلامی لہر مخالف سمت میں چل رہی ہے۔ اور جہاں سے یہ مخالفتیں اٹھ رہی تھیں وہیں یہ اسلام پھیل رہا ہے۔ یہ رب العالمین کا ایک نظام ہے جس سے وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ کتنے بھی ناگفتہ بہ حالات ہوں اور کتنے ہی مایوس کن حالات ہوں، تم دین اور اللہ کے راستے میں محنت اور کوشش سے مایوس نہ ہو بلکہ اپنا کام کرتے رہو، تمھاری محنتیں رنگ لائیں گی اور کوششیں اپنا اثر دکھائیں گی۔ بظاہر تمھیں اپنی کوششیں بیکار نظر آئیں گی لیکن ان کوششوں کو بار آور کرنا تمھارا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے۔

چنانچہ آج وہی انگلستان اسلام کا ایک مرکز ثانوی نظر آرہا ہے جہاں علمی، دینی اور تحقیقی ادارے قائم ہورہے ہیں، مفتیان کرام مسائل کی تحقیق میں کتابیں لکھ رہے ہیں، فقہی مسائل پر ریسرچ ہورہی ہے، بہت سارے مسلمان سیاسی میدان میں انتخابات میں عیسائیوں اور یہودیوں کا مقابلہ کررہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے انتخابات میں ایک مسلمان کامیاب ہوکر پارلیمنٹ میں پہنچ گیا ہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں ایک پاکستانی مسلمان باقاعدہ ایک رکن بن چکا ہے۔ ہمارے پاکستانی مدارس میں آپ کو درجنوں انگلستانی طلبہ ملیں گے جو کہ بڑے بڑے مالداروں کے بیٹے ہیں اور ان کے والدین نے اپنے دلوں پر پتھر رکھ کر اپنے بچوں کو یہاں عالم دین بننے کے لیے بھیجا ہے اور وہ تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ہمارے انھی مدارس سے فارغ التحصیل علماء کی ایک جماعت وہاں جاکر اپنا کام سنبھال چکی ہے اور اپنا کام کررہی ہے، جس میں تصنیف وتالیف اور مدارس میں پڑھانا وغیرہ سب ہی کچھ شامل ہے۔ یادرکھیں! اللہ کے راستے میں کی ہوئی یاد کوئی محنت کبھی بھی بیکار نہیں جاتی، اور جب وہ محنت اخلاص کے ساتھ اور شرعی قاعدے کے مطابق ہو تو آخرت کا ثواب تو یقینی ہے اگرچہ دنیوی فوائد ظاہر نہ ہوں، نیز ہمیں اللہ کی رضا حاصل ہوجائے گی اور اس محنت سے دین اور مسلمان دونوں کو فائدہ پہنچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج سے تیس سال پہلے جس شخص نے انگلستان کو دیکھا ہو، وہ اب اس کو دیکھ کر یہ محسوس کرے گا کہ یہ وہ انگلستان نہیں ہے جو آج سے تیس سال قبل تھا۔ مساجد میں اکثر نمازی پوری پوری داڑھی والے اور اپنے پاکستانی لباس میں ملبوس ہیں اور انھوں نے عمامے باندھ رکھے ہیں۔ اب ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر یہ انقلاب عظیم کیسے آیا؟ یادرکھیں! کہ اس انقلاب کے آنے میں دو باتوں کا بڑا دخل ہے۔

۱۔ تبلیغ

۲۔ دینی مدارس

اگرچہ وہاں سعودی عرب کے بھی بہت سے اداروں نے کام کیا ہے اور مختلف مسلم ممالک نے بھی کچھ جزوی کام کیے ہیں لیکن حقیقتاً یہی دو چیز میں اس انقلاب کے آنے میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اللہ کے کام میں ہمیشہ نصرت ہوتی ہے۔

شروع شروع میں جب وہاں کچھ تبلیغی جماعتیں اور کچھ علماء گئے تو ان کی تقریروں اور مواعظ سے کچھ ذہن بنے، تبلیغی جماعتوں نے ایک سے دوسرے شہر میں پیدل گشت کیا اور وہ بھی اس حال میں کہ وہاں ان کے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی کسی کنبہ کے لوگ پناہ دے دیتے یا کبھی کوئی شخص اپنے گھر کے کسی حصے میں رات گزارنے کی اجازت دیدیتا تھا، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ سخت برفباری میں جب کوئی ٹھکانہ نہ ملا تو دو دو آدمی ایک ایک ٹیلی فون بوتھ میں گھس کر کھڑے ہوگئے اور

اسی طرح پوری رات گزار دی، جس کی وجہ سے اب یہ کوشش اور محنتیں رنگ لارہی ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی اللہ کی رضا کے لیے کام شروع کرتا ہے تو پھر اللہ کی طرف سے نصرت بھی ہوتی ہے۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر

لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو اللہ نے جو تڑپ اور لگن عطا فرمائی تھی وہ اسی جذبہ کی بناء پر اکیلے ہی چلے تھے اور ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا لیکن بعد میں لوگ ملتے رہے اور ایسا قافلہ بنا کہ آج پوری دنیا میں سینکڑوں قافلے ہر وقت رواں دواں ہیں، اور ہماری زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ جس میں پوری دنیا میں سینکڑوں قافلے گشت نہ کر رہے ہوں۔اس محنت شاقہ کے اٹھانے کے بعد ان تبلیغی حضرات نے ایک سازگار فضا تیار کی، چنانچہ یہ مبلغین ایک ایک علاقے میں جاکر ان لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے اور ایمان ویقین کی باتیں کرتے ہیں، اور جب لوگوں کے دلوں میں ایمان ویقین آئے گا تو لامحالہ یہ سوال پیدا ہو گا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے ؟اور یہ بتانا علماء دین کا کام ہے کہ ان کو اسلامی زندگی کے طور طریقے بتائیں؟ ان کو قرآن پڑھائیں، دین کی تعلیم دیں اور مسائل بتائیں چنانچہ علماء نے وہاں جاکر مدارس قائم کیے اور الحمدللہ اب تک یہ کام ہو رہا ہے۔

برطانیہ کے اس سفر سے چھ سات ماہ قبل بھی میرا برطانیہ جانا ہوا تھا جس میں سے دو دن فرانس میں بھی گزارے۔ فرانس کے حالات ہم پہلے سنتے اور معلوم کرتے رہتے تھے کہ وہاں دینی حالات ہیں، چنانچہ وہاں جاکر دیکھا تو وہاں کے حالات اور بھی زیادہ امید افزاء ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کی تعداد برطانیہ سے بھی زیادہ ہے، نیز مساجد بھی برطانیہ سے زائد ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ وہاں اتنی تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے کہ روزانہ سولہ آدمی اوسطاً مشرف باسلام ہو رہے ہیں۔ مغربی ممالک میں خفیہ طور سے اسلام پیرس فرانس کے ایک شہر میں جہاں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو کہ ہمارے حضرت والد صاحب کے یہاں پاکستان میں شریک کار بھی رہ چکے تھے، پوری دنیا کے مایہ ناز اسلامی سکالر تھے، بہت بڑے محقق اور یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے اور ابھی حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے اور ہزار ہا لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، ان کا کہنا تھا کہ فرانس میں اس وقت ایک بڑی تعداد کروڑپتی اور ارب پتی، تاجروں، سیاسی لیڈروں اور ماہرین تعلیمات کی ایسی ہے کہ جو میرے ہاتھ پر خفیہ طور پر مشرف باسلام ہو چکی ہے لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کرتے۔ برطانیہ اور فرانس میں

یہی کچھ ہو رہا ہے کہ عیسائی چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان انھیں خرید خرید کر مساجد اور مدارس بنا رہے ہیں، چنانچہ بہت سی ایسی مساجد میں ہم نے خود نماز پڑھی جو کسی وقت چرچ تھے۔

سری لنکا سے ایک صاحب ہمارے دار العلوم میں قرآن حفظ کرنے کے لیے آئے تھے، جب وہ حفظ کر چکے تو وہ پیرس میں مقیم ہو گئے اور اعلیٰ ترین امتحانات میں اعلیٰ ترین کامیابیاں اپنی ذہانت کی وجہ سے حاصل کیں اور اب وہاں تجارت کر رہے ہیں اور تبلیغ میں بھی سر گرم ہیں، چند سال پہلے ان کے ساتھ ایک ترکی مسلمان آئے تھے، انھوں نے بتایا کہ غیر مسلموں میں خود کشی کے واقعات بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور بتایا کہ فرانس میں ٹی وی کی سرکاری نشریات میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۹۹۱ء میں خود کشی کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کا اوسط ہر پانچ منٹ کے بعد ایک خود کشی ہے۔ اب جب میں وہاں گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ پچھلے سال تمھارے فرانس میں کیا حال رہا؟ تو وہ کہنے لگے کہ پچھلے سال ۱۹۹۶ء میں ٹی وی نے سرکاری طور پر اس کے جو اعداد و شمار نشر کیے ہیں وہ یہ ہے کہ ستر ہزار خود کشیاں تو وہ ہیں جس میں خود کشی کرنے والے کامیاب ہو گئے اور بیس ہزار ایسے ہیں جنھوں نے خود کشی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ وہ پکڑ لیے گئے، جبکہ سترہ ہزار کی تعداد اس خود کشی کے علاوہ ہے جو لوگوں نے ایکسیڈنٹ کے ذریعے کی ہے کیونکہ اس میں یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ کس نے خود کشی کی ہے؟ اور کس کا واقعی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ان لوگوں کو بے روزگاری نے ستار کھا ہے یا کوئی مالی پریشانی یا فقر و افلاس ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ یہاں کے لوگوں کی مالی حالت تو بہت اچھی ہے لیکن بہت زیادہ تحقیق کے بعد اسکی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوئی کہ لوگوں کے دلوں میں بے چینی ہے۔ لیکن اب یہی بے چینی چین کی تلاش میں اسلام کی طرف آ رہی ہے۔ وہاں کے مفکرین کہتے ہیں کہ اگر اپنی عمر بڑھانا چاہتے ہو اور صحت اور خوشی چاہتے ہو تو کوئی نہ کوئی مذہب تھام لو۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اب مذہب کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کون سا مذہب اختیار کیا جائے؟ ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلام کو روشناس کرائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنا عملی نمونہ لوگوں کو دکھائیں جس سے وہ لوگ کھنچ کھنچ کر اسلام کے پاس آئیں گے۔

اس کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں تیزی سے اسلام کا پھیلنا ہے چنانچہ اس زمانے میں جو دو سپر طاقتوں قیصر و کسریٰ کا خاتمہ کیا گیا اور اسلام سپر طاقت بنا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت میں مسلمان فوجیں جہاں پہنچتی تھیں ان کے عملی نمونے کو دیکھ کر فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔ جس سے اسلام پھیلتا رہا۔ بہت سے صحابہ دوسرے شہروں میں تجارت کی غرض سے جاتے تھے تو وہاں کے لوگ ان کی تجارت کے طریقے ہی کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔

آج کل پورا مغربی پریس اوران کا الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں اپنی بھرپور طاقت لگا رکھی ہے، اور اس پروپیگنڈے میں دو باتیں بنیادی طور سے شامل ہوتی ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے یہاں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے اوران کو گھر کی چار دیواری میں قید کر کے ان کی آزادی سلب کرلی جاتی ہے، اور دوسری بات یہ کہ مسلمان جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں۔ جہاد سے تو ویسے بھی یہ لوگ ہمیشہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ اور عورتوں کی تعداد پوری دنیا میں کم از کم نصف ہے تو ان کی کوشش یہ ہے کہ عورت کو اسلام کے خلاف کردیں کیونکہ عورت ہی وہ ذات ہے جس کی گود میں قومیں بنتی ہیں، اس لیے اگر ہم نے عورت کو اسلام کے خلاف کردیا تو اسلام کا راستہ خود خود رک جائے گا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود پروردگار عالم اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا رہا ہے کہ جن مراکز میں پروپیگنڈے کا طوفان برپا ہے ان کی اپنی عورتیں مسلمان ہو رہی ہیں اور وہ عورتیں اپنے اسلام لانے کی وجہ یہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے آس پاس میں مسلمان عورتوں کو جو محبت، شفقت اور عظمت ملتی ہے اس کا ہمارے یہاں تصور بھی نہیں ہے۔ ہم خواہ کتنے بھی گئے گذرے ہوں لیکن الحمد للہ اب بھی اتنی بات ہے کہ ہم لوگ اپنی ماں کی عزت کرتے ہیں اور اتنا جانتے ہیں کہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے، اور بچپن ہی سے ہمیں یہ سکھادیا گیا ہے کہ ماں کی عظمت، بہن کی محبت اور بیٹی کی شفقت ہمارے دل میں ہر وقت ہونی چاہیے۔

لیکن مغربی عورت ان تمام باتوں سے محروم ہے کیونکہ یا تو وہ کسی کی ماں ہی نہیں، بچے ہونے کے باوجود وہ ان کی ماں نہیں ہوتی کیونکہ وہاں شادی کا رواج ہی ختم ہوتا جارہا ہے اور اسکول جانے کی عمر میں ہی بچے پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہاں کی عورتوں کو ہم نے دربدر پھرتے دیکھا ہے، اگر وہ عورت شادی شدہ ہو تو گھر کے کام دھندے سمیت اس پر یہ ذمہ داری بھی لازم ہے کہ وہ کما کر بھی لائے، اور اس کو یہ کہہ کر دلاسا دیتے ہیں کہ ہم تجھے آزادی دیں گے، اور ایسی آزادی دی کہ جہاں بھی آپ دیکھیں مرد آپ کو افسر اور عورتیں ماتحت نظر آئیں گی۔ چنانچہ آپ دیکھ لیجیے کہ جہاز کا کپتان بھی عام طور سے مرد ہوتا ہے اور اس کی ماتحتی میں لڑکیاں کام کرتی ہیں اور سینکڑوں لوگوں کی خدمت کرتی پھرتی ہیں جبکہ اس کے برعکس اگر ہمارے یہاں عورت صرف اپنے باپ، بھائی، بچوں اور شوہر کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لے تو اسے قید سمجھا جاتا ہے اور سینکڑوں لوگوں کی خدمت کرنے کو آزادی سمجھا جاتا ہے، لیکن اب یہ دھوکہ وہاں کی عورتوں پر عیاں ہو رہا ہے کہ ہمیں بیوقوف بنایا گیا ہے، اصل آزادی تو مسلمان عورتوں کو حاصل ہے۔

میں کینیڈا میں جن صاحب کے یہاں مہمان تھا وہاں میں اپنے معمول کے مطابق صبح فجر کی نماز کے بعد سو جاتا تھا اور پھر اٹھ کر ناشتہ کرتا تھا۔ چونکہ اس وقت ہمارے میزبان اپنی ڈیوٹی پر چلے جاتے تھے۔ اس لیے وہاں کی خواتین ٹیلی فون کے ذریعہ

مجھے بتادیتی تھیں کہ کمرے میں آپ کا ناشتہ رکھ دیا ہے آپ ناشتہ کرلیں۔ایک دن ایک چھوٹی سی خوب صورت لڑکی نے جو تین چار سال کی ہوگی، مجھے دس بجے آکر اٹھایااور توتلی زبان میں انگریزی بولی جس کا حاصل یہ تھا کہ آپکا ناشتہ تیار ہے۔اسکے بعد جب صاحب خانہ آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ وہ بڑی خوب صورت بچی کون تھی، تو وہ کہنے لگے کہ یہ ہماری پڑوسن کی بیٹی ہے جو کہ اٹلی کی رہنے والی ہے اور اس کی اکلوتی لڑکی ہے وہ عورت جب صبح کوڈیوٹی پر جاتی ہے تو اس بچی کو ہمارے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ پھر رات کو یہ واپس اپنی ماں کے پاس چلی جاتی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس کا باپ کہاں ہے ؟ تو وہ کہنے لگے کہ اس کا باپ انگلینڈ میں ملازمت کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو بہت اچھا موقع ہے لہذا تم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے دین سکھاؤ۔اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم نے اس کو دین کا اکثر حصہ سکھا بھی دیا ہے اب اس کی ماں بھی اس بات سے بڑی خوش ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے تمھارا اسلام بہت اچھا لگتا ہے۔اس لیے تم اسے اسلام سکھاؤ۔

معلوم ہوا کہ ''حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے''اور ان تمام پروپیگنڈوں کے باوجود مغربی عورتیں مردوں کی بہ نسبت زیادہ اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہیں اور یہ اسلام کی حقانیت کی برکات ہیں۔

فرانس کے بعد ہمارا سفر اندلس کا ہوا جہاں مسلمانوں کی حکومت آٹھ سو سال رہی اور اس کے بعد پورے ملک میں کوئی مسلمان زندہ نہیں چھوڑا گیا، اور آج پانچ سو سال سے وہاں کی فضائیں اذان کی آواز کو ترستی ہیں۔ ہمیں اس پورے ملک میں چھ دن گزارنے کا موقع ملا اور وہاں کی بھی کچھ عبرت ناک یادیں اپنے ساتھ رکھ لیں۔

برطانیہ پہنچنے سے پہلے تین روز ترکی میں رہے وہاں بھی دار العلوم کے فاضلین میں سے بہت سے موجود ہیں جن کے ساتھ مل کر ہم نے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ ترکی ایک ایسا ملک ہے کہ جس کے ساتھ اسلام کی عظیم الشان تاریخ وابستہ ہے کہ یہ پورے عالم اسلام کا دار الخلافہ تھا، جب پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۹ء میں خلافت ختم ہوئی تو پھر دار الخلافہ بھی بدل گیا۔ یہ باتیں غیر اختیاری طور پر آگئیں بقیہ باتیں انشاء اللہ پھر عرض کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالی ہمیں اسلام کی صحیح سمجھ اور محبت عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی اور پورے عالم میں دین پھیلانے کی اور اس کی محنت و کوشش کرنے کی فکر عطاء فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

جنت کے حالات

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں نے آپ حضرات کے سامنے اس وقت تاجدار دوعالم، سرور کونین، رحمۃ للعلمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی پڑھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ایک خوشی تو افطار کے وقت ہوتی ہے اور ایک خوشی اللہ سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔"

افطار ویسے تو رمضان میں روزانہ ہوتا ہے اور اس پر جو خوشی ہوتی ہے اس کا ہم مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اور جس طرح افطار کے وقت کا ہر ایک کو انتظار رہتا ہے، اسی طرح ہر ایک کی خوشی بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک افطار چاند رات کو ہوتا ہے جس کی اگلی صبح کو عید الفطر کہتے ہیں۔ عید الفطر کو فطر کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان اپنے روزوں کو کھول لیتا ہے اور اس دن اس خوشی میں عید مناتا ہے۔اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں عید کے دن روزہ رکھوں گا تو اسے روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ عید کی خوشی اللہ نے ایسے لازم کردی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں عید نہیں مناتا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔

یاد رکھیں! کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں نئے کپڑے نہیں پہنوں گا جیسا کہ آج کل اس بات کا رواج ہے کہ اگر کسی خاندان میں کوئی شخص فوت ہوجائے تو وہاں کے لوگ نہ عید مناتے ہیں اور نہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں یاد رکھیں! کہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ عید منانے یا نہ منانے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں، آپ تو اللہ کے بندے ہیں جب اللہ کا حکم ہے کہ عید مناؤ تو پھر آپ کو حکم کی تعمیل میں عید منانی چاہئے اور بہتر سے بہتر جو کپڑے آپ کے پاس موجود ہوں، انہیں

پہنیں، خوشبو لگائیں، اجتماعی طور پر نماز عید میں حاضر ہوں اور عید کی نماز ادا کریں۔ اپنے عزیز و اقارب سے ملیں اور فقراء میں صدقہ فطر تقسیم کریں اور کوئی میٹھی چیز بھی نماز عید کو جاتے ہوئے کھا لینی چاہئے۔

لیکن عید منانے کا انداز بھی ہر ایک کا مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ حد اعتدال سے بہت تجاوز کر جاتے ہیں جیسے بعض لوگ عید کے منانے میں بے شمار رقم خرچ کر ڈالتے ہیں، اور کچھ لوگ بالکل ہی عید نہیں مناتے خواہ وہ کسی کے مرگ کے سوگ میں ہوں یا کوئی اور وجہ ہو۔ ایسے لوگ بیجا افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، جبکہ اسلام افراط و تفریط کا نام نہیں، بلکہ اسلام تو اعتدال اور درمیانی راہ کا نام ہے۔

رہا سوگ کا مسئلہ تو یاد رکھیں! کہ شریعت میں میت پر سوگ منانے کی اجازت صرف تین دن ہے اور بس۔ اس کے بعد سوگ منانا جائز نہیں۔ بہر حال مستقل طور پر افطار لیلۃ العید میں ہوتا ہے اور پھر عید کا پورا دن افطار کا ہوتا ہے اور لیلۃ العید کے افطار میں انسان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ رمضان کے فرائض ختم ہو گئے، رمضان کی ذمہ داریوں سے ہم عہدہ برا ہو گئے اور کھانے پینے کی پابندیاں بھی ہم سے ختم کر دی گئیں، اس کی خوشی میں انسان آئندہ آنے والے دن جشن اور خوشی مناتا ہے۔ اور یہ خوشی ایسی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہر رمضان میں افطار کے وقت بحمد اللہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خوشی روزہ دار کو اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت بھی حاصل ہو گی اور احادیث میں اس منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے جس کا مجموعہ میں آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کے دن حساب کتاب ہو جائے گا تو لوگوں کو پل صراط پر لایا جائے گا تا کہ وہ اس پر سے ہو کر گزریں چنانچہ جب لوگ پل صراط پر سے گذریں گے تو کچھ تو ایسے ہوں گے جو اس سے زخمی ہو کر پار ہوں گے اور کچھ لوگ اس طرح گرتے پڑتے پل صراط سے پار ہوں گے کہ ان کو اس میں پانچ سو سال کا عرصہ لگ جائے گا اور کچھ لوگ بجلی کی سی تیزی سے پل صراط سے پار ہو جائیں گے، کچھ لوگ پرندوں کی طرح اڑ کر پار ہو جائیں گے، کچھ لوگ تیز رفتار گھوڑے کی طرح پار ہو جائیں گے، کچھ لوگ انسانوں کی طرح دوڑ کر پار ہو جائیں گے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو پیدل چلنے والوں کی طرح پار ہوں گے اور جس کو جہنم میں گرنا ہو گا وہ اس میں گر جائے گا، اور خدا کی بیشتر مخلوق جہنم ہی میں گر جائے گی۔

پل صراط کے دونوں طرف جہنم ہے اس طرح کے لوہے کے آنکڑے ہوں گے جیسے تنور میں ڈالنے کیلئے لوہا ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بد سلوکی کر کے ان کی حق تلفی کی ہو گی یا والدین کی نافرمانی کی ہو گی تو جب یہ اس کے

اوپر سے گذریں گے تو وہ آنکڑے جہنم سے نکل کر ان کو زخمی کریں گے۔اور اگر کسی نے بہت زیادہ حق تلفی کی ہو گی تو اسے کھینچ کر جہنم میں لیجائیں گے۔ بہر حال ہر انسان کا اعمال کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

جہنم کے نیچے سے چیخ و پکار کی آواز میں آ رہی ہوں گی اور شور و غل ہو رہا ہو گا اور جہنم کی بد بو اس قدر شدید ہو گی کہ سینکڑوں میل اور سالہا سال کی مسافت سے محسوس ہو گی اور اس کی تمازت اور لپٹ ایسی خطرناک ہو گی کہ حدیث میں آتا ہے کہ میدان حساب میں پکارا جائے گا کہ ایسے شخص کو بلایا جائے جس نے دنیا میں سب سے زیادہ راحت کی زندگی گزاری ہو جب وہ بلایا جائے گا تو فرشتوں کو حکم ہو گا کہ جاؤ اور اسے جہنم کے اوپر سے ایک چکر لگوالاؤ چنانچہ حکم کی تعمیل کی جائے گی اور اس کو چکر لگوادیا جائے گا۔جب وہ شخص واپس آئے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ بتا تو نے دنیا میں کیسی زندگی گزاری؟ کیا تو نے کبھی راحت بھی پائی؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! مجھے تو راحت کے معنی ہی یاد نہیں رہے۔کیونکہ میں نے یہ جو ایک مرتبہ جہنم کو دیکھا ہے۔صرف اس کو دیکھ کر ہی میں ساری راحتوں کو بھول گیا ہوں اور یہ تصور بھی نہیں رہا کہ راحت کیسی ہوتی ہے اور اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

بہر حال جو خوش نصیب پل صراط سے پار ہو جائیں گے۔وہ جونہی جنت کے دروازے پر پہنچیں گے، تو سرور کونین، تاجدار دوعالم، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کو پائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کا استقبال فرمائیں گے اور ان کو اپنے دست مبارک سے حوض کوثر کا پانی پلائیں گے اور پل صراط سے پار ہونے کے بعد یہ پہلا موقع ہو گا کہ جنتی تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صحابہ کرام کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ نیکی کے فلاں فلاں کام کرتے رہنا اس پر جینا اور اس پر مرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ سے حوض کوثر پر ملنے کی جگہ اور وقت طے کئے اور تمام مومنین سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں جو لوگ میرے پیروکار ہوں گے، میرے دین کے مطابق زندگی گزارتے ہوں گے اور گناہ ہو جانے پر توبہ استغفار کر لیتے ہوں گے وہ بھی متقیوں میں شمار ہوں گے اور ان سے بھی میری ملاقات حوض کوثر پر ہو گی۔

اور یہ ملاقات ایسی پیار بھری ہو گی کہ تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے پاک جام عطا فرمائیں گے اور یہ پانی ایسا عجیب وغریب ہو گا کہ جس کے پینے کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی اور نہ ہی کسی کو پیاس لگے گی۔

حدیث میں آتا ہے کہ حوض کوثرا تنا بڑا ہے کہ بیت المقدس سے لیکر عدن تک کے فاصلے جتنا بڑا ہے۔ اور اتنی ہی اس کی لمبائی اور چوڑائی ہے اور اس کے اوپر پانی پینے کیلئے جو گلاس رکھے ہوئے ہیں وہ تعداد میں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں اور حوض کوثر میں جو پانی آرہا ہے وہ دو پر نالوں کے ذریعے سے آرہا ہے جو جنت سے آتے ہیں۔

غرضیکہ جب لوگ حوض کوثر پر جمع ہو جائیں گے اور جنت میں داخلہ کا وقت آئے گا تو اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وانا اول من يقرع باب الجنة

میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام سابقین انبیاء کی امتوں سے آگے ہو گی اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس امت کے پیچھے ہوں گی اور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے بھی آگے ہوں گے اور جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں جنت کی چابی ہو گی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کو کھول کر اس میں اپنی امت کو داخل فرمائیں گے۔ جب لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہاں ان کو عجیب و غریب نعمتیں دیکھنے میں ملیں گی اور قرآن حکیم کا وہ وعدہ پورا ہو گا جس کو ایک حدیث قدسی میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

اعددت لعبادي الصالحين مالا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر

"میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر اس کا گمان بھی گذرا۔"

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پھر سب سے آخر میں اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس شخص کا واقعہ یہ ہو گا کہ جب اس شخص کو جہنم سے نکالا جائے گا تو کافی عرصے تک زخموں سے چور پڑا رہے گا حتی کہ جب اسے ہوش آئے گا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ اے پروردگار! میرا رخ جہنم سے موڑ کر جنت کی طرف کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ اچھا اور تو کچھ نہیں مانگو گے؟ وہ عرض کرے گا نہیں! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ تو اس کا چہرہ جہنم سے پھیر کر جنت کی طرف کر دیا جائے گا۔ وہ شخص کچھ سکون محسوس کر کے بہت دیر پڑا رہے گا پھر سامنے ایک بڑا سایہ دار اور ایک خوش نما درخت دکھائی دے گا جس کو دیکھ کر اس شخص کو بڑا لالچ آئے گا مگر اللہ تعالیٰ

سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد ہو گا۔ بالآخر سوچتے سوچتے وہ شخص یہ دعا کرے گا کہ اے میرے پروردگار! اس درخت کی خوبصورتی کو دیکھ کر مجھے چین نہیں آرہا اوپر سے دوزخ کی گرمی اور بدبو اس پریشانی میں مزید اضافہ کر رہی ہے اے رب! تو مجھے وہیں پہنچادے۔ اللہ تعالی اس سے پوچھیں گے کہ اچھا تو اور کچھ تو نہیں مانگے گا وہ پکا وعدہ کرے گا کہ نہیں میں کچھ اور نہیں مانگوں گا۔ غرضیکہ قول وقرار کے بعد اللہ تعالیٰ اسے وہاں پہنچادیں گے جب یہ شخص وہاں پہنچ جائے گا تو بہت خوش ہو گا پھر اچانک جو اس کی نگاہ اٹھے گی تو اسے اپنے سامنے ایک بہت ہی عظیم الشان درخت نظر آئے گا اب یہ گریہ وزاری کرے گا۔

غرض اسی طرح بار بار عہد کر کے اور ہر عہد کو توڑتا ہوا جب اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے آخری درخت پر پہنچے گا تو اسے جنت اور اس کے عجیب وغریب مناظر نظر آئیں گے جن کو دیکھ کر یہ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! یہ سب لوگ تو عیش کر رہے ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں تو مجھے بھی وہاں پہنچادے۔ اللہ تعالی فرمائیں گے تو کیسا بندہ ہے بار بار وعدہ کرتا ہے اور پھر عہد شکنی کرتا ہے۔ یہ شخص عرض کرے گا کہ اے اللہ بس اس جنت میں داخل فرمادے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا اللہ تعالیٰ اس کی اس فرمائش کو بھی پورا فرمائیں گے اور اسے جنت میں داخل کرنے سے پہلے آب حیات میں نہلا یا جائے گا تا کہ اس کے جسم پر نیا گوشت چڑھ جائے پھر ان کے بعد اسے پورا جوان بنا کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اب جب یہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو عرض کرے گا کہ اے پروردگار! جنت میں سب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں پر قبضے کر رکھے ہیں۔ جنت بھر چکی ہے، اب اس میں میرے لئے کہاں جگہ بچی ہو گی؟ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتا تجھے کتنی جگہ چاہیے؟ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے دنیا کے کسی بادشاہ کے ملک کے برابر ملک دے دیا جائے؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! اگر ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو۔ اللہ تعالی پوچھیں گے اس سے زیادہ تو جگہ نہیں چاہیے؟ وہ عرض کرے گا کہ نہیں! اللہ تعالی فرمائیں گے کہ اچھی طرح سوچ کر بتا تجھے کتنی جگہ چاہیے۔ کیا ایک دنیا کے برابر چاہئے؟ اب یہ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! شاید آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں حالانکہ آپ تو رحمن ورحیم ہیں اللہ جل شانہ یہ سن کر ہنسیں گے اور فرمائیں گے کہ تو ایک دنیا کے برابر جگہ پر تعجب کرتا ہے، جا میں نے تجھے دس دنیاؤں کے برابر جنت میں جگہ عطا فرمادی۔

حدیث کے اس حصے کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنسنے لگے پھر صحابہ کرام سے لیکر یہ حدیث ہم تک پہنچی تو جو بھی اس حدیث کو بیان کرتا ہے وہ ہنستا ضرور ہے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو "مسلسل بالضحک" کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے جنت کی وسعت اور اللہ جل شانہ کی رحمت کا اندازہ لگائیں کہ سب سے زیادہ گنہگار اور ادنی درجہ کے جنتی کو جنت میں دس دنیاؤں کے برابر جگہ عطا کی جائے گی۔

اب آپ یہ سوچیں گے کہ وہ اکیلا بندہ اتنی بڑی زمین میں کیا کرے گا؟ یاد رکھیں! کہ جنت غیر آباد نہیں ہے اور نہ ہی اس میں صحرا اور ویرانے ہیں وہ اتنی سرسبز و شاداب اور اتنی آباد جگہ ہے کہ وہاں انسان ہر وقت نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہے گا اور ہر شخص اپنے علاقے پر حکومت کرے گا اور اس کی حکومت ایسی عظیم الشان ہوگی کہ اس کی رعیت اس کے حکم کے خلاف ورزی نہیں کرسکے گی، حوریں اور غلمان (خوبصورت لڑکے) اس کے خادم ہوں گے قرآن کریم میں ہے کہ اور وہ جنت ایسی ہوگی کہ:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَاتَدْعُونَ نُزُلًا مِّن غَفُورٍ رَّحِيم (سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۳۲ – ۳۱)

"اور تمہیں اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا ملے گی اور اس میں تمہارے لئے جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور ورحیم کی طرف سے"

اور اللہ تعالی نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔

وإذا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ(سورہ یسین آیت نمبر ۸۲)

"جب وہ (اللہ تعالی) کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہوجا" تو وہ ہوجاتی ہے۔"

یہی شان اللہ جل شانہ جنتی کو عطا فرمادیگا اور جو جنتی کسی کام کو کہے گا کہ ہوجا تو وہ ہوجائے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک جنتی کو یہ خیال آئے گا کہ میں دنیا میں کھیتی باڑی کیا کرتا تھا جس سے مجھے بہت مزہ آتا تھا۔ اللہ تعالی اس سے پوچھیں گے کہ کیا تیرا دل کھیتی باڑی کرنے کو چاہتا ہے؟ وہ عرض کرے گا ہاں! دل تو چاہتا ہے، تو اللہ تعالی فرمائیں گے اچھا تمہیں اجازت ہے چنانچہ وہ بیج ڈالے گا تو اسی لمحے کھیتی اگ جائے گی اسی لمحے پک جائے گی اور اسی لمحے کٹ جائے اسی لمحے کٹ جائے گی۔ غرضیکہ جس چیز کی خواہش ہوگی وہ ملے گی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک بدو آدمی نے آکر کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا جنت میں اونٹ بھی ہوں گے؟ کیونکہ ان لوگوں کو اونٹوں سے بڑی محبت ہوتی تھی لیکن اونت گندگی بہت پھیلاتے ہیں اور جنت ایسی جگہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو پیشاب اور پائخانہ کی حاجت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی وہاں کسی قسم کی گندگی ہوگی اور جو غذا بھی کھائیں پئیں گے وہ ڈکار کے ذریعے ہضم ہوجائے گی، یا خوشبودار عرق گلاب کی طرح پسینہ کے ذریعے خارج ہوجائے گی۔ وہاں بڑھاپا نہیں

ہو گا۔ بلکہ بوڑھے جوان کر کے ۳۳سال کی عمر میں جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ نہ وہاں داڑھی مونچھ ہو گی، نہ وہاں تکان ہو گی اور نہ ہی کسی کو نیند آئے گی کیونکہ نیند تو مکان سے آتی ہے، وہاں رات ہی نہیں ہو گی وہاں ایسی عیش ہو گی کہ انسان اس سے کبھی نہیں اکتائے گا، وہاں تمام جنسی لذتیں بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔ لوگ سوچتے ہیں کہ ممکن ہے وہاں جا کر جنسی خواہشات اور لذتیں ہی ختم ہو جائیں تو پھر حوروں کا کیا کیا جائے گا؟ یاد رکھیں! وہاں ایسی بات نہیں ہے بلکہ وہاں تو ہر چیز کی تاثیر اور لذت کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی جسمانی قوت بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنتی آدمی کو اتنے بڑے بڑے علاقے دیئے جائیں گے کہ جب وہ گھومنے جائے گا تو دیکھے گا کہ مختلف درختوں پر طرح طرح کے پھل لگے ہوئے ہیں۔ ایک بیر کے درخت کو دیکھے گا اور اس کا ایک ایک بیر گھڑے کے برابر ہو گا۔ جنت میں جنتیوں کا قد و قامت بڑھا کر حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے برابر کر دیا جائے گا اور حدیث کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ذراع (ساٹھ ہاتھ) تھا۔ اب وہ جنتی اپنے اس قد و قامت کے ساتھ ایک شاخ سے ایک بیر کو توڑے گا اور اس کے دو ٹکڑے کرے گا تاکہ اسے کھائے جب وہ اسے دو ٹکڑے کریگا تو اس میں سے ایک حور نکلے گی اور یہ حور ایسی خوبصورت ہو گی کہ اس شخص کے پاس جتنی بھی حوریں ہونگی یہ ان سب سے زیادہ خوبصورت ہو گی۔

جنت کے ایک درخت کا نام طوبیٰ ہے۔ ہر جنتی کے گھر میں اس کی شاخیں پہنچی ہوئی ہوں گی اور وقفے وقفے سے جنت کی خاص قسم کی خوشبودار ہوائیں چلیں گی اور جب یہ ہوائیں چلیں گی تو درخت کے پتوں میں عجیب و غریب قسم کی حرکت ہو گی جس سے ایک ساز اور موسیقی کی آواز پیدا ہو گی اور وہ ایسی موسیقی ہو گی کہ کبھی کسی کان نے ایسی لذیذ موسیقی نہیں سنی ہو گی اور یہ انہیں لوگوں کو نصیب ہو گی جو دنیا کی موسیقی سے اپنے کانوں کو بند رکھتے ہیں۔

زندگی کا ہر لمحہ نئی سے نئی لذتوں اور مسرتوں کے ساتھ گزرتا رہے گا۔ ایک دن اعلان ہو گا کہ آج جشن منایا جا رہا ہے۔ تمام جنتیوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کیا جائے گا اور ہر ایک اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھ جائے گا جس میں عام مسلمانوں کو مشک، عنبر، زمرد اور یاقوت کے نہایت حسین و دلفریب ٹیلوں پر جگہ دی جائے گی اور اوپر کے درجوں کے جنتیوں کو ان کے مراتب اور درجات کے مطابق شاندار کرسیوں پر جگہ ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ آپ اپنے مخصوص لہجے میں زبور سنایئے، جب حضرت داؤد علیہ السلام پڑھیں گے تو پوری مجلس پر ایک عجیب کیف طاری ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش کی طرح ہلکا سا خوشبو کا ایک خاص چھڑکاؤ ہو گا ایسی خوشبو کو اہل جنت نے اس سے پہلے کبھی استعمال نہ

کیا ہو گا، پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ تم اپنا نغمہ سناؤ چنانچہ وہ اپنا نغمہ سنائیں گے جس کو سن کر اہل جنت مبہوت ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالی پوچھیں گے کہ اے میرے بندو! میں نے تمہیں جنت دینے کا وعدہ کیا تھا، جنت میں جن نعمتوں کا میں نے وعدہ کیا تھا کیا وہ سب نعمتیں تمہیں مل گئیں؟ تمام اہل جنت پکار اٹھیں گے کہ یا اللہ! آپ نے ہمیں سب کچھ دیدیا، پھر اعلان ہو گا کہ اچھی طرح سوچو کوئی نعمت رہ تو نہیں گئی؟ جنتی عرض کریں گے کہ اے پرودرگار تو نے ہمیں سب کچھ عطا فرمادیا ہے اب کچھ باقی نہیں رہا۔ پھر جب بار بار یہی اعلان ہو گا تو یہ آپس میں سوچیں گے کہ ایسی کون سی چیز رہ گئی ہے۔ جس کے بارے میں بار بار پوچھا جارہا ہے؟ تو یہ لوگ علماء سے رجوع کریں گے اور پوچھیں گے، علماء کہیں گے کہ ایک نعمت رہ گئی ہے جو ابھی تک تمہیں حاصل نہیں ہوئی۔ وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں اپنا دیدار کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نعمت کی درخواست کرو۔

اب یہ مومنین خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور درخواست کریں گے کہ اے پرودگار! آپ نے ہمیں اپنی سب نعمتیں عطا کردیں اب اپنا دیدار بھی کروادیجئے پھر اللہ جل شانہ براہ راست اپنا دیدار کرائیں گے اور حدیث میں آتا ہے کہ تمام اہل جنت اللہ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کریں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ان آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیسے کریں گئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو، جب آسمان بالکل صاف ہو اور بادل نہ ہوں؟ کیا اس کو دیکھنے میں کوئی مخلص دوسرے کے لئے رکاوٹ بنتا ہے یا اس کو دیکھنے میں کسی کو تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے پرودرگار کا بھی اسی طرح دیدار کروگے جیسے تم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو۔ اور اس دیدار کی ایسی لذت ہو گی کہ اس کے آگے تمام لذتیں ہیچ ہو جائیں گی اور تمام اہل جنت اس دیدار میں مست ہو جائیں گے اور اس نعمت کو تمام نعمتوں سے بڑھ کر محسوس کریں گے۔

یہ جمعہ کا دن ہو گا لیکن جب وہ یہاں سے واپس ہونے لگیں گے تو فکر مند ہوں گے کہ آئندہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے ہو گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کر کے یہ عظیم خوشخبری دی جائے گی کہ ہر جمعہ کو ایسا ہی اجتماع ہوا کرے گا اور تم ہمارے دیدار سے مشرف ہوا کروگے۔ یہ سن کر خوشی کی انتہاء نہیں رہے گی۔ جنتی خوش و خرم اپنے گھروں کو لوٹیں گے تو راستہ میں ایک میلہ لگا ہوا دیکھیں گے جو عجیب و غریب اور تصورات سے بالاتر ہو گا، یہاں انسانوں کی شکلیں ہوں گی اور جنتیوں کو ایسی قدرت دی جائے گی کہ اگر وہ اپنی صورت بدلنا چاہیں تو بدل لیں اور جس قالب میں اپنے آپ کو چاہیں گے، ڈھال لیں گے۔ اور جب یہ اپنے گھروں کو واپس ہوں گے تو ان کی بیوی اور حوریں ان سے پوچھیں گی کہ اب تو آپ کا حسن و جمال بہت ہی بڑھ گیا ہے۔ یہ

کیسے ہوا؟ تو وہ کہیں گے کہ آج ہم اپنے پروردگار کا دیدار کر کے آئیں ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارے حسن و جمال میں یہ اضافہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرمائے اور اپنے اس دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

مراقبہ موت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ موت کا مراقبہ کیا کرو۔ موت کے مراقبے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی موت کا تصور جمایا کرو، اس کا طریقہ بھی ذکر فرمایا۔ وہ یہ کہ روزانہ کسی وقت (مثلارات کو لیٹتے وقت یا صبح اٹھنے کے وقت یا بیچ کسی فرصت کے وقت) دو چار منٹ اپنی موت کا تصور کیا کرو۔ (تین چار منٹ بھی بہت ہیں، اس لئے کہ تصور کی رفتار بہت تیز ہے۔ اس کے برابر کوئی رفتار ابھی تک دریافت ہی نہیں ہوئی، روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے) اور تصور اس طرح کرو کہ یہ سوچو کہ ایک وقت ایسا آنے والا جب میری موت قریب ہو گی، میرے رشتے دار، عزیز و اقارب، بہن بھائی، ماں باپ، بیوی بچے میری زندگی سے مایوس ہو چکے ہوں گے۔ اور وہ بے کسی کے عالم میں مجھے دیکھ کر رو رہے ہوں گے۔ اسی حالت میں میری روح نکال لی جائے گی۔ ملک الموت میری روح میرے جسم کے ریشے ریشے سے نکالیں گے۔ پورے گھر میں ایک سوگ ہو گا۔ لوگوں کو اطلاع دی جائے گی۔ نہلانے والے غسل دیں گے۔ پھر کفن دیا جائے گا۔ کفن میں لپیٹ کر میرا جنازہ اٹھایا جائے گا۔ جس طرح اب تک میں دوسرے جنازوں کو کندھے دیتا رہا ہوں، اسی طرح آج دوسرے لوگ میرے جنازے کو بھی کندھا دے رہے ہوں گے۔ میرے بھائی، میرے والد، میرے بیٹے، میرے دوست، میرے عزیز و قریب سب مجھے کندھوں پر لے جا رہے ہوں گے۔ نماز جنازہ ہو گی۔ پھر مجھے اس گڑھے میں لے جایا جائے گا جو میرے انتظار میں ہے۔ وہاں نہ روشنی ہے اور نہ کوئی گدا، نہ تکیہ ہے اور نہ کوئی ساتھی ہے اور نہ ہی کھانے پینے کا سامان ہے۔ وہ مجھے لٹا کر اور منوں مٹی میرے اوپر ڈال کر واپس چلے آئیں گے۔ اس کے بعد میں ہوں گا، میری قبر ہو گی اور میرا عمل ہو گا۔ جیسا میرا عمل ہو گا، ویسے ہی وہ قبر میرے لئے ہو جائے گی۔ اگر ہم روزانہ یہ مراقبہ کرنے لگیں (اور یہ صرف دو تین منٹ کا عمل ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بھی تعمیر ہو جائے گی کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور چند ہی دنوں میں آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آ رہی ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی قبر کی تیاری اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(اصلاحی تقریریں جلد 5 صفحہ 37)

خدمت خلق اور سفارش کے فضائل

بتاریخ اپریل 2004 جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی

خطبہ مسنونہ

الحمد لله نحمده و نستعينه، و نستغفره و نومن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادي له و نشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و سندنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله و صحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً

اما بعد:

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولايسلمه من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته (بخارى ، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، رقم الحديث: ٢٣١ ، مسلم ، باب تحريم الظلم ، رقم الحديث: (٢٥٨٠)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

آج سے ہم جن ابواب کو شروع کر رہے ہیں ان میں یہ بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو آپس میں کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ ان میں سے پہلے باب کا عنوان ہے دوسرے مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کرنا۔اس سلسلے میں علامہ نووی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی، جو اوپر بیان ہوئی اس کا ترجمہ یہ ہے:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے بے یار و مدد گار نہیں چھوڑتا (یا اسے دشمنوں کے حوالے نہیں کرتا) اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔"

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے۔ ہم تھوڑی سی کوشش کر کے اس فضیلت کو حاصل کر سکتے ہیں۔اور اس کے حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک عالم دین ہے جو دن رات دین کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔اپنا ذاتی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ کسی کو مسئلہ بتادیا، کسی کو سبق پڑھادیا، کہیں جا کر تقریر کر دی۔ کہیں نماز جنازہ پڑھادی وغیرہ یہ شخص بھی اپنے بھائیوں کے کام میں لگا ہوا ہے بلکہ دوسروں کے مقابلے میں عظیم الشان کام ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کی دینی حاجتیں پورا کرنے میں لگا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ایسے آدمی کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

آپ دیکھیں گے تو ایسے بہت سے علماءاور صالحین ملیں گے جن کی ظاہری آمدنی بہت تھوڑی سی ہے۔ کسی مدرسے میں پڑھاتے ہیں یا مسجد میں امامت وخطابت ہے۔وہاں سے معمولی تنخواہ مل جاتی ہے لیکن ان کے اندر اخلاص وقناعت پائی جاتی ہے۔ اور وہ محض اللہ کی رضا کیلئے دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ڈیوٹی کے اوقات کی تو تنخواہ مل جاتی ہے۔ لیکن باقی کاموں کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں، مفت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

آپ کو ان کی معاشی حالت ایسے بہت سے لوگوں سے زیادہ بہتر نظر آئے گی، جن کو اس سے دگنی تنخواہ ملتی ہے۔ان کاموں میں لگنے والے خود بھی اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ہوتا یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ایسے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں کہ ان کی معاشی حالت بہتر رہتی ہے۔اول تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ دوسرا آدمی جو کام ایک ہزار میں کرتا ہے، اس کا یہ کام سو میں ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ بعض مرتبہ دوسرے ذرائع آمدنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً تجارت کا کوئی ذریعہ بن گیا۔ کہیں سے ہدیہ تحفہ مل گیا وغیرہ۔

آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں تو معمولی سی تنخواہ پر کام کر رہا ہوں۔ ملازمت کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسلمانوں کے کام مفت کر رہا ہوں۔ یاد رکھیئے! اللہ میاں کسی سے مفت کام نہیں لیتے۔اس کا معاوضہ ضرور دیتے ہیں لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ ہم کہاں سے دے رہے ہیں اور کس کام کا معاوضہ دے رہے ہیں؟ ادھر آپ نے مسئلہ بتایا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاروبار میں اچھا سا گاہک بھیج دیا۔ اگر آپ مسئلہ بتانے کی فیس مقرر کرتے اور مسئلہ بتانے پر وہ فیس وصول کرتے ، اب مفت بتانے کی صورت میں وہ گاہک اس سے زیادہ پیسے دے کر جائے گا۔ یا کہیں سے تحفہ آجائے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہ بے لوث ہو کر خدمت خلق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے بہت سے طبیب دیکھے ہیں کہ چھوٹی سی دکان ہے، بہت زیادہ فرنیچر بھی اس میں نہیں ہے۔ سستی

سی دوا دیتے ہیں۔ طمع اور لالچ نہیں، بہت ذمہ داری سے علاج کرتے ہیں۔ صرف اتنے پیسے لیتے ہیں کہ گزارا ہوتا رہے۔ بنگلہ اور کار کی فکر نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے دل میں اس کی تمنا ہوتی ہے۔ ایسے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ مختلف ذریعوں سے دیتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی گزر بسر اچھی ہو جاتی ہے۔

ہمارے جاننے والے ایک حکیم صاحب تھے۔ جناب حکیم محمد مختار صاحب رحمہ اللہ علیہ۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں۔ مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ عرصہ نیوٹاؤن مدرسہ کے مہتمم رہے ہیں ان کے والد تھے۔ بڑے ماہر طبیب تھے۔ عام طور پر ہم ان سے علاج کرایا کرتے تھے۔ جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے دل کا سخت دورہ پڑا ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں انہیں داخل کیا گیا۔ کئی دن تک بے ہوش رہے۔ میرے اکلوتے بیٹے مولانا محمد زبیر صاحب جو اب دارالعلوم کے استاذ ہیں، اس وقت یہ بچے تھے۔ ان کو ٹائیفائیڈ تھا اور وہ بھی شدید۔ والد صاحب کو دورہ پڑنے سے ایک روز پہلے انہیں ایک سوچھ بخار تھا، بلکہ شاید دورہ پڑنے میں یہ پریشانی بھی شامل تھی۔

والد صاحب کے ہسپتال داخل ہونے کے بعد ہماری ساری توجہ اسی طرف لگ گئی۔ زبیر صاحب کے علاج کی طرف توجہ میں کمی آگئی۔ ان کا بخار لمبا ہوتا گیا یہاں تک دو مہینے تک ان کا بخار نہیں اترا۔ ایک دن ان کا حال یہ تھا کہ ہم انہیں آوازیں بھی دیں تو بولتے نہیں تھے۔ آنکھیں بھی نہیں کھولتے تھے۔ کیونکہ غذا بالکل بند کر رکھی تھی۔ ایک طبیب نے یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ غذا بالکل بند کر دیں اور دوا دیتے رہیں۔ تین ہفتے سے غذا نہیں مل رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں یہ کیفیت پیدا ہونی ہی تھی۔ اس وقت ہماری حالت بہت تشویش ناک ہو گئی۔ والد صاحب ہسپتال میں اور زبیر میاں کی یہ کیفیت۔ جمعہ کا دن تھا۔ طے ہوا کہ میں یہیں رہوں گا۔ جمعہ کے بعد مولانا تقی صاحب ہسپتال جائیں گے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آئیں گے۔ چنانچہ مولانا تقی صاحب جمعہ کے بعد گئے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ بچے کی حالت بہت خطرناک ہو چکی تھی۔ ان کے کہنے پر فوراً نرم غذا دی گئی جس سے زبیر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد انہوں نے باقاعدہ سے علاج شروع کر دیا پرہیز، علاج اور غذا کا صحیح استعمال کیا گیا جس سے حالت روز بروز بہتر ہوتی چلی گئی۔ ایسے معلوم ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی عطا فرمائی۔

انہی علاج کے دنوں میں جب کہ ابھی تک بخار ختم نہیں ہوا تھا اور مریض کی حالت نازک تھی۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے باہر آکر دیکھا تو حکیم مختار صاحب کھڑے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آج تہجد کے وقت گھر سے چلا تھا۔ (ان کا گھر ناظم آباد میں تھا) صدر میں آکر فجر کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے بس میں

بیٹھ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ خیریت تو ہے؟ فرمایا کہ رات آپ نے دوا لانے کے لئے آدمی بھیجا تھا۔ میں نے زبیر صاحب کے لئے جو دوا تیار کی تھی۔ آپ کا آدمی اسے لینے کے بجائے کسی اور مریض کی دوا اٹھا کر لے آیا۔ میں اس تشویش میں آیا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہ دوا اسے دے دیں۔ ان کی دوا یہ ہے (اور پھر وہ دوا میرے حوالے کر دی)۔

آپ اندازہ کیجئے! کیا آج کوئی طبیب ایسا ہے؟ آج کا ڈاکٹر تو یہی کہے گا کہ مریض مرتا ہے تو مرے اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور میری کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ غلطی ہمارے آدمی کی تھی لیکن معاملہ جان کا تھا، جس کے لئے انہوں نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

طبیب اور ڈاکٹر بھی اگر مسلمانوں کی خدمت کے خیال سے لگا رہتا ہے، صرف لالچ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں بھی پوری کرتا ہے۔ آخرت میں تو اس کو نوازیں گے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں روکتے نہیں ہیں۔ اس کی کارسازی کرتے رہتے ہیں۔ کر کے دیکھ لیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی خدمت کا جتنا بھی موقع مل جائے، خواہ دینی خدمت ہو یا دنیاوی، بہت بڑے اجر و ثواب کی بات بھی ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔

پھر دوسروں کی خدمت میں بھی درجہ درجے آنچ ہوتی ہے۔ دوسروں کی خدمت میں سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے، پھر بیوی بچوں کا ہے، پھر بہن بھائیوں کا ہے، پھر پڑوسیوں کا ہے، پھر دوسرے مسلمانوں کا اور پھر غیر مسلموں کا۔ غیر مسلموں کا حق بھی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بس جانور بن کر رہو۔ ان کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ نہ کرو۔ غیر مسلموں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے کیونکہ انسانی برادری میں وہ بھی شامل ہیں۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے:

و من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنھا کربۃً مِن کرب یوم القیمۃ

اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی بے چینی کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ (اس کے عوض میں) قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کسی بے چینی کو دور کرے گا۔"

بعض مرتبہ انسان کسی بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔ مثلاً سر میں درد ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، یہ بھی بے چینی ہے۔ اسی طرح کوئی بیمار ہے لیکن کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ یا کوئی ظالم اس پر ظلم کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنے بچاؤ کی طاقت

نہیں، جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ غرضیکہ جس طرح کی بھی بے چینی ہو، اگر کوئی مسلمان اس کی بے چینی کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔ اندازہ کیجئے کتنا عظیم الشان بدلہ ہے! دنیا کی بے چینی آخرت کی بے چینی کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ دنیا کی بے چینی عارضی اور معمولی جبکہ آخرت کی بے چینی دائمی اور بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ آج اگر کوئی شخص کسی کی یہ عارضی بے چینی دور کرے گا تو کل قیامت کے روز اس کا یہ عمل اس کے کام آئے گا اور اس کی ایک بہت بڑی بے چینی دور کی جائیگی۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

مَن يَسّرَ علَى مُعْسِرٍ يَسّرَ اللّٰہُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا والآخِرَةِ (صحيح مسلم، باب فضل الإجتماع على تلاوة، القرآن و على الذكر، رقم الحديث: ٢٦٩٩)

"جو شخص آسانی کرتا ہے کسی تنگدست پر (یا مشکل میں پھنسے ہوئے پر) تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

تنگدست پر آسانی کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص پر آپ کا قرض ہے۔ وہ غربت کی وجہ سے اسے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ آپ نے اس کو مہلت دے دی تو یہ اس کے لئے آسانی ہوئی۔ اس کا بدلہ آپ کو یہ ملے گا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے دنیا میں بھی آسانیاں پیدا فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔

"معسر" کے ایک معنی "مشکل میں پھنسے ہوئے" کے ہیں۔ مشکل میں مبتلا شخص کے لئے آسانی پیدا کرنے پر بھی یہی فضیلت ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی ملازم ہے۔ روزے کا دن ہے۔ گرمی کا سخت روزہ ہے۔ اس میں آپ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ ایسا سخت کام اس کے ذمہ نہ لگائیں جس کو برداشت کرنا اس کے لئے مشکل ہو۔ ان شاءاللہ، آپ کے لئے دنیا و آخرت میں آسانیاں ہوں گی۔

دوسروں کی خدمت کرنے کی ایک صورت "سفارش" ہے۔ سفارش کے بہت سے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

مَن يُشْفَعُ شَفَاعَةٌ حَسَنَةٌ تَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةٌ سَيِّنة يكن له كفل مِنْهَا كم والنساء،(٨٥)

جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بُری بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کی سفارش کی جائیگی۔اسی طرح کے نتائج ظاہر ہوں گے۔اگر آپ نے کسی اچھے شخص کی سفارش کی اور کہا کہ یہ بڑا نیک آدمی ہے،اپنے فن کا ماہر ہے،اسے آپ ملازم رکھ لیجئے یا کسی طالب علم کی سفارش کی کہ یہ بڑا اچھا طالب علم ہے،اسے اپنے مدرسہ میں داخلہ دے دیجئے اور واقعۃً ایسا ہے بھی، تو وہ جتنے اچھے کام کریگا اس میں آپ کا بھی حصہ ہوگا کیونکہ آپ اس کے ان نیک کاموں کا سبب بنے ہیں۔اور اس کے برعکس اگر آپ نے کسی غلط کام کی سفارش کر دی اور اس نے وہاں جاکر غلط کام کئے تو ان غلط کاموں میں آپ کا بھی حصہ لگے گا۔اس لئے سفارش کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔جتنی بات آپ کو معلوم ہے،اس سے زیادہ کے دعوے نہ کریں۔

اور سفارش سننے والے کیلئے یہ ہے کہ جس کی سفارش کی گئی،اگر وہ واقعہ اس منصب کا اہل ہے تو اس کی سفارش قبول کر لے لیکن اگر اس کی نظر میں کوئی اور شخص اس سے زیادہ اس منصب کا اہل ہے تو اسے چھوڑ کر سفارش والے آدمی کو لینا ناجائز ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص اپنی کسی حاجت کے لئے آتا تھا تو آپ اپنے ہم نشینوں کی طرف توجہ کرکے فرماتے:

إشفعوا توجروا ويقضى الله على لسان نبيه ما أحَبّ . (صحيح البخاری باب تحريض على الصدقة والشفاعة فيها ، رقم الحديث: (١٣٦٥)

تم سفارش کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہ فیصلہ کرائے گا جو پسند کرے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کرنے والے کی سفارش کے مطابق عمل نہ بھی ہو تو بھی اسے سفارش کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ آپ نے کسی مالدار آدمی سے غریب آدمی کی سفارش کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں یہ بے چارہ بہت غریب ہے، اگر آ اس کی مدد کریں گے تو بہت اچھا ہو گا لیکن اس نے مدد نہ کی تو پھر بھی آپ کو سفارش کا ثواب مل جائیگا۔

لیکن سفارش کے معاملے میں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت کے اندر سفارش کی حدود ہیں۔ سفارش کرنے کی تو اجازت ہے۔ لیکن سفارش پر اصرار کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو میں جانتا تھا کہ یہ بڑا اچھا مسلمان ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے کہا کہ میرے نزدیک یہ پکا مؤمن ہے، اسے بھی آپ کچھ دے دیجئے۔ ایک لفظ انہوں نے ایسا بولا تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی لیکن اسے کچھ دیا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر سفارش کی۔ آپ نے پھر اسی لفظ کی اصلاح کی اور اس بار بھی کچھ نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے پھر سفارش کی تو آپ نے فرمایا:

أ قتالاً یا سعد ! (صحیح مسلم ، باب اعطاء من یخاف علی ایمانہ رقم الحدیث(۱۰۵۸)

"اے سعد! کیا تم مجھ سے لڑائی کرو گئے"۔

مطلب یہ کہ کیا تم مجھ سے لڑائی کر کے زبردستی کا فیصلہ کراؤ گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس آپ سفارش لے کر جاتے ہیں، اس کی بھی تو اپنی کچھ مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، کچھ پابندیاں اور حدود ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہا ہے اور آپ آکر اصرار کر رہے ہیں کہ فلاں صاحب بہت اچھے ہیں، اسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ اسے ملازم رکھنے میں ادارے کی مصلحت نہ ہو کیونکہ ادارے کا سربراہ ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی سفارش پر اصرار کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ ایک آدمی کی تو خیر خواہی کر رہے ہیں لیکن دوسرے آدمی کو پریشان کر رہے ہیں۔

ہمارے والد ماجد اور ہمارے مرشد ڈاکٹر عبد الحئی عارفی صاحب دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی سفارش کے لئے آتا کہ فلاں افسر یا فلاں وزیر آپ کے معتقد ہیں۔ آپ ان سے سفارش کر دیں کہ میرے بیٹے کو ملازم رکھ لیں یا فلاں کام کر لیں۔ تو یہ حضرات اولاً تو عام طور پر حکام کے پاس سفارش نہیں کرتے تھے۔ بے تکلف افسر ہوتا تو سفارش کر دیتے لیکن اگر کسی افسر سے بے تکلفی نہ ہوتی تو اس کے پاس سفارش نہ بھیجتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آج کل سفارش بہت بدنام ہو چکی ہے۔ تو سفارش کرنے میں یہ خطرہ رہتا کہ وہ سوچے گا اچھا ہم نے مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھ لیا تھا یا ان کی مجلس میں جا کر بیٹھے تھے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہمارے پاس سفارش آنا شروع ہو گئی۔ اس طریقے سے وہ دینداروں کے پاس آنا ہی چھوڑ دیں گے جس سے دین کا نقصان ہو گا۔ اور بے تکلف افسروں کی طرف سفارش کرنے میں بھی اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح سفارشی رقعہ لکھتے تھے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حامل ہذا میرے دوست ہیں عزیز ہیں یا رشتہ دار ہیں (جو تعلق ہوتا وہ لکھتے) ان کی فلاں حاجت ہے ۔ اگر قانون کے خلاف نہ ہو اور آپ کی مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو اور ان کا یہ کام ہو گیا تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

کبھی سفارش کے اندر یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کام کر دیں بلکہ یوں فرماتے کہ اگر ان کا یہ کام ہو گیا تو بہت خوشی ہو گی تاکہ دوسرا شخص اس پر عمل کرنے میں تنگی محسوس نہ کرے۔

سفارش کا صحیح طریقہ بھی وہی ہے۔ جو ان بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس سے مخاطب پریشان نہیں ہوتا البتہ اس کی توجہ ایک مستحق شخص کی طرف دلا دی جاتی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی خدمت خلق کرنے اور سفارش کے صحیح اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا أنا لحمد للہ رب العالمین۔

پردہ پوشی

بتاریخ مئی 2004 جامعہ مسجد، دارالعلوم کراچی

بعد از خطبہ مسنونہ:

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: لا یستر عبد عبدا فی الدنیا الا سترہ اللہ یوم القیامة (مسلم باب بشارة من ستر اللہ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرة رقم الحدیث: **2590**)

بزگان محترم اور برادارن عزیز!

آج ہم جس بات کو شروع کر رہے ہیں، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلا عذر شرعی کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا جائز نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ نووی نے جو آیت ذکر کی اس کا ترجمہ یہ ہے:

"جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا" (سورۃ نساء آیت 85)

اور جو حدیث سب سے پہلے بیان ہوئی جسے میں نے خطبے میں پڑھا اس کا ترجمہ یہ ہے:

"نہیں پردہ پوشی کرتا کوئی بندہ کسی بندے کی مگر (اس کے بدلے) اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا"

اسلامی آداب اور تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھیں تو اسے چھپائیں، کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں بلکہ گناہ کرنے والے پر بھی ظاہر نہ ہونے دیں کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے ورنہ اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو شخص اس طرح دوسروں کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالی اس کا اجر اسے اس طرح دے گا کہ قیامت کے دن اس کے گناہ بھی کی بھی پردہ پوشی کرے گا۔ یعنی ان گناہوں کو معاف کردے گا اور کسی پر ظاہر بھی نہ کرے گا حتی کہ فرشتوں کے سامنے بھی ظاہر نہیں کرے گا۔

ہم میں سے ہر ایک اس بات کا محتاج ہے کہ ہمارے گناہ چھپے رہیں، ہم سب گنہگار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔ کسی کے کم ہیں، کسی کے زیادہ ہیں۔ کسی کے چھوٹے ہیں، کسی کے بڑے ہیں۔ لہذا ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کا راز راز ہی رہے۔ خدانخواستہ اگر سب کے راز کھل جائیں تو سب کے سب رسوا ہو جائیں گے۔ سب ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے چھوٹوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے شاگردوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے مریدوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے حتی کہ اپنے گھر والوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اگر آپ دوسروں کے عیب چھپا کر انہیں ذلت سے بچائیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کے عیب چھپائیں گے۔

شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنی ہیں اور وہ یہ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کے گھر میں چوری کر کے روپیہ پیسہ لوٹا ہے اور جس کی چوری ہوئی ہے، اسے معلوم نہیں کہ چوری کس نے کی ہے۔ اب اگر آپ چور کے عیب کو چھپائے رکھیں گے تو دوسرے شخص کا حق مارا جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے لیے اس کا جرم چھپانا جائز نہیں بلکہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے، اس پر اس جرم کو ظاہر کرنا واجب ہے، کیونکہ یہاں اگر آپ چور پر رحم کرتے ہوئے اس کے عیب کو چھپائیں گے تو ایک بے گناہ کے اوپر ظلم لازم آئے گا۔ جس شخص کی چوری ہوئی ہے، وہ اس معاملے میں بے گناہ اور مظلوم ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم مظلوم کی مدد کرو۔ یہاں مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے چور کے بارے میں بتلاؤ اور اگر ہو سکے تو پیسہ واپس دلوانے میں اس کا ساتھ دو۔

اسی سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص صرف پردہ پوشی والی روایت کا ترجمہ پڑھے گا تو اسے اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ اس سے کونسی صورت مستثنی ہے حالانکہ جو صورتیں مستثنی ہیں، وہ بھی کس دوسرے انسان نے مستثنی نہیں کیں بلکہ خود شریعت نے مستثنی کی ہیں کیونکہ شریعت نے مظلوم کی مدد کرنے اور بے گناہ کو حتی الامکان ظلم سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ لہذا جب دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا پردہ پوشی کا حکم عام نہیں اور ہر جگہ کے لیے نہیں بلکہ اس کے اندر استثنائی صورتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر دوسروے پر ظلم ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں اسے ظلم سے بچانے کے لیے مجرم کا عیب ظاہر کر دینا واجب ہے۔

اسی طرح اگر آپ کو معلوم ہے کہ فلاں آدمی نے یہ منصوبہ بنایا ہوا ہے کہ آج رات فلاں کے گھر میں ڈاکہ ڈالیں گے یا فلاں کو قتل کریں گے یا فلاں عمارت کو نقصان پہنچایں گے وغیرہ اور آپ کو اس منصوبے کا پیشگی علم ہو گیا تو آپ پر لازم ہے کہ

اس جرم کی اطلاع ان لوگوں کو دیں جو اس جرم کو روک سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کی اطلاع نہیں دیں گے تو یہ بھی ایک طرح کی مجرمین کے ساتھ مدد ہوگی۔

اصل حکم اور اس کی استثنائی صورتیں جاننے سے ہمیں ایک اور سبق حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ آج کل حدیث کی کتابوں کا اردو ترجمہ چھپ جاتا ہے۔ ان پر کسی عالم کی شرح نہیں لکھی ہوتی۔ خوب سمجھ لیجئیے! ہمارے بزرگ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ کسی مستند عالم کی شرح کے بغیر اگر صرف ترجمہ شائع کیا جائے گا تو اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہونگی۔ ایک حدیث پڑھیں گے، دوسری حدیث سامنے نہیں ہوگی۔ اور پھر اس کے ظاہری معنی پر عمل کریں گے جس کے نتیجے میں بعض گناہوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ احادیث کو سمجھنے کے لیے یا تو استاذ کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر مستند عالم دین کی لکھی ہوئی شرح کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ غلط فہمی کا شکار ہو کر آدمی کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اسی طرح بعض لوگ قرآن شریف کا صرف ترجمہ چھاپ دیتے ہیں۔ ہمارے بزرگ اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے ترجمے کے ساتھ اس کے مختصر حواشی اور تشریحی نوٹس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف ترجمہ چھاپا جائے تو اس کی مختصر تشریح سامنے نہ ہونے کی وجہ سے عام آدمی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جتنے ترجمے کئے، ان کے ساتھ ساتھ مختصر حاشیے بھی ضرور لکھے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض وہ لوگ جنہوں نے عربی زبان میں کس وجہ سے مہارت پیدا کرلی ہے مثلاً ایم اے عربی کیا ہے یا کسی عرب ملک میں برسوں رہے ہیں اور وہ عربی میں اچھا بول لیتے ہیں، اچھا لکھ لیتے ہیں لیکن باقاعدہ مستند علم دین نہیں، تفسیر اور حدیث کے اندر مہارت حاصل نہیں کی، ایسے لوگ بعض مرتبہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ درس قرآن دینا شروع کردیتے ہیں یا تفسیر لکھنا شروع کردیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی عام طور پر غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ بہت ہی سنگین غلطیاں کرڈالتے ہیں۔

محض کسی زبان سے واقفیت حاصل ہو جانے سے آدمی کسی علم کا ماہر نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثال سمجھیں مثلاً میڈیکل کی کوئی کتاب انگریز میں ہو۔ اور کوئی شخص انگریزی میں تو اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتا ہے لیکن اس نے باقاعدہ میڈیکل نہ پڑھی ہو۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے لوگوں کا علاج کرنے لگے یا میڈیکل کالج میں کر کہے کہ میں اس کالج میں لیکچر دے سکتا ہوں کیونکہ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور مجھے انگریزی خوب آتی ہے۔ ڈاکٹری کی کتاب لکھ سکتا ہوں اور ڈاکٹر کی فلاں کتاب کی شرح بھی لکھ

سکتا ہوں تو کوئی بھی اس کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا کرے گا تو خود بھی جہالت میں مبتلا ہوگا، دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا، کیونکہ صرف زبان جاننے سے کوئی آدمی کس فن کا ماہر نہیں ہو سکتا۔

آج کل یہ بھی ایک رواج ہو گیا ہے کہ ساری زندگی تو گزری تجارت اور ملازمت وغیرہ میں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے۔ اسمبلی کے رکن ہوئے، گورنر ہوئے، بعض لوگ وزیر اعظم بھی بن گئے، صدر بھی بن گئے ریٹائرڈ ہو گئے تو پتہ چلا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ رہے ہیں، اس کے نیچے اپنی طرف سے تفسیر لکھ رہے ہیں۔ بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے جنہیں عربی بھی نہیں آتی!

اگر ان سے کہا جائے کہ آپ یہ غلط کام کر رہے ہیں تو فوراً جواب ملتا ہے کہ کیا اسلام پر صرف علماء ہی کا راج ہے؟ اسلام تو ہم سب کا ہے تو جس طرح انہیں تفسیر لکھنے کا حق ہے، ہمیں بھی ہونا چاہیے۔

بلاشبہ، اسلام سب کا ہے، صرف مولویوں کا نہیں ہے لیکن تمہیں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی اجازت تو نہیں دی جا سکتی۔ اگر آپ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا علم تو حاصل کریں۔ خود سمجھ لیجئے! استاذ کے بغیر کوئی آدمی کسی فن کا ماہر نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر بننا چاہے یا انجنیئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجنیئر بننا چاہے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن کی تفاسیر اور تراجم کا مطالعہ کر کے آدمی کبھی مفسر نہیں بن سکتا۔ اس کے لیے باقاعدہ علم سیکھنا پڑے گا۔

یہاں تک اس حدیث سے متعلق گفتگو ہوئی جس میں ایک مسلمان کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرے، اگر کسی کو گناہ کرتا دیکھے تو اسے ظاہر نہ کرے۔ جس طرح دوسروں کو کسی کا گناہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے، اس طرح خود اس شخص کو بھی چاہیے کہ اپنے گناہ کا اظہار نہ کرے۔ شریعت میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

كل امتى معافى الا الجاهرين (صحيح بخارى باب ستر المومن على نفسه، رقم الحديث: 5721)

میری امت کے سب لوگوں کے گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں (ان کی معافی نہیں)

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی معافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو گناہ کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے یہ کہ یہ جرم علی الاعلان کیا۔ جو ایک طرح کا ڈھٹائی پن ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ہمیں اللہ تعالی کا ڈر نہیں ہے۔ ہم بے خوف ہیں۔ ہم جو چاہیں کریں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں (العیاذ باللہ) یہ جرم بہت سخت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جرم پر نہ شرمندہ ہے اور نہ ہی اسے وہ برا سمجھ رہا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالی کے مقابلے میں آرہا ہے۔

گناہ تو سب سے ہوتے ہیں لیکن گناہ کے بعد توبہ کر لینا اللہ تعالی کر بڑا پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کل بنی آدم خطاء و خیر الخطاءین التوابون (مستدرک علی الصحیحن، 4/272، رقم الحدیث: 7617)

"تمام انسان خطاکار ہیں لیکن سب سے اچھے خطاکار وہ ہیں جو سب سے زیادہ توبہ بھی کرتے رہتے ہیں"

اس لیے بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اس سے گناہ ہو جائے، فورا توبہ کر لے۔ لیکن جو بندہ اس گناہ کو علی الاعلان کرتا ہے، وہ اسے برا ہی نہیں سمجھتا تو وہ اس سے توبہ کہاں کرے گا؟ اس سے گناہ کی شدت میں کئ گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر خدانخواستہ کسی آدمی سے گناہ ہو جائے تو وہ اسے چھپالے، کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالی سے عرض کرتا رہے کہ یااللہ! اسے چھپالیجئے۔ مجھے ذلیل اور رسوانہ کیجئے۔

مجاہرہ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے کا ایک مطلب اسی حدیث کے اگلے حصے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ

و ان المجاهره ان يعمل الرجل بالليل عملا ثم يصبع و قد ستره الله الله عليه فيقول: يا فلان عملت البارحة كذا و كذا

علی الاعلان گناہ کرنے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے رات کو (چوری چھپے) کوئی گناہ کیا تھا (جس کی کسی کو خبر نہیں تھی) اللہ تعالی نے اس کو چھپا رکھا تھا لیکن جب وہ صبح کرتا ہے تو اپنے کسی دوست سے کہتا ہے کہ آج رات میں نے فلاں گناہ کیا تھا۔

یہ عمل بھی مجاہرۃ میں داخل ہے اور یہ بھی بہت بڑی جسارت اور بے شرمی کی بات ہے۔ اللہ تعالی نے تو اس کے گناہ کو چھپا رکھا تھا لیکن اس نے خود ہی اپنے گناہ کو ظاہر کر دیا۔ گویا اس نے خود اپنی پردہ دری کر دی۔ جو جس طرح دوسروں کے لیے اس کی پردہ دری کرنا جائز نہیں خود اس کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

اللہ پناہ میں رکھے، آج ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی داخل ہو چکی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد خود ہی اس کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور اظہار کرتے وقت ان پر ندامت کا ذرہ بھر اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی اس عیب سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ کی نافرمانی سے بڑا کوئی سفلی عمل نہیں

جب حرام عام ہو جاتا ہے تو بیماریاں اور مصیبتیں بھی عام ہو جاتی ہیں۔ ہم اصل سبب پر غور کرنے کی بجائے عاملوں کے پاس جاتے ہیں کہ کسی نے ہم پر سفلی عمل کر دیا ہے، اس کا توڑ کریں۔ حالانکہ سفلی عمل تو ہم نے خود اپنے اوپر کر رکھا ہے۔ خوب یاد رکھیئے کہ اللہ کی نافرمانی سے بڑا کوئی سفلی عمل نہیں کیونکہ اللہ کی نافرمانی ہی سے تو اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہوتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری سے اس کے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔

ٹھیک ہے، جادو گر بھی ہوتے ہیں، جنات کے اثرات بھی ہوتے ہیں، نظر بد بھی لگتی ہے، لیکن یہ تینوں چیزیں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اگر جادو گر نے آپ پر کوئی عمل کیا ہے تو از خود نہین کیا، اللہ تعالی نے اس جادو گر کو آپ پر مسلط کر دیا ہے۔ اور اگر کسی جن نے نقصان پہنچایا ہے تو اسے بھی اللہ نے مسلط کیا تا کہ وہ آپ کو سزا دے اور آپ کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔ لیکن ہم توبہ کرنے اور حرام مال چھوڑنے کی بجائے عاملوں کی طرف بھاگتے ہیں۔

(اصلاحی تقریریں جلد 6 صفحہ 38)

موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا

بمقام موریشس (جنوبی افریقہ)

بعد از خطبہ مسنونہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (ابن ماجہ رقم الحدیث، 224)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

ممکن ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہوں کہ میرا وعظ روایت اور رسمی قسم کا وعظ ہوگا لیکن میں رسمی قسم کی باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے بزرگوں نے مجھے یہ تعلم دی ہے کہ جب کہیں لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملے تو جہاں زخم ہو، وہاں مرہم لگاؤ، اور اس مقام پر مسلمانوں کی جو دینی ضرورتیں ہیں، ان کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاؤ۔

آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر اس میں ماریشس کو دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ پورے علم اسلام اور عرب ممالک سے بہت دور یہ ایک جزیرہ ہے جس کے اندر آپ آباد ہیں۔ جہاں علم دین ہے اور جہاں اسلام کی حکومت ہے، وہاں سے پ بہت دور دراز کے علاقے میں آباد ہیں، اس دور دراز علاقے میں اسلام مکہ اور مدینہ سے آیا تھا اور جن قربانیوں سے آیا تھا، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر بھی نظر رکھیں۔

براعظم افریقہ میں اسلام کا پیغام کس طرح پہنچا؟ اس کی طویل داستان ہے لیکن میں اس میں سے ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ براعظم افریقہ کے بعض ممالک میں تو حضرت عمر فاروق کے دور میں اسلام آگیا تھا لیکن اس کے بعد اسلام کے مجاہدین، مبلغین اور اسلام کے خدام، جو اس وقت صحابہ کرام تھے، اللہ کا پیغام لے کر افریقہ کے ممالک میں دور دارز تک بڑھتے چلے گئے، اسلام کی فتوحات کا پرچم گام بگام اور ملک در ملک لہراتے ہوئے لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش تک جا پہنچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی اور اسلی لشکر کے جرنیل حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ جب اپنا لشکر لے کر تیونس پہنچے ہیں تو اس وقت انھیں احساس ہوا کہ ہم اپنے مرکز سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

یہاں پہنچنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں ایک چھاؤنی قائم کر لینی چاہیے جہاں مجاہدین کو تربیت بھی دی جائے، سامان جہاد بھی جمع رکھا جائے اور مسلمانوں کی باحفاظت رہائش کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس چھاؤنی کے قائم کرنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا کہ اس کا محل وقوع صحت کے لیے بھی مفید ہو، حمل نقل بھی آسان ہو اور دشمن سے حفاظت بھی زیادہ بہتر انداز میں ہو سکے۔ لشکر میں موجود بعض مجاہدین جو اس قسم کے معاملات کے ماہر تھے، انہوں نے اس مقصد کے لیے ایک بڑے جنگل کا انتخاب کیا۔ لیکن وہ جنگل درندوں، بچھوؤں، سانپوں اور اژدھوں سے بھرا پڑا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع نے اللہ تعالی کے بھروسے پر اس جنگل میں چھاؤنی بنانے کا فیصلہ کیا۔

اسی علاقے کے نئے نئے مسلمانوں نے حضرت عقبہ بن نافع کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمدردی اور خیر خواہانہ طریقے سے درخواست کی کہ آپ یہاں چھاؤنی بنانے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ اس جنگل میں اتنے اژدھے اور درندے ہیں کہ مجاہدین کے لیے ایک دن بھی ٹھہرنا ممکن نہیں ہو گا اس لیے یہاں کے بجائے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے لیکن حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے جرنیلوں نے اس جگہ کو سب سے زیادہ موزوں قرار دیا ہے اور ہم اس جنگل میں اپنی ذاتی غرض کے لیے چھاؤنی قائم نہیں کر رہے بلکہ اللہ رب العالمین کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لیے نکلے ہوئے ہیں، لہذا یہ درندے ہمیں اس کام سے نہیں روک سکتے اور آؤ آج تم میرے ساتھ اس جنگل میں چلو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کا لشکر اور مقامی آبادی کے بعض مسلمانوں کو لے کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض کافر لوگ بھی تماشہ دیکھنے کے لیے ساتھ ہو گئے۔ اس جنگل کے قریب ایک ٹیلہ تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس ٹیلہ پر چڑھ گئے اور وہاں چڑھ کر خطاب شروع کیا۔ یہ خطاب انسانوں سے نہیں تھا بلکہ شیروں، اژدھوں اور خونخوار بھیڑیوں اور چیتوں سے تھا۔ آپ نے کہا:

"اے اس جنگل کے درندو! ہم بالکل جاہل تھے، اللہ نے ہمارے اندر اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا، اس نے ہم تک دین اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس رسول نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے اس پیغام کو دنیا کی طرف اطراف میں پہنچا دو۔ ہم اللہ کے رسول کے بھیجے ہوئے لشکر ہیں۔ مجاہدین اسلام اپنے وطنوں سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ ان کو یہاں ٹھہرنے کے لیے چھاؤنی بنانے کی ضرورت ہے، ہم اپنے اقتدار کے لیے نہیں، اپنی حکومت کے لیے نہیں، مال و دولت کے لیے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام

پہنچانے کے لیے نکلے ہیں۔ مجاہدین اسلام کا یہ لشکر تمہارا مہمان ہے، اس اسلامی لشکر کو تمہارے جنگل کی ضرورت ہے اور میں تم کو اللہ کے بھروسے پر یہ حکم دیتا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر اس جنگل کو خالی کر دو ورنہ اس کے بعد جو جانور بھی یہاں نظر آئے گا، قتل کر دیا جائے گا"

یہ خطاب کر کے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس ٹیلے سے نیچے اترنے نہیں پائے تھے کہ پورے جنگل میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ شیرنی اپنے بچوں کو سینے سے لپٹائے ہوئے بھاگی جا رہی تھی۔ ہاتھی اور ہتھنی اپنے خاندان کو لے کر دوڑ رہے تھے، سانپنی اپنی سپولوں کو لے کر تیز تیز نکل رہی تھی۔ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے بارہ گھنٹے کا نوٹس دیا تھا، جنگل چار گھنٹے میں خالی ہو گیا۔ لشکر اسلام وہاں ٹھہرا، وہاں ایک شہر تعمیر ہوا، آج بھی وہ شہر موجود ہے اس کا نام "قیروان" ہے۔ یہاں کی مشہور جامع مسجد کی تصویریں آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ الحمد للہ آج بھی افریقہ کے ممالک میں اسلام نظر آتا ہے وار یہاں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔

میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے آباء اجداد تھے جنہوں نے اتنی مصیبتیں جھیل جھیل کر جان کی بازیاں لگا لگا کر اور قربانیاں دے دے کر یہاں تک اسلام پہنچایا لیکن اس وقت ہمارے حالات جو میں دیکھ رہا ہوں، وہ خطرے کا الارم ہیں اور اس اندیشے کو پیدا کر رہے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ ہم اپنے اسلاف کی لائی ہوئی اس امانت کو اپنی نسلوں سے ناپید نہ کر دیں۔

مجھے یہاں دو چیزوں کے بارے خطرہ ہے۔ ایک یہ کہ میں یہاں یہ دیکھ رہاں ہوں کہ الحمد للہ، یہاں کے لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں لیکن یہاں کے عوام میں علم دین کی طرف کوئی توجہ وار دلچسپی نہیں ہے۔ اول تو یہاں مدرسے ہی بہت کم ہیں اور جو مدرسے قائم ہوئے ہیں، وہاں پڑھنے کے لیے بچے نہیں آتے۔ یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا اور اس ملک میں اعلی دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مدرسہ قائم نہ ہوا اور ابتدائی تعلیم کے مدرسوں میں ہمارے بچوں نے ناظرہ و حفظ اور ضروری دینی تعلیم حاصل نہ کی تو ایک یا دو نسلیں گزرنے کے بعد جو لوگ آئیں گے تو شاید انہیں یہ بھی نہ یاد رہے کہ ہمرائے آباؤ اجداد مسلمان تھے یا عیسائی، ہندو یا کمیونسٹ۔

اس پر مزید خطرناک صورتحال یہ ہے کہ اسلامی معلومات اور مسائل عربی اور اردو زبان کی کتابوں میں بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی عربی یا اردو جانتا ہو تو ان کا مطالعہ کر سکتا ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں عربی جاننے والے بھی نہیں ہیں اور اردو

جاننے والے بھی نہیں بلکہ گجراتی جاننے والے بھی اب نہیں رہے ان حالات میں اس نسل کے لیے اسلام کو سمجھنے اور جاننے کا کوئی ذریعہ مجھے نظر نہیں آرہا۔

اس پر ایک صورتحال اور خطرناک ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے، اس میں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ اس کے باوجود آپس میں پھوٹ، اختلاف اور افتراق ہے۔ کہیں دیوبندی اور بریلوی کے جھگڑے ہیں، کہیں مقلد اور غیر مقلد کی عصبیتیں ہیں، کہیں گجراتی اور بہاری کے درمیان کشمکش ہے، کہیں سیاسی پارٹی بندیاں ہیں۔ ان حالات میں بتلایئے کہ آپ نے آنے والی نسلوں کے لیے کیا سوچا؟

یہی وہ حالات تھے جو اسپین (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ وہاں اسلام کی عظمت کا پرچم تقریباً آٹھ سو سال تک لہراتا رہا اور اسلام کا اقتدار ایسا پھیلا ہوا تھا کہ تقریباً آدھا فرانس بھی ان کے زیر اقتدار تھا، یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں امیر المؤمنین کو پیشکش کرتی تھیں کہ ہماری بیٹیوں سے شادی کرلیں، لیکن جب وہاں کے مسلمانوں میں وہ حالات پیدا ہوئے جو میں اپنی آنکھوں سے ماریشس میں دیکھ رہا ہوں کہ علم دین سے دور، باہمی افتراق وانتشار، ان میں بربری اور اندلسی جھگڑے تھے، عصبیت تھی، عیش و عشرت تھی، مال ودولت کی فراوانی نے ان کو مدہوش کردیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کو فراموش کردیا، اللہ کی یاد سے غافل ہوئے تو اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اور اللہ کا عذاب ایسا آیا کہ آج پوری سرزمین اندلس پر ایک مسلمان وہاں کا مقامی نظر نہیں آتا۔ وہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی موجود ہے لیکن مسجد کے مینارے اور اس کی محراب "اللہ اکبر" کی آوازوں کے لئے ترس رہے ہیں۔ وہ اسپین جس کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، وہاں اذانیں خاموش ہوچکی ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ماریشس میں آپ کی نسلوں کے ساتھ وہ عمل نہ ہو اور یہاں وہ حالات پیدا نہ ہوں جو اسپین میں پیدا ہوگئے تھے تو آپ کو دو کام کرنے ناگزیر ہیں۔ اگر نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آکر رہے گا۔

۱۔ ایک علم دین کی طرف پوری توجہ

۲۔ دوسرے، اتحاد

بہتر تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرائیں لیکن اگر کسی کے اندر اتنی ہمت نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تو فیصلہ کرلیں کہ اپنا کوئی بچہ اور کوئی بچی ایسی نہیں چھوڑیں گے جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے والا نہ ہو اور دین کے ضروری مسائل جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور طہارت وغیرہ کے مسائل سے واقف نہ ہو۔ ان دونوں چیزوں کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ ماریشس کا کوئی بچہ بلکہ کوئی مرد اور کوئی عورت بھی اس سے خالی نہ رہے اور یہ بھی کافی نہیں بلکہ یہاں ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ماہر علماء کی ایسی تعداد ہو جو دینی مسائل میں قوم کی معقول رہنمائی کرسکے۔ اور ایسے علماء کو تیار کرنے کے لئے یہیں پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔

اس دارالعلوم کے قیام کے لئے آپ کو موجودہ علماء کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ انہی کی رہنمائی سے ایسا دارالعلوم قائم ہوسکتا ہے۔ الحمد للہ، ایک دارالعلوم کا کام ابتدائی مرحلے میں شروع بھی ہو چکا ہے لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آئے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو قرآن مجید نہیں سکھائیں گے تو کیا ہندو اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں گے؟ بدھ مت اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے؟

یہ قرآن وحدیث کا علم ہمارے لئے ہے یا کافروں کے لئے۔ اسے کون پڑھے گا اور کون پھیلائے گا۔ آپ کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں داخل کرائیں، ابتدائی تعلیم تو سب کو دلوائیں اور اولاد میں جو سب سے زیادہ ذہین ہو اور سب سے زیادہ تندرست ہو اسے پورا عالم دین بنانے کیلئے پاکستان بھیجیں۔ الحمد للہ، کراچی میں ہمارا ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ ہے دارالعلوم کراچی۔ اگر آپ اپنے ہونہار لڑکوں کو قرآن شریف یہاں پڑھوانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے وہاں بھیجیں گے تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے اور انہیں داخلہ دیں گے، ہمارے یہاں طلبہ کے لئے رہائش اور کھانے کا بھی جامعہ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہاں سے اچھے عالم بن کر واپس آئیں اور یہاں پر دینی ادارہ دارالعلوم قائم کریں اور پھر یہیں پر اچھے علماء قائم ہونے لگیں۔

پہلا کام تو علم دین کے پھیلانے سے متعلق تھا، جس کی تفصیل میں نے عرض کی۔ دوسرا کام اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جو مسلمان کوئی بھی مسلک رکھتا ہے، دیوبندی ہو، یا بریلوی، اہلحدیث ہو یا حنفی، اپنے مسلک پر عمل کرے لیکن دوسروں سے لڑائی جھگڑا نہ رہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا بڑا بہترین ارشاد ہے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔" اور اجتماعی کاموں میں ہر

مکتبہ فکر اور ہر علاقے کے مسلمان متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد کریں مثلاً اس وقت آپ کے ہاں ایک بڑا اہم مسئلہ مسلم پرسنل لاء کا ہے۔

اس مقصد کے اندر آپ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک آپ کا باہمی انتشار اور افتراق ختم نہ ہو۔ اگر دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہلحدیث حنفی کے خلاف اور حنفی اہلحدیث کے خلاف لڑتے رہے تو آپ نہ مسلم پرسنل لاء کے مقاصد کو حاصل کر سکیں گے اور نہ دین کا کوئی اور مقام حاصل کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن

انداز میں نبھانے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

غیر مستحق زکوۃ کا زکوۃ لینے کا انجام

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مد ظلہ فرماتے ہیں

ہندوستان میں ہمارے ایک رشتہ دار تھے۔۔۔۔ اُن کی اولاد پھر ان کی اولاد کی اولاد ہو ہم نے دیکھا۔۔۔۔۔۔

اِن میں سے کوئی بھی مرد وعورت بچہ ایسا نہیں جو کسی نہ کسی خطرناک مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔۔۔۔۔ ایک مصیبت ہٹتی نہیں دوسری شروع ہو جاتی ہے۔۔۔۔

والد محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ اس خاندان میں جو مصیبتیں اتنی کثرت سے نظر آتی ہیں۔ مجھے اس کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ فلاں صاحب جو ان کے دادا تھے۔ وہ زکوٰۃ کے مستحق تو نہیں تھے۔ لیکن زکوٰۃ لیا کرتے تھے۔

(صدقہ کی برکات، اور سود کی تباہ کاریاں۔ بحوالہ اصلاحی مجلسیں ج 1 ص 116)

دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک

بتاریخ 30 اگست 2002 جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له ونشهد ان لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً

اما بعد:

قال النبي صلى الله عليه وسلم " ان العلماء ورثة الانبياء وان الأنتماء لم يورثوا ديناراً ولا درهما انما ورثوا العلم فمن أخذ به اخذ بحظ وافر (رواه الترندى ، كتاب العلم ، باب ما جاء في فضل الفقه على (العبادة رقم الحديث ۲۲۸۷)

گذشتہ چند جمعوں سے اس بات کا بیان چل رہا ہے کہ یہ تعلیمی سلسلہ کن کن مراحل سے گذر کر ہم تک پہنچا ہے اور علماء امت نے اپنے اپنے زمانے میں کس کس قسم کی قربانیاں دی ہیں۔ یہ قربانیوں کی تاریخ ہے جس کا مختصر جائزہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا۔ آج کی مجلس میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد دارالعلوم کراچی کی کچھ تاریخ بیان کرنا مقصود ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نتیجہ میں جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا تسلط قائم کر لیا اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون پہنچا دیا گیا تھا۔ اور عام مسلمانوں کو تختہ دار پر لٹکایا جا رہا تھا۔ جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لٹکائے گئے تھے۔ جس کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا کہ یہ تحریک آزادی میں شریک تھا۔ اُسے پھانسی چڑھا دیا جاتا، اور اگر کسی کے بارے میں جھوٹا الزام بھی لگایا جاتا کہ یہ جنگ آزادی میں شریک ہوا تھا تو بلا

تحقیق اُسے بھی تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا۔ ہمارے بہت سے اکابر بھی اس جہاد میں شریک تھے خصوصاً مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس شکست کے بعد اب مسلمانوں میں اسلحہ کے ذریعے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر مزید طاقت کا مظاہرہ کیا گیا تو مسلمانوں اور ان کے دینی اداروں کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

انگریزوں نے جنگِ آزادی کے بعد دو بڑے کام کئے۔ ایک یہ کہ سرکاری زبان فارسی کو ختم کرکے انگریزی کو سرکاری زبان بنایا دوسرے یہ کہ لارڈ میکالے کے ذریعے ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کرایا گیا۔ جس میں دین اسلام کا کوئی گزر نہیں تھا۔ صرف انگریزی زبان کے ذریعے سے آنے والے علوم وفنون کو داخلِ نصاب کیا گیا تھا۔

برصغیر میں انگریزوں کے قدم جمانے سے پہلے عصری اور دینی علوم میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ مسلمانوں کے سرکاری تعلیمی اداروں میں دونوں قسم کے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا بھی یہی حال تھا۔ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے حکومت کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر بیٹھتے تھے۔ وزیر بھی بنتے، گورنر بھی بنتے اور دیگر اعلیٰ عہدیدار بھی بنتے۔ انگریزوں کے آنے پر ان اداروں سے دین کو نکالا گیا۔

لارڈ میکالے نے جب اپنا نظام تعلیم پیش کیا تو اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس نے کہا: "اس نظام تعلیم سے جو نسل تیار ہو گی وہ چمڑے اور چہرے کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو گی لیکن دل ودماغ کے اعتبار سے انگریز ہو گی۔

اس نظام تعلیم میں ایک بات یہ بھی رکھی گئی کہ مسلمانوں کو تعلیم صرف اتنی ہی دینی ہے کہ یہ ہماری نوکری چاکری کر سکیں۔ ہمارے کلرک بن جائیں، ہیڈ کلرک بنیں سیکشن آفیسر اور ڈپٹی سیکرٹری بن سکیں۔ اکا دکا آدمی ڈپٹی کمشنر بھی بنے۔ اس سے اوپر کے عہدے مسلمانوں کے لئے بند تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو صرف انگریزوں کی نوکری کرنا ہی آئے۔ حکومت کرنے کا سلیقہ نہ آئے۔ اپنے افسر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہیں، جو حکم ملے، یس سر (Yes Sir) کہہ کر اس کی بجا آوری کریں۔

اس کے علاوہ انگریزوں نے ایک اور کام بڑے پیمانے پر کیا، وہ یہ کہ عیسائی مشنریوں کو عیسائیت کی تبلیغ پر لگایا چونکہ اس وقت مسلمان ناداری کا شکار ہو رہے تھے۔ حکومت ان کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں غربت اور افلاس پھیل رہا تھا۔ سرکاری زبان انگریزی بننے کے بعد اچھے پڑھے لکھے مسلمان جو اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، جاہل قرار پائے

تھے اور ملازمت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بھی مالی پریشانی کا سامنا تھا۔ اس حالت میں عیسائی مشنریوں نے اپنا کام شروع کیا اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی بڑے پیمانے پر کوششیں کی گئیں۔ ادھر ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے "سدھی" تحریک چلا ڈالی جس کے ذریعے غریب اور پسماندہ علاقوں کے مسلمانوں کو ہندو بنایا جانے لگا۔

اس صورتحال میں مسلمان سخت ترین خطرے میں پڑ گئے تھے اور قوی اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں یہاں بھی وہی داستان نہ دہرا دی جائے جو آج سے پانچ سو سال پہلے اسپین (اندلس) میں دہرائی گئی تھی کہ وہاں مسلمانوں کا آٹھ سو سالہ اقتدار چھن گیا اور پھر وہاں کسی ایک کلمے والے کو زندہ نہیں چھوڑا گیا، یا تو مسلمانوں کو قتل کیا گیا، یا کچھ لوگ مراکش وغیرہ کی طرف بھاگ کر پناہ گزیں ہو گئے۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں امریکہ نیا نیا دریافت ہوا تھا اور وہ نئی دنیا کہلاتا تھا۔ وہاں پر ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس زمین کو آباد کریں تو اس مقصد کیلئے اسپین (اندلس) کے بہت سے مسلمانوں کو جہازوں میں بھر بھر امریکہ پہنچایا گیا اور جو باقی بچ گئے انہیں عیسائی بنا دیا گیا۔ وہاں کوئی مسلمان باقی نہیں بچا اور کوئی مسجد وہاں باقی نہیں چھوڑی گئی۔

چار پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ اسپین گئے۔ ہم فرانس سے اسپین کے ایک کنارے میں داخل ہوئے اور دوسرے کنارے تک سفر کیا۔ بائی روڈ (زمینی) سفر کیا۔ کئی روز تک سفر کرتے رہے دن رات سفر کرتے تھے۔ رات کو جب تھک جاتے تو کہیں دو تین گھنٹے کیلئے آرام کر لیتے۔ راستہ میں جو شہر یا جو چھوٹی یا بڑی بستی آتی تو سب سے پہلے جو چیز نظر آتی وہ مسجد کا مینارہ ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشی ہوتی کہ یہ مسجد ہو گی۔ یہاں جا کر نماز پڑھیں گے۔ وہاں پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ اسے چرچ بنا دیا گیا ہے۔

دنیا کے کسی ملک میں ہمیں نماز پڑھنے کیلئے اتنی دشواری پیش نہیں آئی۔ ایک مرتبہ غرناطہ میں ہمارے لئے عشاء کی نماز پڑھنا مصیبت بن گیا۔ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ بہت پریشانی کا سامنا تھا۔ ایک ریسٹورنٹ میں اس خیال سے داخل ہوئے کہ کچھ چائے پی لیں گے اور اسی بہانے وضو کرنیکی جگہ مل جائیگی۔ لیکن چائے پی کر جب وضو کرنے کیلئے گئے تو وہاں ایک آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہاں وضو کرنے کی اجازت نہیں۔ قرطبہ کی جامع مسجد میں لمبا سفر کر کے یہ شوق لے کر پہنچے کہ یہاں پر صدیوں تک بڑے درجے کے علماء اولیاء اللہ اور محدثین نے نمازیں پڑھی ہیں۔ جامع قرطبہ اسلام کا مشہور مرکز تھا۔ مسجد کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ اندر جانے کے لئے ٹکٹ خریدنا ضروری ہے۔ ٹکٹ لے کر اندر پہنچے تو دیکھا کہ اس کے بہت سے حصوں میں چرچ بنا ہوا ہے اور دوسرے بعض حصوں میں بھی مختلف چیزیں بنی ہوئی ہیں البتہ محراب

اور اس کے ارد گرد تقریباً دس بارہ فٹ کی جگہ پر قالین ڈالا ہوا ہے۔ اس کے گرد زنجیر لگی ہوئی ہے۔ یہ اس بات کی علامت کے طور پر کہ یہ کبھی مسجد تھی۔ ہم نے اس جگہ پر نماز پڑھنے کی کوشش کی تو وہاں بھی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

واپسی پر جب ہم بارسلونا کی طرف آرہے تھے تو ایک جگہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو ہم ایک بستی میں گھس گئے۔ وہاں بھی مینارہ نظر آرہا تھا۔ یہ امید لگائی کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسجد ہو تاکہ نماز پڑھ لیں لیکن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ چرچ ہے اور وہ بھی بند پڑا تھا۔ قریب ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ وہاں کچھ نوجوان تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی ہمیں بتائیگا کہ ہم کہاں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ تو ان میں دو لڑکے کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم الجزائر کے رہنے والے ہیں اور یہاں مزدوری کے لئے آئے ہیں۔ یہ ریسٹورنٹ جہاں وہ بیٹھے تھے۔ ایک شراب خانہ تھا۔ ہم ریسٹورنٹ سمجھ کر اس میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ فلاں جگہ میرے دوست کا گھر ہے۔ آپ اس کے گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ میں آپ کو لے چلتا ہوں۔ ہم نے کہا اسی ریسٹورنٹ والے سے اجازت دلوادو ہم چائے بھی پی لیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔ ہم نے سوچا کہ نجانے یہ ہمیں کہاں لے جائیگا۔ ہمیں کوئی دھوکہ نہ دے دے۔ قریب میں ایک اور ریسٹورنٹ نظر آیا۔ ہم اس میں داخل ہوئے۔ اسے چائے کا آرڈر دیا۔ ہم آٹھ دس آدمی تھے۔ ہم نے سوچا کہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جن ساتھیوں کا وضو تھا انہوں نے اسی ریسٹورنٹ کے فٹ پاتھ پر نماز پڑھ لی اور جن کا وضو نہیں تھا انہوں نے ایک ایک دو دو کر کے غسل خانے میں جاکر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ رہے تھے تو بستی کے لوگ جمع ہو کر آگئے اور ہمیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

غرناطہ میں مسلمان دور کی ایک مشہور یادگار "الحمراء" کے نام سے ایک محل ہے۔ اسے دیکھنے کیلئے وہاں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ تو وہاں جب ہم نماز با جماعت پڑھنے لگے تو مختلف ملکوں سے آئے ہوئے انگریز سیاح ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ہمارے فوٹو اتارنے اور مووی بنانے لگے۔

یہ اسپین کے موجودہ حالات کا مختصر جائزہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی فراست کی بنیاد پر اس خطرے کو بھانپ لیا۔ اس لئے انہوں نے یہ کام کیا کہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو کر اپنی مساجد اور خانقاہوں کی حفاظت کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ یہ بنیاد کسمپری اور ناداری کے عالم میں رکھی گئی۔ انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا۔ استاد کا نام بھی محمود اور شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد محمود بعد میں

شیخ الہند بنا۔ وہ انار کا درخت آج بھی موجود ہے۔ میری پیدائش بھی وہیں کی ہے۔ میرا بچپن بھی وہیں گزرا۔ وہاں ایک چھتے کی مسجد مشہور تھی۔ وہ مسجد بھی ابھی تک موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ اب ہماری حکومت نہیں رہی، کبھی تو ہندوستان آزاد ہوگا۔ اس عرصے میں ہمارے اسلامی علوم محفوظ رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس دارالعلوم کی برکت سے ہندوستان میں مسلمان اقلیت اپنے دین کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ اگر دارالعلوم دیوبند کی خدمات نہ ہوتیں اور وہاں دین محفوظ نہ ہوتا تو پاکستان بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان تو اس بنیاد پر بنایا گیا کہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن دارالعلوم کی کوششیں نہ ہوتیں تو مسلمانوں کی اکثریت باقی نہ رہتی۔ اس عرصے میں مسلمانوں کو تباہ کر دیا جاتا۔ پاکستان کا وجود دارالعلوم دیوبند کا فیض ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے بالمقابل علی گڑھ میں سرسید احمد خان نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کی دنیا کی حفاظت ہو جائے۔ معاشی میدان میں انہیں سرکاری ملازمتیں مل سکیں اور اگر کبھی سیاست میں موقع ملے تو اس میں حصہ لے سکیں۔ اس ادارے میں وہی علوم پڑھائے جاتے تھے جو انگریزوں کے ذریعے آئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ ادارہ مسلمانوں کے تحت تھا اور دوسرے ادارے انگریزوں کے ماتحت تھے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور سرسید احمد خان ایک استاذ کے شاگرد ہیں لیکن مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا اور سرسید احمد نے علی گڑھ قائم کیا۔

سرسید احمد خان پر انگریزوں کی مرعوبیت سوار ہوگئی اور ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مسلمانوں کی ترقی اگر ہو سکتی ہے تو صرف انگریزوں کی نوکری چاکری کے ذریعے ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی ذہن میں آگئی تھی کہ انگریز جو بات سوچتا ہے، وہ صحیح ہوتی ہے، اس کے خلاف جو بات ہوتی ہے، وہ غلط ہوتی ہے۔ اس ذہن کی وجہ سے انہوں نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی، اس میں تحریفات کیں، معجزات اور حجیت حدیث کا تقریباً انکار کر دیا، جہاد اقدامی کا انکار کر کے اسے صرف دفاعی حد تک تسلیم کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ادارے سے تیار ہونے والی نسل ذہنی طور پر انگریزوں سے مرعوب تھی۔ آزاد ذہنیت نہیں تھی اور نہ ہی اس کے اندر آزاد قوم کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت تھی۔

اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند والوں نے سوچا کہ اگر دنیا ہمیں نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں۔ ہم فقر و فاقہ کر کے اور روکھا سوکھا کھا کر گزارا کر لیں گے۔ تنگ و تاریک حجروں میں زندگی گزار لیں گے لیکن انگریز کی غلامی کرنے اور اپنے دین میں

ترمیم کرنے کے لئے ہم تیار نہیں اور اپنی قوم کو مرعوب بنانے کے لئے ہم تیار نہیں۔ اور دار العلوم اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ آج تک انگریزوں اور یورپی لوگوں کی مرعوبیت ہمارے دینی مدارس میں نہیں آسکتی۔ ابھی ماضی قریب میں جب افغانستان پر امریکی حملے ہوئے تو یہ علماء ہی تھے۔ جنہوں نے سینہ تان کر کہا کہ امریکی طاعون کے خلاف جہاد ضروری ہے اور ان کے مقابلے میں ہر شخص پر اس کی قدرت کے بقدر طالبان کی حمایت فرض ہے۔ یہ اس ذہن کی پیداوار تھی جو دیوبند میں تیار کیا گیا تھا۔ علی گڑھ میں یہ ذہن تیار نہیں ہوا۔

علی گڑھ میں یہ ذہن تیار ہوا کہ انگریزوں کی ہر بات صحیح ہے مثلاً اس زمانے میں انگریزوں نے کہا کہ یہ جو معجزات کی باتیں کی جاتی ہے۔ یہ دیومالائی قسم کی باتیں ہیں، جو سمجھ میں آنے والی نہیں، مسلمان کیسی پرانی اور دقیانوسی باتیں کرتے ہیں۔ تو سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں معجزات کی ایسی تعبیر کی کہ وہ معجزہ ہی نہ رہے۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بیان کیا گیا کہ جب وادی تیہ میں پانی کی قلت کا مسئلہ پیش آیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

فَاضْرِبْ بعصَاكَ الحَجَر

"آپ اپنا عصا پتھر پر ماریئے"۔

جب آپ نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پتھر پر مارا تو وہاں سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بارہ قبائل تھے گویا ہر قبیلے کے لئے ایک الگ چشمہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عظیم الشان معجزہ کئی مقامات پر ذکر کیا لیکن سر سید احمد خان نے اس میں یہ تاویل کی کہ فاضْرِبْ بعضاک الحجر کا مطلب ہے کہ " اپنی لاٹھی ٹیک کر پہاڑ پر چڑھ جا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں بارہ چشمے پہلے سے موجود تھے جو پستی پر ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آرہے تھے اوپر چڑھنے کے بعد وہ نظر آنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ خلاصہ یہ کہ یہ معجزہ نہیں بلکہ یہ ایک واقعہ تھا جس کا علم موسیٰ کو نہیں تھا۔ انہیں بتانے کیلئے پہاڑ پر چڑھایا گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں یہاں کے مسلمان دوبارہ علم جہاد بلند نہ کریں تو اس وقت وہ ذہن جو سر سید احمد کے مکتب میں تیار ہو رہا تھا۔ اس نے یہ بات چلائی کہ اسلام میں جسے جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ وہ نہیں

جس سے آپ کو خدشہ ہے بلکہ اسلام میں صرف دفاعی جہاد ہے یعنی اگر کوئی قوم تم پر حملہ آور ہو جائے تو تم اس کا مقابلہ طاقت سے کر سکتے ہو لیکن اس بات کی اجازت نہیں کہ کسی سے لڑائی میں ابتداء کی جائے۔

حالانکہ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ شریعت میں دفاعی اور اقدامی دونوں قسم کے جہاد ہیں۔ البتہ حملہ کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ان شرائط و قیود کے ساتھ اقدامی جہاد بھی مشروع ہے مثلاً کسی ملک کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ ہمارے لئے خطرہ بن جائے گا کہ اس نے ابھی تک حملہ تو نہیں کیا لیکن وہ حملے کی تیاریوں میں مصروف ہے تو ایسی صورت میں اس ملک پر ابتداء حملہ کیا جاسکتا ہے۔ غزوہ تبوک میں یہی ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ جزیرہ نما عرب کے قریب شام کے علاقے کا حکمران قیصر روم کے ساتھ مل کر حملے کی تیاری کر رہا ہے تو آپ نے جہاد کا اعلان عام کیا اور تمیں ہزار کا لشکر لے کر تبوک کے میدان میں تشریف لے گئے۔

سرسید کے قائم کردہ سکول کی ایک خوبی ضرور تھی کہ وہ مسلمانوں کے زیر انتظام تھا لیکن یہاں کا نظام تعلیم وہی تھا جو لارڈ میکالے نے دیا تھا اور یہاں وہ سوچ تیار ہوئی جو ایک غلام قوم کی سوچ ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس زمانے کے بزرگوں نے سرکاری سکولوں میں بچوں کو بھیجنے کی مخالفت کی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سکولوں میں جاکر عصری تعلیم تو حاصل ہو جائے گی اور ملازمتیں بھی مل سکتی ہیں لیکن اس سے دین چلے جانے کا اندیشہ ہے حالانکہ ایمان زیادہ قیمتی ہے۔

اس کی وجہ سے لوگوں نے جھوٹا پروپیگنڈہ یہ کیا کہ علماء دین عصری تعلیم کے خلاف ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ علماء دین نے دنیاوی علوم کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ وقت کے عصری علوم ہمارے مدارس میں پڑھائے جاتے تھے چنانچہ اس زمانے کی سائنس، فلسفہ، علم ہیئت، علم فلکیات، علم طب، ہندسہ (انجینئرنگ) جغرافیہ وغیرہ تمام علوم پڑھائے جاتے تھے اور جب علماء تیار ہوتے تو یہ دیناوی علوم سے بھی اچھی واقفیت رکھنے والے ہوتے تھے۔ انگریز نے آکر سب سے پہلے سرکاری مدرسوں کو دینی علوم سے محروم کیا۔ مجبوراً علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ اب ہم تمام عصری علوم نہیں پڑھا سکتے لیکن مسلمانوں کے زمانے کے عصری علوم اور دینی علوم پڑھائیں گے چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں علم طب، علم فلکیات، جغرافیہ، الجبراء، اقلیدس اور جیومیٹری وغیرہ جیسے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ یہ مسلمانوں کے وہ عصری علوم تھے جب انگریزوں نے قبضہ کیا۔

انگریزوں نے آنے کے بعد نئے علوم حاصل کرنے کے لئے یہ پہرہ بٹھا دیا تھا کہ اس کے لئے سب سے پہلے انگریزی سیکھنا ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ دین سے عملی لاتعلقی تو کرنی ہی پڑیگی کیونکہ ان اداروں میں دین کا کوئی گزر نہیں۔ اس لئے علماء جدید عصری علوم کو حاصل نہ کر سکے۔

پاکستان بننے کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک نیا نظام تعلیم قائم کیا جائے۔ جس میں موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ تمام عصری علوم اور دینی علوم کی تعلیم دینی ماحول میں دینی تربیت کے ساتھ اعلیٰ معیار پر دی جائے۔ لیکن بدقسمتی سے انگریز نے یہ اقتدار ان لوگوں کو منتقل کیا جو ان کے نظام تعلیم کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ بیوروکریسی جنہوں نے عمر بھر نوکری چاکری کی تربیت حاصل کی تھی اور جن کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ کامیابی اس میں ہے کہ انگریز کی ہر بات پر (Yes Sir) کہہ کر عمل کیا جائے، وہ یہاں منتقل ہوگئی اور اس نے نظام حکومت سنبھالا۔ پاکستان بنانے والے لیڈر تو تھوڑے ہی عرصے میں رخصت ہو گئے۔ قائداعظم بھی رخصت ہو گئے۔ قائد ملت لیاقت علی خان بھی شہید کر دیئے گئے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھی چلے گئے۔ البتہ سردار عبدالرب نشتر پر بیوروکریسی غالب آگئی۔

پاکستان بننے کے بعد حضرت والد صاحبؒ انڈیا سے یہاں تشریف لائے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور دیگر علماء نے سرتوڑ کوشش کی کہ یہاں کا نظام تعلیم درست ہو جائے اور اس کے لئے یہ تجویز دی کہ ایسے تعلیمی ادارے قائم ہوں جس میں میٹرک تک دین اور دنیا کی تفریق نہ ہو۔ میٹرک کے بعد الگ الگ شعبے قائم کئے جائیں۔ ان میں کوئی انجنیئر بنے، کوئی ڈاکٹر بنے، کوئی سائنس دان بنے، کوئی عالم دین بنے، کوئی محدث بنے، کوئی مفسر بنے، کوئی مجتہد بنے غرضیکہ مختلف شعبوں میں ماہرین تیار ہوں۔ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے کئی کمیٹیاں اور کمیشن تشکیل دیئے گئے اور ہمارے بزرگ ان میں شامل رہے اور کوشش بھی کرتے رہے۔

لیکن ان تھک محنت کے بعد ہمارے بزرگوں نے محسوس کیا کہ انکا ارادہ نظام تعلیم میں تبدیلی لانے کا نہیں ہے تو مجبورا انہوں نے وہی کام کیا جو انگریزوں کے دور حکومت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے کیا تھا کہ الگ سے دینی مدارس قائم کئے تاکہ ضروری عصری علوم کے ساتھ ساتھ اپنی نسلوں کو دینی علوم پڑھائیں چنانچہ الحمدللہ بہت سے دینی مدارس میں آٹھویں جماعت تک اور بڑے بڑے مدارس میں میٹرک تک کی دینی اور دنیاوی تعلیم یکساں طور پر دی جارہی ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت تک درس نظامی میں داخلہ نہیں ملتا جب تک طالبعلم کے اندر عصری علوم کے اعتبار سے میٹرک کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔

والد صاحب اور ہم ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے۔ دو تین سال تو اسی کوشش میں گذر گئے کہ نظام تعلیم میں تبدیلی آجائے لیکن جب مایوسی ہوئی تو والد صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں پورے کراچی کے اندر دینی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ کھنڈہ" میں تھا جو بہت پرانا چلا آرہا تھا لیکن اب وہ بھی گمنام سا ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے نانک واڑہ کے محلے میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

پاکستان بننے سے پہلے یہاں سکھ رہتے تھے۔ نانک دارہ کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے۔ اس محلے میں سکھوں کے زمانے کے پرائمری سکول کی ایک عمارت تھی جو وزرات تعلیم کے کنڑول میں تھی لیکن اس وقت ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین قیام پذیر تھے۔ جب وہ عمارت خالی ہوئی تو والد صاحب رحمہ اللہ نے کوشش کر کے اُسے دارالعلوم کے لئے حاصل کر لیا۔ دو تین کمروں اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل یہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہاں دارالعلوم قائم ہوا۔

اور اس سال سب سے پہلی جماعت جو دارالعلوم کراچی میں تعلیم کے لئے داخل ہوئی، اس میں الحمد للہ میں اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی شامل تھے۔ اسی سال میں درجہ حفظ سے فارغ ہوا تھا اور پہلی تراویح سنائی تھی۔ ہمیں بھی فکر تھی کہ اب ہم کیا پڑھیں گے۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی گئی جس سے ہمارا تعلیمی سلسلہ بھی برقرار رہا۔ ہماری رہائش شہر میں برنس روڈ کے پاس تھی۔ روزانہ آنا جانا ہوتا تھا۔

جیسے ہی یہ مدرسہ قائم ہوا تو مشرقی و مغربی پاکستان کے تمام صوبوں بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی جوق در جوق طلبہ آنا شروع ہو گئے کیونکہ اس وقت مدارس کے اعتبار سے پورے ملک کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مدرسہ ملتان میں تھا۔ ایک مدرسہ لاہور میں تھا اور ایک مدرسہ اکوڑہ خٹک میں تھا۔ اور شاید چھوٹے چھوٹے دو چار مدرسے اور ہوں گے۔

طلبہ کی کثرت کی وجہ سے یہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی کشادہ حاصل کر کے وہاں دارالعلوم منتقل کیا جائے کیونکہ اس مدرسہ میں بہت تنگی تھی طلبہ جہاں پڑھتے تھے۔ انہیں کمروں میں ان کے بستر لگے ہوتے تھے۔ صبح کو اٹھتے تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے۔ یہ درسگاہ بن جاتی۔ سبق ختم ہونے کے بعد دوپہر یارات کو لیٹنے کا وقت ہوتا تو بستر بچھا دیتے، یہ سونے کے کمرے بن جاتے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جہاں انکا مزار بنایا گیا۔ وہ ایک بہت بڑا میدان تھا۔ ہم بچپن میں جب حضرت کے ہاں جاتے تو ان کے نواسوں کے ساتھ مل کر اس میدان میں کھیلا کرتے تھے۔ یہ میدان خالی پڑا تھا۔ حضرت والد صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ اتنی بڑی شخصیت تھے، حکومت نے ان کے لئے کوئی یادگار قائم نہ کی، ہم کوشش کر کے وہ میدان حاصل کر لیں اور اس میں علامہ عثمانیؒ کی یادگار کے طور پر بڑا دارالعلوم قائم کریں۔ اس مقصد کے لئے والد صاحب نے کوشش کی اور بالآخر یہ میدان مل گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج اسلامیہ کالج (کراچی) بنایا ہوا ہے۔ وہاں دارالعلوم کے لئے نقشہ منظور کرایا گیا۔ اس میدان کے اندر علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی اہلیہ اور ان کے دو

بھائیوں کے لئے چھ چھ سو گز کے پلاٹ مالکانہ حقوق کے ساتھ منظور کرائے گئے۔ یہ سب کچھ مشوروں سے ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بھائی بھی اس مشورہ میں شریک تھا۔

والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے لئے تین روزہ کانفرنس اس میدان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں مشرقی و مغربی پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور اکابر کو دعوت دی گئی۔ دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ نے اس میدان میں اپنا کیمپ ڈالا ہوا تھا اور دن رات ہم اس کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔

بالآخر کانفرنس شروع ہوگئی۔ بنیادیں بھی کھد گئیں۔ ان میں روڑی بھی ڈال دی گئی اور بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا، کانفرنس کے ایک روز اچانک یہ ہوا کہ ایک طرف کچھ لوگ جمع تھے۔ ان میں اخباری نمائندے بھی شامل تھے۔ وہ تصویریں اتار رہے تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سیاسی لیڈر علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ کو بہلا کر یہاں لے آیا، ان سے کہا کہ دیکھئے علامہ عثمانی کے نام پر انہوں نے اس میدان پر قبضہ کر لیا ہے۔ لہذا آپ اس کی مخالفت کیجئے۔ وہ اسی لئے آئی تھیں۔ اخبار میں اگلے دن یہ ساری تصویریں اور خبریں لگ گئیں۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو اس کا بڑا غم ہوا۔ آپ علامہ عثمانی کی اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ والد صاحب نے اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں ڈال دی۔ (علامہ عثمانی والد صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی تھے بزرگ بھی تھے اور استاذ بھی تھے) والد صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ راضی نہیں ہونگی تو میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔ یہ شخص آپ کو بہکا رہا ہے۔ آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔ علامہ عثمانیؒ کے نام ہی پر تو یہ سارا ادارالعلوم قائم ہوا ہے۔ مگر وہ خاتون تھیں۔ عورت زاد تھیں۔ علامہ عثمانیؒ اسی سیاسی لیڈر کے ہاں رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بھی وہاں رہتی تھیں۔ یہ اس کے بہکاوے میں آچکی تھیں۔ والد صاحب کے سمجھانے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آیا اور انہوں نے والد صاحب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی حال میں تین دن گذر گئے۔ تیسرے روز والد صاحب نے اس جلسہ میں اعلان کیا کہ جب تک علامہ عثمانیؒ کی اہلیہ صاحبہ راضی نہیں ہوں گی، میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔

دارالعلوم کے تمام اساتذہ و طلبہ اور دور دراز سے آنے والے اکابر اور علماء حیرت میں پڑ گئے۔ جن طلبہ اور اساتذہ نے دن رات لگ کر اس انتظام کو سنبھالا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ اس زمانے میں کراچی کا چیف کمشنر ابو طالب نقوی تھا۔ یہ شیعہ تھا۔ یہ بڑا مضبوط اور سخت گیر شخص تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خط والد صاحب کی طرف لکھ کر بھیجا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ قانون کی پوری طاقت آپ کے

ساتھ ہے کیونکہ آپ نے زمین کا باقاعدہ الاٹ منٹ کرایا ہے اور اس کے نقشے پاس کرائے ہیں۔ آپ تعمیر کرائیں، کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔ والد صاحب اس کے باوجود بھی دار العلوم کی تعمیر پر آمادہ نہ ہوئے اور وجہ یہ بتلائی کہ دار العلوم بنانا فرض عین نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانا فرض عین ہے۔ علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ اگر مطمئن نہیں ہونگی تو کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ ان کا ساتھ دیں گے جس سے مسلمانوں میں خلفشار پیدا ہوگا۔ میں امت کو خلفشار میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

ایک دو مہینے گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین دار العلوم کے لئے دے دی، جنوبی افریقہ کا ایک تاجر اس پوری زمین کا مالک تھا۔ یہ پورا علاقہ ریگستان تھا۔ یہاں سے سات میل دور تک زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی سڑک تھی نہ آبادی، نہ بجلی، نہ پانی نہ گیس اور نہ کوئی سہولت۔ یہاں سے کلفٹن تک درمیان میں کوئی آڑ نہیں تھی، صرف ریت کے ٹیلے تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو تردد ہوا کہ اگر اس ریگستان میں جا کر میں طلبہ کو ڈال دوں تو یہ زندہ کیسے رہیں گے۔ مگر احباب نے کہا کہ آپ زمین قبول فرمالیں، تعمیر ہم کرائیں گے، جب تعمیر ہو جائے گی تو پھر آپ منتقل ہو جائیں۔ والد صاحب آمادہ ہو گئے۔

دار العلوم ۱۹۵۵ھ میں یہاں آیا۔ آج اسے اڑتالیس سال ہو چکے۔ ہم نے پانچ سال تک نانک واڑہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ بقیہ تین سال یہاں پڑھا۔ یہاں کا حال یہ تھا کہ روزانہ دو تین طلبہ کو بچھو کاٹتے تھے۔ ایک دو سانپ روزانہ نکلتے تھے۔ گیدڑ کمروں میں گھس کر انکا کھانا کھا جاتے۔ طرح طرح کی پریشانیاں تھیں۔ اسوقت تک قریب کوئی آبادی نہیں تھی لیکن دو سال کے بعد کورنگی کی آبادی شروع ہوگئی اور پھر رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی رہی اور دار العلوم بھی ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آج دار العلوم اس حالت میں پہنچا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری

بمقام جامع مسجد جامعہ دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و الصلوٰۃ و السلام علی نبیہ المجتبی و علی عبادہ الذین الصطفی۔

اما بعد!

تمہیدی گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر بہت کڑا وقت آیا ہوا ہے، مسلمان جگہ جگہ ظلم وستم کا شکار ہیں اور جتنے بھی مسلم حکمران ہیں وہ سب کے سب دباؤ میں ہیں اور اسی دباؤ کی وجہ سے بعض بدنصیب کبھی داڑھی کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کبھی پردے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

لیکن یاد رکھیئے کہ یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو اخبارات، جرائد، ٹی وی، ریڈیو کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ یہ اوپر کا رخ ہے لیکن ان حالات وواقعات کی تہہ کے نیچے کچھ اور ہو رہا ہے، جیسے سمندر کی لہروں کا ایک ظاہری انداز ہے لیکن ان لہروں کے نیچے کچھ اور طوفان برپا ہوتے ہیں جو سطح کے بالکل مخالف ہوتے ہیں بعض اوقات تو اوپر کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اور نیچے پانی گرمی سے ابل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح حالات کی اوپر کی سطح میں مسلمان پسا ہوا اور کمزور نظر آرہا ہے لیکن اندرونی سطح، اللہ کی قدرت کاملہ سے ایک اسلامی انقلاب آنے کی خبر دے رہی ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ شروع ہو چکی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ انقلاب کون لا رہا ہے؟ کیسے آرہا ہے؟ یہ سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں، یہ جنگی انقلاب نہیں بلکہ یہ ایک فکری، معاشرتی ،اخلاقی انقلاب ہے، مقلب القلوب کا دلوں میں پیدا کردہ انقلاب ہے اور جہاں جہاں اسلامی جہاد ہو رہا ہے، وہ بھی اسی دینی انقلاب کا حصہ ہے۔

پچھلے سال جون میں میرا اردن اور شام کا سفر ہوا، میرے ایک دوست جو دنیا میں بہت گھومے پھرے ہیں اور اچھے تجربہ کار ہیں، جب انہوں نے مجھ سے سنا کہ میں اردن اور شام جارہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ وہاں جاکر کیا کریں گے، وہاں تو بالکل مغربی تہذیب ہے۔ امریکی سیاست مسلط ہے، عورتوں میں پردہ نہیں، اسلامی معاشرہ دور دور تک نظر نہیں آتا، فحاشی وعریانی کا دور دورہ ہے اور بالکل یہی بات ہم مصر کے بارے میں بھی سنتے تھے۔ اسی سال ہمارا جاپان اور امریکہ کا بھی سفر ہوا، اُردن، شام اور ایران کے سفر بھی ہوئے۔ اور اب سعودی عرب اور مصر کا سفر ہوا، ان تمام سفروں میں سنی ہوئی باتوں کے برعکس صورتحال نظر آئی، اب تو وہاں ایک انقلاب سا آتا نظر آرہا ہے۔

جن مسلم ممالک کا اس سال سفر ہوا ان میں اول تو بازاروں میں عورتیں کم نظر آتی ہیں، اور جو نظر بھی آتی ہیں ان میں بھی پردے کا اہتمام ہے، جب کہ عرب ممالک کے بارے میں تو یہ بات مشہور تھی کہ وہاں خواتین پردے کا اہتمام نہیں کرتیں، لیکن یہ سب شہرت پرانی صورتحال کی بناء پر ہی ہے، ورنہ اردن میں، مصر میں سعودی عرب میں، شام میں اور ایران میں اب عورتیں پردے میں نظر آتی ہیں، مساجد آباد ہیں، جن میں امام بڑی حد تک تعلیم یافتہ قاری ہیں۔ تبلیغی کام بھی بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ یہ تبدیلی پندرہ میں سال میں آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے پہچانا نہیں جاتا تھا کہ آپ اسلامی ملک میں آئے ہیں یا کسی مغربی ملک میں آگئے ہیں۔

دین کی طلب کا یہ حال ہے کہ میں اردن اور شام سیاحت کے لئے گیا تھا لیکن احباب نے پکڑ لیا کہ آج فلاں جگہ بیان ہے اور کل فلاں جگہ اور باقاعدہ مجلسیں منعقد کی گئیں کہ پاکستان سے مفتی صاحب آئے ہوئے ہیں، اہم مسائل اُن سے پوچھیں گے۔

ایک دن عمان (اردن) میں باقاعدہ اعلان کر کے علمائے کرام کو جمع کیا گیا کہ اہم مسائل مفتی صاحب سے پوچھے جائیں گے، جمع ہونے والوں میں مرد بھی تھے خواتین بھی، مصنف بھی تھے، ادیب بھی، عالم بھی تھے، قاری بھی، اور بعض مفتی صاحبان بھی تھے۔ (الحمد للہ اردن میں یہ مشہور ہے کہ ہندو پاک کے علماء ٹھوس علم رکھنے والے صاحب کمال ہوتے ہیں، میں نے ان کو مجلس کے آغاز ہی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا یہ ارشاد سنادیا کہ :

"الحمد للہ میرے پاس ایک ایسا گر ہے کہ میں ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔"

حضرت تھانوی ؒ کا یہ ارشاد سن کر سب علماء جو حاضر تھے حیران رہ گئے کہ یہ کیا فرما رہے ہیں، ایسا دعوی تو کسی نبی نے بھی نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اخبرنی عن الساعۃ (قیامت کب آئے گی) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ

ما المسؤل عنها باعلم من السائل

یعنی قیامت کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

اور حضرت تھانوی صاحب ؒ فرمارہے ہیں کہ ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔ تو حضرت تھانوی نے فرمایا وہ گر یہ ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہوگا بتادوں گا اور جس سوال کا جواب معلوم نہیں ہوگا تو کہہ دوں گا ''مجھے نہیں معلوم۔'' یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ یاد رکھیئے لاادری (مجھے نہیں معلوم) کہنے سے انسان کی عزت میں کمی نہیں آتی، امام مالک عربیؒ یہ فرماتے ہیں کہ

''لقنو اصحابکم قول لا ادری''

یعنی: تم اپنے شاگردوں کو یہ کہنا سکھاؤ کہ مجھے نہیں معلوم۔

تقریباً یہی حال شام میں تھا، وہاں تین دن قیام ہوا، وہاں کے علماء چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گزاریں، عوام میں بھی جس سے بات چیت کی نوبت آئی یہی محسوس ہوا کہ دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ الفت و محبت، انکساری اور خوش اخلاقی ان کا مزاج ہے، اگرچہ خواتین میں پردے کا خاص اہتمام نہیں اور مرد اکثر داڑھی نہیں رکھتے لیکن بات بات پر ذکر اللہ، دعائیں اور درود شریف کی کثرت ان کی عادت ہے۔ مسجدوں کی آبادی اور علماء کی عزت نظر آتی ہے، کچھ دینی مدارس بھی ہیں جو اچھا کام کر رہے ہیں، وہاں بھی پندرہ میں سال پہلے ایسی بات نہیں تھی، وہاں تبلیغ کا کام بنسبت اردن کے بہت کم ہے۔

سعودی عرب کا حال آپ حضرات کو معلوم ہی ہے، وہاں تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم اچھے خاصے معیار کی ایک حد تک لازم ہے۔ سب سے زیادہ اسلامی قوانین (سو فیصد تو نہیں) نافذ و رائج ہیں، وہاں عدلیہ شریعت کی پابند ہے جس کی وجہ سے آج وہاں امن و امان کا دور دورہ ہے۔ مال و جان عزت و آبرو، غیرت و ناموس محفوظ ہے۔

اسی طریقے سے مصر کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سن رکھی تھیں کہ وہاں کے لوگ متکبر اور اکھڑ مزاج ہوتے ہیں۔ علماء کے خلاف عوام میں جذبات پائے جاتے ہیں۔ داڑھی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ فحاشی و عریانی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن ابھی حالیہ سفر میں ہم نے مصر کے دینی اداروں، مساجد، علمی حلقوں، بازاروں بعض تفریح گاہوں اور عجائب گھروں وغیرہ کا دورہ کیا تو پتہ چلا کہ جتنی باتیں سن رکھی تھیں وہ سب کی سب سراسر غلط ہیں۔ حقیقت میں وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب مروت ہیں۔ مزاجوں میں شرافت و سادگی غالب ہے۔ قاہرہ کو بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فحاشی اور عریانی کا مرکز ہے۔ وہاں جاکر دیکھا تو پتہ چلا کہ قاہرہ تو مسجدوں کا شہر ہے۔ نماز کے اوقات میں پورا شہر اذانوں سے گونج اٹھتا ہے اور ہر مسجد کے اندر خواتین کیلئے پردے کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام ہے۔ الحمد للہ میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں، ان کے ذریعہ خواتین کا حال بھی وقتاً فوقتاً معلوم ہوتا رہا۔

قاہرہ میں جمعہ کی نماز "جامع عمرو بن العاص" میں پڑھنے کی توفیق ہوئی۔ یہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہے۔ خطیب صاحب نے عربی میں سیرت طیبہ پر ایسا بلیغ اور ایمان افروز خطبہ دیا کہ دل باغ باغ ہو گیا۔

ہمارے ساتھ جو ڈرائیور تھا اس نے بتایا کہ میرے تین بیٹے حافظ قرآن ہیں حالانکہ اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی۔ ایک نوجوان جو بازار میں کھلونے بیچ رہا تھا وہ کہنے لگا کہ آپ نے یہاں اسلام کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا جیسا سنا تھا اس سے بہتر پایا تو وہ کہنے لگا کہ ہم اپنے اعمال میں اسلام کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں، دعا کریں کہ ہم اچھے مسلمان بن جائیں، اور اسلام کا بول بالا ہو، اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جس دوکاندار یا ڈرائیور یا مزدور یا ہم سفر سے بات کرو تو اولا تو آپ کے اور اس کے درمیان دیر تک دعاؤں کا تبادلہ ہوتا رہے گا، پھر دورانِ گفتگو وہ بات بات پر ایک دوسرے کو دعائیں دینے کے عادی ہیں، عموماً ان کی تقریباً ہر بات اللہ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور اللہ ہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ مصر میں اکثریت نماز کی پابند ہے برخلاف پاکستان کے، کہ یہاں نمازوں کے اوقات میں اکثر حضرات بازاروں، ہوٹلوں، کیفوں وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

"جامع الازھر" جو "جامعۃ الازھر" کے زیر انتظام ایک جامع مسجد ہے، ہم نے مغرب کی نماز وہاں ادا کی، امام صاحب جید قاری تھے، مگر ملاقات ہوئی تو داڑھی صاف تھی، ہمارے ایک تبلیغی ساتھی نے جو سعودی عرب سے ہمارے ساتھ آئے تھے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ یہاں داڑھی کم نظر آتی ہے، کیا حکومت کی طرف سے پابندی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں، لوگ خود ہی نہیں رکھتے ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم سے انہوں نے ہدایت کی دعاؤں کی درخواست کی اور عرب روایات کے عین مطابق ہم نوواردوں کو مہمان نوازی سے نوازا۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ

مصر میں خواتین کی بھاری اکثریت ہر جگہ بُرقع میں نظر آئی، اور جو بغیر بُرقع کے ہوتی تھیں تو ان کا بھی پورا بدن ڈھکا ہوتا تھا صرف چہرہ اس طرح کھلا ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کان، بال اور گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا، مجھے تو کم از کم کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئی، کچھ خواتین بے پردہ تھیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں کوئی مسلمان عورت بے پردہ نہیں ہوتی، جو بھی بے پردہ خواتین ہیں یا تو وہ عیسائی ہیں، یا یہودی۔ قاہرہ کے مشہور عالم دین ہمارے دوست جناب حسن الشافعی نے بھی یہ بات بتائی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں یہ پردہ اور یہ تبدیلی میں پچیس سال سے آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے یہاں تمام برائیاں عام تھیں، میں نے پوچھا یہ تبدیلی کیسے آئی، کہنے لگے یہ معلوم نہیں، بس اتنا صاف نظر آرہا ہے کہ تبدیلی آئی ہے۔ لوگوں کے دلوں پر اسلام کا غلبہ اور دین کی طرف میلان ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلانی جماعت سے یہ تبدیلی آئی ہے اور یہی کیفیت ایک اسلامی انقلاب آنے کی دلیل ہے۔

امریکہ میں اسلام اس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ امریکی صدر نے بھی تسلیم کر لیا کہ امریکہ میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ تقریباً ۴۰ سال پہلے امریکہ، جاپان، چین اور یورپ و جنوبی افریقہ وغیرہ میں کوئی عورت برقع میں نظر نہیں آسکتی تھی۔ لیکن اب الحمد للہ ہم وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ برقع عزت و شرافت کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ انقلاب جو آرہا ہے اس کی رہنمائی کون کرے گا؟ اس رہنمائی کے لئے آپ طلبہ کو تیار ہونا ہے، غیر مسلم ممالک میں اس دینی انقلاب کی رہنمائی کے لیے باعمل اور باکردار علمائے دین کی شدید ضرورت ہے۔ اگر کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہوا تو یہ انقلاب نہیں بلکہ فساد فی الارض ہوگا۔ ضرورت اس وقت اس انقلاب کو سنبھالنے کی ہے، منظم کرنے کی ہے، رہنمائی کرنے کی ہے اور صحیح قیادت کی ضرورت ہے تاکہ یہ انقلاب خیر کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے، ظلم کا خاتمہ کر کے عدل وانصاف قائم کرے۔

یاد رکھیئے کوئی عالمگیر اسلامی تحریک محض کسی ایک فرد کا کارنامہ نہیں ہوا کرتی، قائد محرک دور رہنما ضرور ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ باصلاحیت مخلصین کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا ہے اور ان کو منظم کرتا ہے۔ عالم اسلام کو اس وقت صحیح قیادت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ باصلاحیت اور باکردار مخلصین کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ اب صلاحیت پیدا کیے بغیر ہر ایک امام بننا چاہتا ہے، مقتدی بننے کے لیے کوئی تیار نہیں، جس

سے قیادت تو کیا سامنے آتی، نزاعات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔اس لیے قیادت کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مقتدی بننے کی ضرورت ہے۔

امام مالک کا ارشاد ہے کہ

لن یصلح آخر هذه الامة إلا ماصلح به اولها

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سب سے پہلے صبر و تقویٰ اختیار کیا اور ۱۳ سال تک تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ مشکلات سہنے کی طاقت تیار کی۔ عدل و انصاف اور عبدیت اپنے اندر پیدا کی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و محبت دلوں میں بٹھائی، جب اس تیاری کے بعد تلوار اٹھائی تو دنیا میں ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکا کیوں؟ اس لیے کہ یہ تلوار معاشرہ کے بہترین افراد کے ہاتھوں میں تھی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان احد میں اعلان فرمایا تھا کہ میری تلوار اس شخص کو ملے گی جو اس کا وعدہ کرے کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا۔ آخر میں تلوار ابو دجانہ کو ملی کہ اس سے عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف اور بے گناہ لوگ محفوظ رہیں۔

عزیز طلبہ ! ان مذکورہ صفات سے متصف ہو کر اپنے آپ کو اس آنے والے انقلاب کے لیے علمی اور اخلاقی طور پر تیار کرو اور باہمی اتحاد و اتفاق کی عادت ڈالو۔

حضرت والد صاحب (حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا، اتحاد تو تواضع کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے، قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور نرمی کو بیان کیا گیا ہے اور اعلان کر دیا گیا:

وما ارسلناك الارحمة اللعالمين

یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے

اور قرآنِ حکیم ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ

لَو کُنتَ فَظًّا غَلِیظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِک

یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج سخت ہوتا تو لوگ آپ سے بیزار ہو کر منتشر ہو جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور نرمی ورافت سکھلائی اور فرمایا کہ

بعثت لأتمم مکارم الأخلاق

"یعنی میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کر دوں"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی کو عملاً کر کے دکھایا اور قولاً صحابہ کرام کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ:

یسرا ولا تعسرا بشرا ولا تنفرا

یعنی تم لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا مشکل برتاؤ نہ کرنا، ان میں شوق پیدا کرنا انہیں بیزار نہ کرنا۔

ان صفات کے بغیر آپ امت میں اتحاد اور یکجہتی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے اندر حصول علم اور اس میں رسوخ کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی پیدا کرو، خود کو مقتدی (فرمانبردار) بناؤ۔ پھر امت خود ہی تم میں سے باصلاحیت قیادت کا انتخاب کر لے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اکابر دیوبند کی نمایاں خصوصیات

ہمارے علماء دیوبند کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت علم کی پختگی تھی علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی مہارت عطا فرمائی تھی کہ دوسروں پر ان کے علم کا رعب تھا۔ دوسرے فرقے کا بڑے سے بڑا عالم دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا تھا۔ علم کی اس پختگی کے ساتھ اخلاص، تقوی، خشیت اللھیت اور باطنی کمالات کا یہ حال تھا کہ ہمارے مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں کے صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔ دن میں دارالعلوم دیوبند ایک درسگاہ ہوتی تھی، رات کو خانقاہ بن جاتی ہے۔ تہجد کے وقت طلبہ اور اساتذہ اٹھتے تھے۔ کمروں سے رونے کی آواز میں آتی تھیں۔ گڑ گڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتے تھے۔

(اصلاحی تقریریں جلد 7 صفحہ 205)

کامل مسلمان کون؟

بتاریخ:10 مارچ 2004 جامع مسجد دار العلوم کراچی

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهدِهِ اللّٰہ فَلا مُضِلّ لَهُ وَمَنْ يُضللهُ فلا هادي له و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و سندنا و مولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله وصحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً۔

اما بعد!

عن عبدالله عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المُسلِم مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ . (متفق عليه)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

یہ حدیث جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، بخاری شریف میں بھی آئی ہے اور مسلم شریف میں بھی۔ ایسی حدیث جو بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہو اسے "متفق علیہ" کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

"مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔"

یہ ایسی عظیم الشان حدیث ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حدیث حفظ ہو۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ہم بالکل بچے تھے۔ دیوبند میں رہتے تھے۔ میں قاعدہ پڑھتا تھا، میری عمر اس وقت چھ سات سال ہو گی تو جمعرات اور جمعہ کے درمیان جو رات ہوتی تھی، اس میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ فرصت ہوتی تھی کیونکہ اگلے دن سبق نہیں پڑھانا ہوتا تھا جس کی وجہ سے

رات کو مطالعہ بھی نہیں کرنا ہوتا تھا۔ تو اس رات کو اور جب کبھی بھی ایسا موقع مل جاتا تو اُس وقت وہ ہمیں انبیاء کرام کے قصے سنایا کرتے تھے۔ وہی قصے ہم نے بعد میں کتابوں میں بھی پڑھے لیکن ہمیں جب یاد آتے ہیں تو کتابوں کے حوالے سے یاد نہیں آتے بلکہ والد صاحب کے سنانے کے حوالے سے یاد آتے ہیں۔ وہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت کی ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔

اسی زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا مشہور رسالہ "جوامع الکلم" کے نام سے لکھا تھا۔ درس نظامی کے مدارس میں یہ رسالہ طلبہ کو پڑھایا بھی جاتا ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس احادیث اور ان کا ترجمہ ہے۔ دیوبند میں بھی چھپی تھی۔ یہاں بھی چھپتی رہتی ہے۔ اب کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم کراچی کے استاد مولانا راحت علی ہاشمی صاحب نے اس رسالے پر آسان کی تشریح بھی لکھ دی ہے۔ جس کی وجہ سے اب وہ عوام کے لئے بہت کام کی چیز ہو گئی ہے۔ تو ان چالیس حدیثوں میں ایک حدیث یہ بھی تھی کہ

الْمُسلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِن لِسَانِهِ وَيَدِه

ہمیں یہ حدیث اس وقت سے حفظ یاد ہے۔ جس وقت والد صاحب نے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا۔

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ مراد یہ ہے کہ دوسروں کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ اگر کسی حق کی وجہ سے تکلیف پہنچانی پڑے جیسے جہاد میں کافروں کو تکلیف پہنچانی پڑتی ہے۔ اسی طرح چوروں کے ہاتھ کاٹنے پڑتے ہیں۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹنے پڑتے ہیں۔ قاتلوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تکلیف ممنوع نہیں کیونکہ یہ حق شرعی کی وجہ سے ہے۔ یہاں جس تکلیف سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ حدیث پورے اسلامی معاشرے سے متعلق احکام کا بنیادی اصول اور محور ہے۔ پہلے بھی یہ بات بتاتا رہتا ہوں کہ اسلام مذہب نہیں ہے، دین ہے۔ پوری زندگی کا دستور العمل ہے اور اگر اس کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے پانچ حصوں میں اس کی تعلیمات منقسم ہیں۔ پہلا حصہ ایمانیات ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کن چیزوں پر ایمان نہ لانا ضروری ہے۔ دوسرا حصہ عبادات ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی وغیرہ وغیرہ تیسرا بڑا حصہ معاملات ہے جیسے خرید وفروخت، تجارت، مزدوری، کاشتکاری، صنعت، اسی کے اندر حکومت، سیاست اور عدالتی نظام بھی آجاتا ہے۔ چوتھا بڑا حصہ معاشرت ہے۔ معاشرت کا لفظ "عشرت" سے نکلا ہے۔ عشرت کہتے ہیں "

زندگی" کو۔ معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گزارنا۔ یہ جملے آپ بہت سنتے ہوں گے کہ ہمارا معاشرہ ایسا ہے۔ ہمارا معاشرہ بہت زیادہ خراب ہو چکا ہے وغیرہ۔ یہ لفظ اصل میں معاشرت ہی ہے۔

اسلام نے معاشرت یعنی مل جل کر زندگی گزارنے کے احکامات بھی بہت تفصیل سے بتائے ہیں۔ ہر انسان کو تقریباً ہر وقت کسی نہ کسی انسان سے واسطہ پیش آتا ہے۔ آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ اس وقت آپ کا مجھ سے بھی واسطہ ہے اور برابر میں اور آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے بھی واسطہ ہے۔ نماز میں کھڑے ہوں گے تو وہاں آپ کا واسطہ امام سے بھی ہوگا اور اپنے دائیں بائیں والے نمازیوں سے بھی ہوگا۔ یہاں سے نکلیں گے تو جو راستے میں ملیں گے ان سے واسطہ ہے، گھر پہنچیں گے تو بیوی، بچوں، بہن، بھائی اور ماں باپ سے واسطہ ہوگا۔ بازار جائیں گے تو دکاندار اور دوسرے لوگوں سے واسطہ ہے۔ دفتر جائیں گے تو وہاں اپنے افسر اور اپنے ماتحتوں سے واسطہ ہے۔ دکان پر جائیں گے تو وہاں اپنے گاہکوں اور اپنے ملازمین سے واسطہ ہے۔ غرض ہر ایک انسان کو تقریبا ہر وقت کسی دوسرے انسان سے واسطہ ہے۔ انسان بدلتے رہتے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ زندگی گزارنے والا تقریبا ہر وقت ہوتا ہے تو ان کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ انہیں ادنی تکلیف اور ناگواری نہ ہو، یہ اسلامی معاشرت ہے۔ اور اسی اسلامی معاشرت کے احکام کا لب لباب اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو ادنی تکلیف اور ناگواری نہ ہو۔

یہاں ایک بات اور عرض کردوں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس تھی۔ ہم بھی حاضر تھے۔ تو حضرتؒ نے ایک سوال اٹھایا فرمایا کہ بھائی! یہ لفظ بہت استعمال ہوتا ہے کہ فلاں کام ادب کے خلاف ہے۔ فلاں کام ادب کے موافق ہے۔ فلاں باادب ہے، فلاں بے ادب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''ادب'' سے کیا مراد ہے؟ ہمیں تو کچھ ہمت نہ پڑی بولنے کی، اور بھی کوئی نہیں بولا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ یہ بات آپ مجھ سے سن لیجئے۔ فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ دوسرے کو آپ کے کسی قول یا فعل سے ناحق ادنی ناگواری پیش نہ آئے نہ چھوٹوں کو تکلیف پیش آئے، نہ بڑوں کو۔

اب جو یہ کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھو۔ زور زور سے نہ بولو، یہ بھی ادب ہے لیکن یہ ادب اس لئے ہے کہ اگر آپ اس طرح بیٹھو گے تو انہیں ناگواری نہیں ہوگی، اگر تن کر بیٹھو گے تو سمجھیں گے کہ یہ صاحب بہادر بن کر بیٹھا ہوا ہے، اس سے انہیں ناگواری ہوگی۔ زور زور سے بولو گے تو انہیں تکلیف پہنچے گی جس سے ناگواری ہوگی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے پیچھے پیچھے چلو کیونکہ آگے چلنے سے انہیں ناگواری ہوگی۔ لیکن یہ بات کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ جب ''ادب'' کی تعریف یہ ہوئی کہ ادب یہ ہے کہ دوسروں کو آپ کے قول و فعل سے ناحق ناگواری نہ ہو تو اس کے حساب سے ادب کی تفصیلات

اپنے موقع کے اعتبار سے مختلف ہوں گی۔ کبھی بڑوں کے پیچھے چلنا ادب ہو گا لیکن کبھی بڑوں کے آگے چلنا ادب ہو گا۔ مثلاً اگر راستہ تاریک اور خطرناک ہے، اس میں جھاڑیاں اور جھنکار ہیں تو وہاں ادب یہ ہے کہ آپ آگے چلیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر پیچھے چلنا ادب ہو گا۔

مسلم شریف کے اندر ایک واقعہ آتا ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم دو آدمی تھے۔ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے۔ وہ مسجد جا رہے تھے جب ہم نے ان کو دیکھا تو ان کو سلام کیا اور ان کے ساتھ ہو لئے اور بات کرنا شروع کر دی۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک طرف ہو گیا اور میرا ساتھی دوسری طرف ہو گیا۔

یہاں پر شارحین نے لکھا کہ ان صحابہ نے اپنے اس عمل کے ذریعے سے یہ ادب بتایا کہ اگر دو آدمیوں کو کسی بڑے سے بات کرنی ہو تو وہاں ادب یہ ہے کہ ایک دائیں طرف ہو اور دوسرا بائیں طرف۔ اگر یہ دونوں حضرات پیچھے چلتے تو بے ادبی کی بات ہوتی کہ اس میں اگلے آدمی کو بات سننے اور جواب دینے کے لئے بار بار پیچھے مڑنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دونوں حضرات ایک طرف ہو کر بات کرتے تو یہ بھی بے ادبی کی بات ہوتی کیونکہ اس صورت میں اگر دوسرے سے بات کرتے تو بیچ میں ایک آدمی کو چھوڑ کر جھانک جھانک کر کرتے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے سامنے آہستہ آواز میں بات کرنا ادب ہے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ بہت سے طلبہ ہم سے بہت آہستہ آواز میں بات کرتے ہیں۔ اور زیادہ ادب کرنا ہو تو منہ پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں۔ اب کچھ سنائی نہیں دیتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بار بار پوچھنا پڑتا ہے، پھر جا کر کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ ادب نہیں۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اتنی زور سے بولیں کہ وہ آسانی سے سن لیں۔ ہاں اتنی زور سے بھی نہ بولیں کہ یوں معلوم ہو جیسے تماشا کر رہے ہو۔ اور یہ بات آدمی اپنے عقل و فہم اور تربیت سے سیکھتا ہے کہ میرے کون سے فعل سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی اور کون سے فعل سے تکلیف نہیں پہنچے گی، کون سا موقع آہستہ بولنے کا ہے اور کون سا موقع اونچی آواز میں بات کرنے کا ہے۔ کون سا موقع آگے چلنے کا ہے، کون سا موقع ساتھ چلنے کا ہے اور کون سا موقع پیچھے چلنے کا ہے۔

ادب کی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے اور چھوٹوں کا بھی ہوتا ہے کیونکہ تکلیف سے تو چھوٹوں کو بھی بچانا ضروری ہے لہذا ایسی بات یا کام کرنا جس سے بچوں کو تکلیف پہنچے، بچوں کے ادب کے خلاف ہے۔ اللہ والوں کی باتیں سنت کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں۔ حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو بات فرمائی، یہ تقریباً وہی بات ہے جو جناب رسول شاہ نے ارشاد فرمائی کہ

المُسلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مَن لِسَانِهِ وَيده

مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ مامون و محفوظ رہیں

یہاں ایک اور بات سمجھ لیجئے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں 'مسلمون" کا لفظ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان تو محفوظ رہیں لیکن کافر محفوظ نہ رہیں یا جانور محفوظ نہ رہیں۔ یہ مطلب ہر گز نہیں۔ "مسلمون" کا لفظ آنحضرت نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ مسلمانوں کی بستی میں زیادہ تر واسطہ دوسرے مسلمانوں سے پیش آتا ہے ورنہ جس طرح مسلمانوں کو ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں، اسی طرح کافروں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

اور اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔ وہ دوسرے خواہ مسلمان ہوں خواہ کافر۔ یہ بہت اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ اس سلسلے میں بہت سے مسلمانوں کو غلط فہمی ہو جایا کرتی ہے۔ یہاں ہمارے ملک میں عام طور پر خاکروب عیسائی ہوتے ہیں یا ہندو ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ان کو جتنا چاہو تکلیف پہنچا دو، ہر گز درست نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے جس طرح کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح ان بیچاروں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ ان کو گالی دینا، ان کو ناحق برا بھلا کہنا، ان کی دل آزاری کرنا، ان کو مارنا پیٹنا اور ان کا حق مار لینا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مسلمان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا حرام ہے۔

بلکہ اسلام نے تو جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دی۔ ان کے بھی حقوق مقرر کئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جانورں کے حقوق سے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ہے "حقوق البھائم" (جانوروں کے حقوق) اس میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے جانوروں کے کیا کیا حقوق رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں جانوروں کے حقوق سے متعلق بڑی تفصیلات ہیں۔ اگر آپ نے کسی جانور کو پال رکھا ہے تو ان کے کھانے پینے کا انتظام آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس کی پشت پر اتنا بوجھ لادنا جائز نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔

مولانا اصغر حسین دیوبند میں رہتے تھے۔ مادر زاد ولی اللہ کہلاتے تھے۔ ہمارے والد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے اور ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ بڑے اونچے درجے کے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ان کی باتیں بڑی ظرافت والی اور حکیمانہ ہوتی تھیں۔ کئی عظیم الشان تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ والد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب کے ساتھ ہم بھی کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ ہم تو اس لئے

جایا کرتے تھے کہ ان کے ہاں جو بچے بھی جاتے، ان کو مٹھائی ملتی تھی۔ ہم جاتے تو ہمیں بھی ملتی۔ ان کے سرہانے مٹھائی رکھی رہتی تھی جب کوئی بچہ آتا، وہ اسے کچھ مٹھائی دے دیتے۔ اور ہم بہن بھائیوں میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو والد صاحب انہی کے پاس لے جاتے۔ وہ جھاڑ پھونک کرتے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب ٹھیک ٹھاک ہو جاتے۔ ڈاکٹر اور حکیم کا نمبر شاذ و نادر ہی آتا، زیادہ تر انہی کے تعویذ اور جھاڑ پھونک سے کام چلتا تھا۔ دوسرے لوگوں کا خیال رکھنے میں ان کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

آپ جس محلے میں رہتے تھے وہ غریبوں کا محلہ تھا۔ سب کے مکان کچے تھے۔ حضرت کا مکان بھی کچا تھا۔ برسات ہوتی تو اس کی مٹی بہہ جاتی۔ اس کی لیپائی پوتائی کرنا پڑتی۔ سال میں ایک دو دفعہ لیپائی پوتائی کی نوبت آ ہی جاتی جس پر اچھی خاصی محنت صرف ہوتی۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ حضرت! اس پر سیمنٹ کا پلستر کروا دیں۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بھی کہا۔ ان کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب کوئی چھوٹا انہیں کوئی مشورہ دیتا تو اس کی حوصلہ افزائی بھی بہت فرماتے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب تو گنجائش ہے۔ آپ اپنے مکان پر سیمنٹ کا پلستر کرا دیجئے۔ فرمانے لگے "کتنی عقلمندی کی بات کی۔ ماشاءاللہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔"

تعریف فرما دی لیکن بعد میں کچھ نہیں کیا۔ والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اور مرتبہ یاد دلایا۔ اس پر بھی خوب تعریفیں کیں کہ ماشاءاللہ کتنی عمدہ تجویز دی۔ بڑی حکیمانہ بات کی، فضول سال میں دو مرتبہ ہم تکلیف اٹھاتے ہیں، خرچہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہاں بھائی! آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد بھی کچھ نہیں کیا۔ والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر ایک مرتبہ یاد دلایا تو فرمایا کہ دیکھو بھائی! بات یہ ہے کہ اس محلے میں سارے گھر غریبوں کے ہیں، سب کے گھر کچے ہیں۔ اگر میں نے اپنا گھر پکا بنوا دیا تو ان کے دل ٹوٹیں گے، ان کے بچوں کے دل ٹوٹیں گے۔ چنانچہ جب تک اس محلے کے سارے مکانات کے نہیں بن گئے، حضرت میاں صاحب نے اپنا مکان پکا نہیں بنوایا، یہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسلمون من لسانه ويده پر عمل کرنے والے۔

حضرت والد صاحب نے ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے آم کھائے۔ والد صاحب کو بھی کھلائے۔ جب چھلکے اور گٹھلیاں جمع ہو گئیں تو والد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ میں پھینک کر آتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں آپ رہنے دیں۔ والد صاحب نے جب بار بار اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پھینکنے آتے ہیں؟ والد صاحب کہنے لگے کہ ہاں پھینکنا کونسا مشکل کام ہے۔ باہر کوڑے پر پھینک کر آ جاؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں، آپ کو پھینکنے نہیں آتے۔ والد صاحب نے

پوچھا کہ ان کے چھینکنے میں کونسا فلسفہ ہے جو مجھے نہیں آتا۔ فرمایا، بہت گہرا فلسفہ ہے۔ رات کو جب سب سو جاتے ہیں تو گلی سے باہر نکل کر سڑک کے پاس یہ گٹھلیاں پھینکتا ہوں جہاں سے صبح سویرے لوگ اپنے ڈنگروں (جانوروں) کو لے کر گذرتے ہیں۔ وہاں سے جانور گذرتے ہوئے انہیں کھا لیتے ہیں۔ یہاں اس لئے نہیں ڈالتا کہ یہ غریبوں کا محلہ ہے، اگر دن کے وقت ان کو یہاں ڈالا تو غریبوں کے بچے جب ان چھلکوں کو دیکھیں گے تو ان کے دلوں کو حسرت ہو گی، ان کا دل ٹوٹے گا۔

ان کا ایک اور واقعہ تو ایسا عجیب و غریب ہے کہ آج اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ واقعہ ہم نے اپنے والد صاحبؒ سے بھی سنا اور اپنے بڑی بھائی ذکی کیفی صاحب مرحوم سے بھی بار بار سنا۔ ہمارے بڑے بھائی ذکی کیفی صاحب ان کے بڑے لاڈلے تھے اور بہت کثرت سے ان کے پاس جاتے رہتے تھے۔ وہ ان کے عجیب عجیب قصے اور لطیفے سنایا کرتے تھے۔ ایک عجیب قصہ یہ سنایا کہ ان کے پاس ایک مشہور ناول تھا جسے وہ کسی دکاندار سے کرائے پر لے کر آئے تھے۔ جب پڑھ لیا تو دکاندار کو واپس دینے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں خیال آیا کہ میاں صاحب کا گھر درمیان میں پڑتا ہے۔ چلو، ان سے سلام کرتے ہوئے چلا جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہ ناول اپنے نیفے میں اڑس لیا اور اوپر سے کرتہ ڈال دیا اور پھر سلام کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچا، سلام کیا، حضرت نے خیر خیریت دریافت کی اور اس کے بعد فرمانے لگے میاں ! وہ انور ناول کیسا ہے ؟ (ناول کا نام "انور" تھا) آپ چونکہ صاحب کشف بزرگ تھے، اس لئے انہیں پتہ چل گیا کہ اس نے ناول چھپا رکھا ہے۔

بھائی جان صاحب ہی نے ان کا یہ قصہ بھی سنایا کہ حضرت جس محلے میں رہتے تھے۔ راستے میں ایک فاحشہ عورت کا مکان پڑتا تھا۔ وہ پیشہ ور کسبی عورت تھی۔ کسی زمانے میں وہ جوان تھی تو اس کے پاس گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہو گئی تھی تو گاہک نہیں آتے تھے۔ وہ رات کو بن سنور کر بیٹھتی تھی کہ شاید کوئی گاہک آجائے لیکن عام طور پر کوئی گاہک نہیں آتا تھا۔ حضرت میاں صاحب جب اس کے گھر سے گذرتے تو پاؤں سے جوتے نکال لیتے اور ننگے پاوں وہاں سے گذرتے، البتہ آگے جا کر پہن لیتے۔ والد صاحب اور بھائی صاحب نے ان کو کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے ؟ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں ؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔ لیکن اس وقت وجہ نہیں بتائی۔ پھر کچھ عرصے بعد جب والد صاحب نے پوچھا تو فرمانے لگے کہ دراصل بات یہ ہے کہ پہلے جب یہ عورت جوان تھی۔ اس کے پاس گابک بہت آتے تھے۔ اب بوڑھی ہو گئی ہے۔ گابک نہیں آتے لیکن یہ انتظار میں رہتی ہے۔ میں اس کا گھر آنے سے بہت پہلے جوتے اس لئے اتار لیتا ہوں تاکہ میرے قدموں کی آہٹ اس کو سنائی نہ دے کیونکہ اگر اس کو آہٹ سنائی دے گی تو اس کے دل میں امید پیدا ہو گی کہ شاید کوئی گاہک آیا

ہے اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا تو بلا وجہ ایک مسلمان کا دل کیوں دکھاؤں، دیکھئے! ایک کسی عورت کے بارے میں حضرت کی یہ احتیاط تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل بھی ساری زندگی یہ رہا کہ آپ کے کسی عمل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں بھی لیٹ گئی اور جناب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لیٹ گئے۔ (حجرہ تنگ تھا سرہانے کی طرف سے باہر نکلنے کا راستہ نہ تھا البتہ پائنتی کی طرف سے راستہ تھا) میں آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھے کہ میں سو رہی ہوں حالانکہ میں جاگ رہی تھی۔ آپ نے میرا اس طرح خیال فرمایا کہ آپ آہستہ آہستہ پائنتی کی طرف سرکے، پھر بہت آہستہ سے جوتے پہنے، پھر بہت آہستہ آہستہ قدم بڑھا کر چلے، پھر چپکے سے دروازہ کھولا، پھر بہت آہستہ سے دروازہ بند کیا اور باہر چلے گئے۔ حضور جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ واپس آرہے ہیں تو یہ بھی بھاگ کر واپس اپنی جگہ پر لیٹ گئیں۔ فرماتی ہیں کہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ تمہارا سانس پھولا ہوا کیوں ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وجہ بیان کی کہ میں آپ کے پیچھے آئی تھی اور پھر آپ کو واپس آتا دیکھ کر جلدی سے بستر پر آکر لیٹ گئی۔

دیکھئے! اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمرے سے باہر نکلنے میں کتنی احتیاط فرمائی کہ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے سب کام کئے تاکہ عائشہ صدیقہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ اب ہم اپنا عمل دیکھیں کہ ہم دوسرے لوگوں کو اذیت سے بچانے کی کتنی کوشش کرتے ہیں۔ آج کل یہ عادت عام ہو گئی ہے کہ کمرے میں جب کچھ لوگ سو رہے ہوں تو نیا آنے والا بتی ضرور کھولتا ہے۔ حالات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر جا کر اپنی جگہ سو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی نیند کمزور ہوتی ہے۔ لائٹ جلنے سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے تو اس عمل سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ وہ تکلیف ہے جو ہم اپنے عمل کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح ہم زبان سے بھی لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ لاؤڈ سپیکر ایسا خطرناک آلہ ہے کہ زبان سے تکلیف پہنچانے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ اس سے جتنی چاہو، دوسروں کو تکلیف پہنچادو۔ سوتوں کو جگادو، عبادت کرنے والوں کی عبادتیں خراب کردو اور جتنا چاہو، دوسروں کو ستالو۔ خود یہاں بیٹھے ہیں اور اس کی مار دور دور تک ہو رہی ہے۔

حدیث میں جو فرمایا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اس میں زبان کا ذکر پہلے ہے اور ہاتھ کا بعد میں۔ ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت کم آتے ہیں جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانا مشکل بہت ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانا آسان بہت ہے۔ آپ کسی طاقتور کو ہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچا سکتے، اگر آپ اُسے ہاتھ سے تکلیف پہنچائیں گے تو وہ آپ کی مرمت کر دے گا لیکن زبان ایسی چیز ہے کہ کمزور سے کمزور آدمی طاقتور سے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے مثلاً ٹیلی فون کر کے تکلیف پہنچادی، لاؤڈ سپیکر پر گالی دے دی یا ریڈیو اور ٹی وی پر برا بھلا کہہ دیا۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں محنت خرچ ہوتی ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے میں کوئی محنت خرچ نہیں کرنا پڑتی۔ اسی لئے زبان کے ذریعے سے پہنچائی جانے والی تکلیفیں زبان کی تکلیفوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہیں تو چونکہ اس کی تکلیفیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے زبان کا ذکر ہاتھ سے پہلے فرمایا۔

اسی طرح زبان و ہاتھ کا تذکرہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے اعضاء مثلاً ٹانگ، آنکھ یا سر سے کسی تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ ہر گز جائز نہیں۔ ان دو اعضاء کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر انہی دو اعضاء سے دوسروں کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ کسی بھی انسان یا جانور کو ناحق تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں اور اگر کوئی مسلمان اس طرح کرتا ہو تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُسے مسلمان کہا جائے۔ اس لئے صحیح اور کامل مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ ہماری زبان و ہاتھ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

ہم کہاں جارہے ہیں؟

بتاریخ 14 مئی 2004 دارالعلوم کراچی

الحمد لله نحمده و نستعينه، و نستغفره و نومن به و نتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادي له و نشهد أن لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهد أن سيدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله و صحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

اما بعد:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

ولا تدخلون الجَنّةَ حَتّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّى تَحَابّوا أَوَلا أَدُلُكُمْ عَلَى شَيْيّ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُم (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أنــه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون ، الخ رقم الحديث: ٥٤)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

پچھلے کئی جمعوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے متعلق بیان چل رہا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ :

"تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ اور تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ اگر وہ کرنے لگو تو تمہارے درمیان محبت قائم ہو جائے؟ وہ چیز یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنے کو رواج دو۔"

آج میں اس حدیث سے متعلق ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''تم جنت میں نہیں جاسکتے، جب تک مؤمن نہ بنو اور ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو'' یہ ایک بنیادی چیز ہے اور اسلامی برادری کی جان ہے۔ اسلام میں برادری کی بنیاد ایمان ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

انما المؤمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات، آیت نمبر ۱۰)

بلاشبہ، تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

ایمان والے خواہ کوئی بھی زبان بولنے والے ہوں، کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں، کسی بھی نسل سے ان کا تعلق ہو، کسی بھی تنظیم کے رکن ہوں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کلمہ طیبہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

"تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، اگر سر میں درد ہوتا ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے، تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے (صحیح مسلم، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم و تعاضدھم، رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

گویا دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان کو تکلیف پہنچے، وہ مسلمان خواہ افریقہ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا، یورپ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سارے مسلمان بے چین ہو جائیں۔

اس وقت ہم اس بات کا رونا رو رہے ہیں کہ دنیا کے مختلف کونوں میں دشمنان اسلام ہمارے بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں، عراق میں کیسے کیسے مظالم توڑے جا رہے ہیں، افغانستان پر کیسے مظالم ڈھائے گئے، کشمیر اور فلسطین میں برسوں سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے سامنے چنگیزیت بھی شرما جائے۔ پوری دنیا ان مظالم کو دیکھ رہی ہے اور عالم کفر اس پر ناراض نہیں ہے، وہ بیان دے دیتے ہیں، قرارداد پاس کر دیتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مظالم کی وجہ سے ان کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں رینگتی کیونکہ وہ مطمئن ہیں کہ ہم نہیں مر رہے بلکہ مسلمان مر رہے ہیں۔

دکھ ہوتا ہے تو اہل ایمان کو ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم کو اپنے ان مسلمانوں کی تکلیف اور مظالم کی چکی میں پسنے پر دکھ ہو۔ جو حدیث میں نے خطبہ میں پڑھی ہے، اس کا ایک سبق بھی یہی ہے لیکن افسوس صد افسوس اس بات پر کہ ہم

خود آپس کے میل جول میں اس سبق کو یکسر بھول چکے ہیں، کراچی میں الیکشن کے دنوں میں جو کچھ ہوااور پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ہم سب کے سامنے ہے۔ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ یہ کس کھاتے میں جائے گا؟ان پر کون روئے گا؟ اس میں ہم الزام کس پر ٹھہرائیں گے۔ادھر بھی بھائی ادھر بھی بھائی۔ایک مسلمان خواہ کسی بھی پارٹی کا ہو، خواہ اس کی پارٹی سے ہمارا اتفاق ہو یا اختلاف لیکن وہ ہے تو ہمارا بھائی۔ وہ اسلامی برادری کا حصہ تو ہے۔ لیکن دکھ یہ ہے کہ یہی اسلامی برادری ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہی ہے۔اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

کفار کے بارے میں تو ہم زور شور سے کہتے ہیں اور کہنا بھی چاہئے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھا دیئے، غیر مسلموں نے مسلمانوں کا قتل عام کر دیا لیکن یہ مقدمہ کونسی عدالت میں لے جائیں کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلہ کاٹ دیا؟

ہمارے ایمان نے تو ہمیں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تئیس ۲۳ سالہ محنت کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات پھیلا چکے، اسلام کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں حکمران بنا چکے، امن وامان اور عدل وانصاف پورے جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہو چکا تھا، اور اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے، وصال سے تقریباً تین ماہ قبل آپ نے حج فرمایا، جسے ''حجتہ الوداع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس خطبے میں ایسی باتیں ارشاد فرمائی تھیں جیسے کوئی باپ رخصت ہوتے وقت اہم اہم باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو کرتا

اس موقع پر آپ نے ایک نصیحت یہ فرمائی:

لَا تَرجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بعضكم رِقَابَ بعض (مسلم، كتاب الإيمان)

تم میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

آپ نے مسلمانوں کے آپس میں دست و گریبان ہونے سے اس لئے بھی منع فرمایا تھا کہ جب مسلمان آپس میں جنگ و جدال اور لڑائی شروع کر دیتے ہیں تو اس کا نقصان اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اور آپ نے اس سے منع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ

لا ترجعوا بعدی کفارا

(میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا)

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ایک مسلمان کا کام نہیں بلکہ یہ کام کافروں کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کسی مسلمان کی گردن مارے۔ ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ کتنا ہی شدید اختلاف رکھتا ہو، سیاسی اختلاف ہو یا تنظیمی اختلاف ہو، رائے کا اختلاف ہو یا کسی شرعی مسئلے میں اختلاف ہو، لیکن جب ادھر بھی مسلمان ہو اور ادھر بھی مسلمان ہو تو شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مال، جان یا آبرو کو نقصان پہنچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

إن دماء كم و اموالكم و اعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا

اسلام نے تو ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ ہم کسی دوسرے کے مال، عزت اور جان سے کھیلیں لیکن افسوس کہ ہمارا شہر کراچی برسوں سے خون میں نہا رہا ہے۔ گن پوائنٹ پر کاریں چھنتی ہیں، گھر لٹتے ہیں، مال بھی لٹ رہے ہیں، عزتیں بھی لٹ رہی ہیں، جانیں بھی جا رہی ہیں۔

یوں تو یہ کھیل عرصے سے کھیلا جا رہا ہے، لیکن الیکشن کے موقع پر اس میں اور شدت آجاتی ہے۔ الیکشن کا کام اصل میں تو پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ قیادت کے چناؤ کے لئے ہوتا ہے۔ الیکشن لڑنے والے اس بات کے دعویدار ہوتے ہیں کہ ہم قوم اور ملت کی رہنمائی کریں گے، ان کی جان ومال کی حفاظت کریں گے اور ان کے مسائل حل کریں گے۔ اگر اس الیکشن کے اندر بھی ایک دوسرے کی گردنیں ماری جائیں اور جان ومال کو نقصان پہنچایا جائے تو بتلائے کہاں پناہ ملے گی؟

کلمہ پڑھنے والا ہمارا بھائی ہے، خواہ کسی بھی تنظیم کا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اچھا بھائی نہیں۔ لیکن برے بھائی کو بھی گھر سے نکالتے تو نہیں، اس سے بھی تو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہیں، اسے بھی تو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تو جس طرح خونی رشتے والے بھائی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا جائز نہیں، اسی طرح اسلامی بھائی پر بھی اسطرح کے مظالم ڈھانا جائز نہیں۔

افسوس صد افسوس یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے شہر میں ہو رہا ہے، کسی گاؤں، گوٹھ میں نہیں ہو رہا، ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی بستیوں میں نہیں ہو رہا، پڑھے لکھے لوگوں کے علاقوں میں ہو رہا ہے۔ سارا عالم کفر تمہارے مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ جن کی کتنے سالوں سے پرانی دشمنی چل رہی تھی، وہ بھی متفق ہو گئے روس والے امریکہ سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ

اگر تم مسلمانوں کو مٹاؤ تو ہمیں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ امریکہ والے ان سے کہتے ہیں کہ تم چیچنیا اور بوسنیا پر ظلم ڈھاتے رہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح ہندو ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا کوئی دوسری غیر مسلم اقوام، یہ سب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ابھرنے والی طاقت ''اسلام'' ہے۔ جس طرح ممکن ہو اس کا راستہ روکو۔

تو عالم کفر تو تمہیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ کر اپنے آپ کو مٹانے پر تلے ہوئے ہو۔ بتاؤ پھر امان کہاں ملے گی؟ اور ایسی قوم کہاں رہے گی جس کے دوسرے بھی دشمن اور اپنے بھی دشمن، دوسرے بھی اس کو ماریں اور خود بھی ایک دوسرے کی گردنیں اڑائیں۔

یہ سیٹیں یہیں دھری رہ جائیں گی، یہ عہدے اور رکنیتیں یہیں رہ جائیں گی۔ جب یہ ظاہری آنکھ بند ہو گی اور دوسرا عالم سامنے آئے گا تو وہاں نہ یہ میں ہوں گی اور نہ عہدے و رکنیتیں، وہاں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا، وہاں یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس کام کیلئے دنیا میں بھیجا تھا اور تم نے وہاں کیا کام کیا؟ وہاں تو ایک ایک لمحے کا، ایک ایک چیز کا، ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون کا حساب ہو گا۔

آدمی یہ سارے دھندے اس وقت کرتا ہے جب وہ قبر کو بھول جاتا ہے۔ جب آخرت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو وہ قتل و غارت بھی کرتا ہے، لڑائیاں بھی کرتا ہے، گالیاں بھی دیتا ہے اور دشمنیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن وہ شخص جسے اپنی قبر یاد ہو، وہ ان دھندوں میں لگنے کے بجائے اپنی آخرت بنانے کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے، جس سے میری قبر برباد ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

حبّ الدُّنْیا رأسُ کلّ خطیئة (کشف الخفاء، ج 1 ص ٣١٢ رقم الحدیث: ١٠٩٩)

دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔''

جب آدمی کے دل میں دنیا کی محبت سما جائے۔ مال و دولت، عہدہ اور شہرت اس کا مطمحِ نظر بن جائے تو پھر وہ ہر قسم کے گناہ کرتا ہے۔ قتل و غارت گری بھی کرتا ہے۔ ظلم بھی ڈھاتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی بھی کرتا ہے غرضیکہ سب کچھ کرتا ہے۔ انبیاء کرام یہی بتلانے کے لئے آتے تھے کہ اگر تم نے اپنی قبر کو بھلا دیا اور موت سے غافل ہو گئے تو تمہاری یہ زندگی بھی جہنم بن جائے گی۔ اگر تم اس زندگی کو پر امن رکھنا چاہتے ہو اور اسے خوشیوں کا گہوارہ بنانا چاہتے ہو تو اپنی قبر کو یاد رکھو، ورنہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے، بھیڑیئے اور درندے بن کر جنگل کا قانون رائج کرو گے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون رائج ہو گا۔ آج

پورا شہر سوگوار ہے، سارے کام معطل پڑے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک مسلمان کے قتل سے اگر اتنی سوگواری بلکہ اس سے بھی زیادہ سوگواری ہو تو بھی بجا ہے، اس لئے کہ مسلمان کے خون کی عظمت، ایسی ہے جیسے بیت اللہ کی۔

قرآن مجید میں ہے کہ :

ومَن یقتل مومنا متعمدا فجزاء ہ جھنم خلدًا فیھا لہ و غضب اللہ علیہ ولعنہ و اعدلہ عذاباً عظیماً(النساء 93)

اور جس شخص نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کا بدلہ جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور اس پر اللہ نے لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یہ قرآن کا فرمان ہے، کوئی مولوی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ کیسی خطرناک وعید ہے۔

جتنے بھی مسلمان مارے گئے، وہ ہمارا ہی نقصان ہے۔ کسی یہودی، ہندو یا عیسائی کا نہیں ہوا۔ ہماری پونجی لٹی ہے۔ ایک ایک مسلمان ہماری طاقت ہے، اس واقعے سے ہماری ہی طاقت کمزور ہوئی ہے۔ اس پر ہم جتنا بھی غم کریں، بجا ہے۔ اور یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آئندہ کے لئے اس بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔

ہماری دشمن قومیں جو ہم پر یلغار کر رہی ہیں، وہ کبھی آپس میں اس طرح نہیں لڑتیں۔ وہ دوسروں کو مارنے میں تو چنگیز خان اور ہلاکو خان سے بھی آگے ہیں، لیکن آپس میں متحد ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا کی سرحد تقریباً پانچ ہزار میل تک ملی ہوئی ہے۔ اس پوری سرحد پر دونوں ملکوں کا کوئی ایک فوجی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے آپس میں معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، آپس میں لڑیں گے نہیں، کیونکہ ہمیں لڑنا تو دوسروں سے ہے۔ آپس میں لڑ کر ہمیں اپنی طاقت ختم نہیں کرنی، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سات سمندر پار بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور ہم، ہمارے پاس مادی اسباب ان سے زیادہ ہیں، قدرتی وسائل اتنے ہیں کہ کسی اور قوم کے پاس نہیں لیکن اس سب کے باوجود ان کے محکوم ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا لالچ سامنے ہو، دوسرے کی گردن مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پیسے کا لالچ ہو یا عہدے کا ہمیں مسلمان کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جس قوم کی خود غرضی اس حد تک پائی جائے، اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ تاریخ کا بے رحم ہاتھ ایسی قوموں سے اقتدار چھین لیا کرتا ہے۔

دنیا دارالاسباب ہے، دارالجزاء نہیں۔ حکمرانوں والی صفات پیدا کروگے تو حکمرانی ملے گی، غلاموں کی صفات اپناؤ گے تو غلامی ملے گی۔ صرف ایمان لائے اور نماز پڑھنے سے غلامی نہیں جائے گی۔ اس کے لئے وہ اعمال کرنے پڑیں گے جو غلامی کو مٹانے والے ہیں۔ قرآن مجید نے کہیں بھی مطلق یہ وعدہ نہیں کیا کہ صرف ایمان لانے پر حکمرانی ملے گی۔ کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ اگر مسلمان ایمان پر قائم رہے اور نماز روزہ کی پابندی کرتے رہے تو انہیں حکمرانی مل جائے گی۔ بلکہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا کہ:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور 55)

اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک اعمال کیسے ضرور بضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

"عملواالصالحات" میں جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوۃ داخل ہے۔ اسی طرح سچ بولنا، سچی گواہی دینا حسن معاشرت، اخوت، مال حرام سے بچنا، دوسرے کی بددعا سے بچنا، دوسرے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ ان سب کا مجموعہ اعمال صالحہ ہے۔ جب تمام اعمال صالحہ بجالائے جائیں گے تو زمین میں اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کو خلافت عطا کی جائے گی۔

آج بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اقتدار سے محروم ہیں، حالانکہ ایمان بھی لائے ہوئے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دیگر عبادات بھی بجالاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم نے تمام اعمال صالحہ کو اختیار نہیں کیا جن کی بنیاد پر خلافت ملا کرتی ہے۔ ہم نے وہ صفات اختیار نہیں کیں جو اقتدار کے لئے شرط تھیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ یورپ نے ہماری بہت کی اچھائیاں لے لیں اور یہ ساری اچھائیاں وہ تھیں، جو دنیا بنانے والی تھیں۔ اب ہمارے پاس جو اچھائیاں باقی ہیں جیسے نماز، روزہ، ان سے جنت تو ملے گی لیکن اس پر اقتدار کا وعدہ نہیں، لیکن دنیا بنانے والی اچھائیاں ہمارے اندر موجود نہیں۔ ہماری یہ اچھائیاں انہوں نے لے لیں اور ان کی برائیاں ہم نے لے لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے حصے میں غلامی آگئی اور ان کے حصے میں حکومت آگئی۔ یہ کافر قومیں آپس میں اس طرح گردنیں مار کر اپنی طاقت برباد نہیں کر رہیں، جس طرح ہم اپنی طاقت برباد کر رہے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جتنے مسلمان کشمیر میں مرتے ہیں، اتنے کراچی میں بھی مر جاتے ہیں، جتنے فلسطین میں مرتے ہیں، اتنے پاکستان میں بھی مر جاتے ہیں۔ فرق کیا رہا کافر میں اور مسلمان میں؟ کس کس کا رونا روئیں؟!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں محبت کا درس دیتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک تمہارے اندر ایمان نہ ہو اور تمہارا ایمان پورا نہیں ہو گا جب تک تمہاری آپس میں محبت نہ ہو۔ اور پھر محبت قائم کرنے کے طریقے بتلا رہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ بتلایا کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ ہم نے اس طریقے کو ترک کر رکھا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ بتلایا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو تمہاری صفیں بالکل سیدھی ہونی چاہئیں اور فاصلے نہیں ہونے چاہئیں ورنہ تمہارے دلوں میں فرق آجائیں گے۔ آج ہمارے ہاں عام طور پر صفوں کے برابر کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی پابندی نہیں کی جاتی۔

غرضیکہ آج جب ہم ان اعمال کی پابندی نہیں کر رہے جن کی وجہ سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں دشمنیاں پھیل رہی ہیں۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دشمنی کے اسباب اختیار کئے جا رہے ہیں۔ غیبت کرنے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے، چغلی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ گالی دینے اور بہتان لگانے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔

اس وقت ہم کیا کریں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، سوائے اس کے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے آہ وزاری سے دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اس حماقت سے نکال دے۔ ہمارے اندر محبتیں پیدا فرما دے۔ ہمارے سیاسی اختلافات دشمنیوں کی حد تک نہ آئیں۔

اگر اب بھی ہمیں عقل نہ آئی تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کب آئے گی۔ کیا اس وقت عقل آئے گی جب ہم رہی سہی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور دشمن ہمارے اوپر پوری طرح قابض ہو جائیں۔ اللہ پناہ میں رکھے اس وقت سے کہ جب یہاں دشمن کا دور دورہ ہو اور دشمن کی حکومت ہو۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس قوم کی یہ حالت ہوا کرتی ہے، وہ غلامی کی طرف جایا کرتی ہے۔ یہ آثار اقتدار کی طرف جانے والے نہیں، غلامی کی طرف جانے والے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ اگر ہماری یہی حالت رہی تو کب ہم سے ہماری یہ آزادی چھن جائے۔ اللہ ہمیں وہ غم نہ دکھائے کہ ہم وہ المناک وقت دیکھیں، اس وقت سے پہلے ہمیں اٹھا لے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ

کی وفات پر علماء کرام کے

تعزیتی پیغامات

تحریک اتحاد بین المسلمین پاکستان کے سرپرست مولانا شکیل الرحمن نے مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مفتی صاحب کی علمی خدمات قابل قدر ہیں۔ اسلام کی دعوت کو پھیلانے اور فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے اندرون وبیرون ممالک میں بہت کام کیا، ہزاروں علماء اور شاگردان کے صدقہ جاریہ ثابت ہونگے، اللہ تعالی آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حافظ نعیم الرحمن صاحب

امیر جماعت اسلامی کراچی حافظ نعیم الرحمن نے مفتی اعظم پاکستان، رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دینی و علمی خدمات کا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

مرحوم کی رحلت سے وطن عزیز معتبر اور جید عالم دین، ایک بڑی علمی و دینی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔ دینی و علمی اور فکری میدان میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ حافظ نعیم الرحمن نے مفتی ولی رازی اور مفتی تقی عثمانی سمیت مرحوم کے تمام سوگواروں سے دلی تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کی مغفرت اور لواحقین وپسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی ہے۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ممتاز عالمِ دین جسٹس (ر) مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی صدر دار العلوم کراچی مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے وصال پر گہرے رنج و غم کا اِظہار کیا ہے اور اُن کے لیے بلندیِ درجات کی دعا کی ہے۔ مرحوم کی عالمِ اسلام کے لیے گراں قدر علمی و عملی خدمات ہیں۔ آپ ایک بہترین مدرس، مصنف اور محقق تھے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک علم و تحقیق میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں قربِ خاص سے نوازے اور اعلیٰ علیین میں بلند مقامات عطا فرمائے۔ اللہ رب العزت مفتی تقی عثمانی صاحب و دیگر اہلِ خانہ اور تمام متعلقین و تلامذہ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور صبر و سکون کی دولت نصیب فرمائے۔

Dr Tahir-ul-Qadri
@TahirulQadri

I am deeply saddened on the passing away of Mufti Muhammad Rafi Usmani, a renowned scholar and President of Dar-ul-Uloom Karachi. May Allah Almighty accept his services for Deen and grant him higher place in paradise. Extending heartfelt condolence to his family.
@muftitaqiusmani

11:15 pm · 18 Nov 2022

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کا حضرت والاؒ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

مولانا فضل الرحمن صاحب

مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی وفات سے پاکستان ایک متوازن افکار و نظریات کے حامل، معتدل، بلند پایہ فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا، ان کی گراں قدر علمی خدمات کو یاد رکھا جائے گا، انہوں نے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، ان کی وفات سے دل رنجیدہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر کی توفیق دے۔

Maulana Fazl-ur-Rehman
@MoulanaOfficial

مفتی محمد رفیع عثمانی رح کی وفات سے پاکستان ایک متوازن افکار ونظریات کے حامل،معتدل،بلند پایہ فقیہ اور مفتی سےمحروم ہوگیا، ان کی گراں قدر علمی خدمات کویاد رکھاجائے گا،انھوں نےاسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی،ان کی وفات سے دل رنجیدہ ہے،اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبرکی توفیق دے

Translate Tweet

10:18 PM · Nov 18, 2022

2,275 Retweets **138** Quote Tweets **9,601** Likes

مولانا فضل الرحمن صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر ٹویٹر پیغام

مولانا طارق جمیل صاحب

مفتی اعظم ابن مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ اب ہم میں نہیں رہے ان کی شخصیت نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کا سرمایہ تھی، انکی وفات پر دل بہت غمگیں ہے اللہ مفتی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

Tariq Jamil
@TariqJamilOFCL

مفتی اعظم ابن مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ اب ہم میں نہیں رہے ان کی شخصیت نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کا سرمایہ تھی، انکی وفات پر دل بہت غمگین ہے اللہ مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے #WafatMuftiRafiUsmani

Translate Tweet

10:33 PM · Nov 18, 2022

3,087 Retweets 111 Quote Tweets 22.2K Likes

مولانا طارق جمیل صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

وہ مجھ سے ہر حیثیت سے بڑے تھے لیکن طالب علمی سے لیکر آج تک زندگی کے ہر مرحلے میں ہمارا پچھتر سالہ ساتھ چھوٹ گیا اظہار جذبات کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں اللہ تعالی ان کو درجات عالیہ عطا فرمائیں اور انکے فیوض کو انکے لئے صدقہ جاریہ بنائیں اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں۔

Muhammad Taqi Usmani @muftitaqiusmani · Nov 19, 2022

اناللہ واناالیہ راجعون میرے بڑے مشفق بھائی اور عالم اسلام کی عظیم شخصیت پیکرعلم وعمل مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمة اللہ تعالی علیہ رحلت فرما گئے انکی نماز جنازہ انشاء اللہ اتوار ۲۰ نومبر کو ۹ بجے دارالعلوم کراچی میں ہوگی

2,114 5,681 27.6K

Muhammad Taqi Usmani
@muftitaqiusmani

وہ مجھ سے ہر حیثیت سے بڑے تھے لیکن طالب علمی سے لیکر آج تک زندگی کے ہر مرحلے میں همارا پچھتر سالہ ساتھ چھوٹ گیا اظہار جذبات کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں اللہ تعالی انکو درجات عالیہ عطافرمائیں اور انکے فیوض کو انکے لئے صدقہ جاریہ بنائیں اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں

Translate Tweet

1:50 AM · Nov 19, 2022

1,722 Retweets **58** Quote Tweets **8,256** Likes

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا اپنے مرحوم بھائی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

سید عدنان کاکاخیل صاحب

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال امت مسلمہ کے لیے عظیم حادثہ ہے۔ان کی پوری زندگی خدمت علم سے عبارت تھی۔انتظام و انصرام کی دنیا کے بادشاہ تھے۔ادائے حقوق کا پاس اور حفظِ حدود کا لحاظ رکھنے کی خصوصی تلقین فرماتے تھے۔رب کریم درجات بلند فرمائے۔

Syed Adnan Kakakhail
@Mufti_Kakakhail

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال امت مسلمہ کے لیے عظیم حادثہ ہے۔ان کی پوری زندگی خدمت علم سے عبارت تھی۔انتظام و انصرام کی دنیا کے بادشاہ تھے۔ادائے حقوق کا پاس اور حفظِ حدود کا لحاظ رکھنے کی خصوصی تلقین فرماتے تھے۔رب کریم درجات بلند فرمائے۔

Translate Tweet

5:31 am · 19 Nov 2022

سید عدنان کاکاخیل صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

مفتی شہاب الدین پوپلزئی صاحب

سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان مفتی اعظم پاکستان، صدر دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ رب کریم کے حضور پیش ہوگئے۔اناللہ واناالیہ راجعون. رب کریم ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔

Mufti Shahabuddin Popalzai
@MuftiPopalzai

سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان مفتی اعظم پاکستان، صدر دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب رب کریم کے حضور پیش ہوگئے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون.
رب کریم ان کے درجات بلند فرمائے آمین .

Translate Tweet

9:45 pm · 18 Nov 2022

مفتی شہاب الدین پوپلزئی صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

شیخ ڈاکٹر عمر القادری صاحب

Mufti Muhammad Rafi Uthmani was the renowned religious authority in the Islamic Republic of Pakistan.

He was serving as the President of Darul Uloom Karachi. He is the son of the late Mufti Muhammad Shafi Uthmani, the founder of Darul Ulum Karachi. He was recognized for his knowledge in fiqh, hadith, and tafsir. He had authored a large number of books in Urdu, as well as some notable treatises in Arabic. He is the brother of another notable Islamic scholar, Mufti Muhammad Taqi Usmani and Maulana Wali Razi. Mufti Sahab was also a member of Jamiatul Ulama USA.

May Almighty Allah accept his noble efforts, overlook his shortcomings, elevate his status and grant nearness to Holy Prophetﷺ.My condolences go out to MuftiTaqi Sb, his son Dr. Zubair Usmani, grandson Mufti Muhammad Muaz Ashraf, all ulama associated with marhum, his students, family and friends.

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون غفر اللہ لہ ورحمہ وأسکنہ الفردوس الأعلی

Al-Fatiha

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مشہور مذہبی رہنما تھے۔ دارالعلوم کراچی کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ دارالعلوم کراچی کے بانی مرحوم مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے صاحبزادے ہیں۔ وہ فقہ، حدیث اور تفسیر میں اپنے علم کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے۔ انہوں نے اردو میں بڑی تعداد میں کتابیں تصنیف کیں اور ساتھ ہی ساتھ عربی میں بھی کچھ قابل ذکر مقالے لکھے۔

وہ ایک اور قابل ذکر اسلامی اسکالر مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا ولی رازی کے بھائی ہیں۔ مفتی صاحبؒ جمعیت العلماء یو ایس اے کے رکن بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے، ان کی کوتاہیوں سے در گزر فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب عطا فرمائے۔

میری تعزیت مفتی تقی صاحب، ان کے صاحبزادے ڈاکٹر زبیر عثمانی، پوتے مفتی محمد معاذ اشرف، مرحوم سے وابستہ تمام علماء، ان کے طلباء، اہل خانہ اور دوستوں سے ہے۔

Shaykh Dr. Umar Al-Qadri
18 November 2022 ·

Mufti Muhammad Rafi Uthmani was the renowned religious authority in the Islamic Republic of Pakistan.

He was serving as the President of Darul Uloom Karachi. He is the son of the late Mufti Muhammad Shafi Uthmani, the founder of Darul Ulum Karachi. He was recognized for his knowledge in fiqh, hadith, and tafsir. He had authored a large number of books in Urdu, as well as some notable treatises in Arabic. He is the brother of another notable Islamic scholar, Mufti Muhammad Taqi Usmani and Maulana Wali Razi. Mufti Sahab was also a member of Jamiatul Ulama USA.

May Almighty Allah accept his noble efforts, overlook his shortcomings, elevate his status and grant nearness to Holy Prophet ﷺ.

My condolences go out to MuftiTaqi Sb, his son Dr. Zubair Usmani, grandson Mufti Muhammad Muaz Ashraf, all ulama associated with marhum, his students, family and friends.

إنا لله وإنا إليه راجعون غفر الله له ورحمه وأسكنه الفردوس الأعلى

Al-Fatiha

شیخ ڈاکٹر عمر القادری صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

حامد الحق حقانی صاحب

جمعیت علماء اسلام (س) کے امیر اور جامعہ دار العلوم حقانیہ کے نائب متہم مولانا حامد الحق حقانی کی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی وفات پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار حضرت مفتی صاحب کی گراں قدر دینی و علمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

Hamid Ul Haq Haqqani
@HaqqaniHamid

جمعیت علماء اسلام (س) کے امیر اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم مولانا حامد الحق حقانی کی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی وفات پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار حضرت مفتی صاحب کی گراں قدر دینی و علمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی

Translate Tweet

10:32 pm · 18 Nov 2022

حامد الحق حقانی صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

مفتی محمد زبیر عثمانی صاحب

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات علمی دنیا کے علاوہ پاکستان کا غیر معمولی نقصان ہے وہ تحریک پاکستان کے بانی رکن، ابتدائی معمار اور پاکستان کی مضبوط و توانا حامی آواز تھے۔ کئی اجلاسوں میں انہیں پاکستان کے وزراء اعظم اور افسران کو حب الوطنی کا درس دیتے سنا۔ یہ عاشق و محسن پاکستان کی رحلت ہے۔

Mufti Muhammad Zubair
@Mufti_M_Zubair

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمدرفیع عثمانی کی وفات علمی دنیاکےعلاوہ پاکستان کاغیرمعمولی نقصان ہےوہ تحریک پاکستان کےبانی رکن،ابتدائ معماراورپاکستان کی مضبوط وتواناحامی آوازتھے۔کئ اجلاسوں میں انہیں پاکستان کےوزراءاعظم اورافسران کوحب الوطنی کادرس دیتےسنا۔یہ عاشق ومحسن پاکستان کی رحلت ہے

Translate Tweet

3:29 pm · 19 Nov 2022

مفتی محمد زبیر صاحب کا مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ٹویٹر پیغام

مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر دارالعلوم دیوبند کا تعزیتی مکتوب

عالم اسلام عظیم شخصیت اور دارالعلوم کراچی کے صدر متہم و مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع کے انتقال پر دارالعلوم دیوبند افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تعزیت مسنونہ پیش کی۔

دارلعلوم دیوبند کے قائم مقام متہم مولانا عبدالخالق مدراسی کی جانب سے عالم اسلام کی ممتاز شخصیت مفتی محمد تقی عثمانی کو تحریر کردہ تعزیت مکتوب میں کہا کہ ''یہ خبر موصول ہوئی کہ آپ کے بڑے بھائی مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نوراللہ مرقدہ اپنی طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہو کر دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

اس المناک خبر سے اساتذہ کرام وطلبہ عزیز میں ماحول سوگوار ہو گیا۔ آج حضرتؒ کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کرایا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ ایک متبحر عالم دین تھے نیز انتہائی نفیس اور نازک مزاج رکھتے تھے اور اس کی جھلک دارالعلوم کراچی کی تمام درسگاہوں، دفاتر اور بلڈنگوں میں نمایاں ہوتی ہے مرحوم مفتی صاحبؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست بھی تھے۔

آپ کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفیؒ سے تھا، آپ ان کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے تھے، نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کی ولادت آبائی وطن سرزمین دیوبند میں ہوئی اور آپ کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے شروع ہوئی۔

قاعدہ بغدادی اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہ سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند کے شعبہ حفظ میں پندرہ پارے مکمل فرمائے، لیکن حالات ناسازگار ہونے کیوجہ سے آپ کے خاندان نے پاکستان ہجرت کی اور پھر وہیں کے ہو رہے بقیہ تعلیمی سلسلہ پاکستان میں پورا فرمایا۔

آپ باکمال مصنف بھی تھے،اب تک متعدد تصانیف آپ کے قلم سے نکلی ہیں۔

درس مسلم،دو قومی نظریہ،نوادر الفقہ قابل ذکر ہیں۔قحط الرجال کے اس دور میں ایک ایسے عالم دین کا رخصت ہو جانا بے شک جامعہ کے لئے اور اہل علاقہ کے لئے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے لئے بڑا خسارہ ہے۔

لیکن اس حقیقت سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے کہ اس بے ثبات دنیا میں دوام وبقا کسی کے نصیب میں نہیں ہر ایک کو دار العمل سے دار الجزاء کی طرف جانا ہی ہے،لیکن فرشتہ اجل جب کسی عالم کبیر نابغہ روزگار شخصیت کے دروازے پر دستک دے تو''موت العالم موت العالم''کی صدا گونج جاتی ہے۔

آپ کا سانحہ ارتحال آپ کے خاندان،متعلقین کے لئے صدمہ جانکاہ ہے نیز آپ کے تلامذہ و محبین و مخلصین کے لئے بھی بڑا صدمہ ہے۔

اس صدمہ کی گھڑی میں ہم خدام دار العلوم حضرت والا کی خدمت میں اور اہل خانہ و پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعاء گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی مساعی جمیلہ وخدمات دینیہ کو قبولیت سے نوازے،حسنات کو قبول فرمائے،سیئات سے درگذر فرمائے،جوار رحمت میں قرب خاص نصیب فرمائے،غمزدہ خانوادہ کو صبر جمیل عطا فرمائے،آمین۔

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دار العلوم دیوبند غیر ملکی سفر پر ہیں اس لئے حضرت کی طرف سے بھی تعزیت مسنونہ قبول فرمائیں۔

اخبارات کی شہ سرخیاں

اور دعائیہ کلمات

مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دارالعلوم کراچی مفتی رفیع عثمانیؒ انتقال کر گئے

(بشکریہ ڈیلی شہباز نیوز)

مفتی رفیع عثمانیؒ، مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے، مرحوم رفیع عثمانی مفتی اعظم پاکستان تھے، مرحوم مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع عثمانیؒ کے بیٹے اور مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔

مرحوم مفتی رفیع عثمانی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست بھی تھے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔

سنہ 1947 میں خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو آپ کی عمر 12 سال تھی، 1948 میں مسجد باب السلام آرام باغ کراچی سے حفظ قرآن کی تعلیم مکمل کی۔ 1951 میں اپنے والد کی قائم کردہ دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی نانک واڑہ سے درس نظامی کی تعلیم کے لئے داخلہ لیا، آپ کا شمار دارالعلوم کے اولین طلبا میں ہوتا ہے۔ جہاں سے 1960ء میں عالم فاضل، مفتی کی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کی ڈگری حاصل کی۔

جامعہ دارالعلوم کراچی سے ہی تدریس کا آغاز کیا، 1971 میں دارالافتاء اور دارالحدیث کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوئی اور 1976 میں مفتی شفیع رحمہ اللہ کے انتقال سے دارالعلوم کے انتظام وانصرام آپ کے کندھوں پر آیا، آپ کی شبانہ روز انتھک جدوجہد ہے کہ دارالعلوم کا شمار آج پاکستان کی منفرد، منظم بڑی جامعات میں ہوتا ہے۔

سنہ 1995 مفتی اعظم ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کے انتقال ہوا تو اعلیٰ ترین علمی خدمات پر مشاہیر علماء کرام نے مفتی اعظم پاکستان کا عہدہ آپ کے سپرد کر دیا اور ہر موقع پر آپ نے قوم کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔

آپ ایک علمی شخصیت، ملک وملت کے لیے علمی اور سماجی گراں قدر خدمات ہیں، 2 درجن سے زائد ضخیم تحقیقی، علمی و اصلاحی کتب اور دیگر شہ کار کتب تصنیف فرمائی جن میں اختلاف رحمت، فرقہ بندی حرام، دو قومی نظریہ، فقہ میں اجماع کا مقام، یورپ کا جاگیر داری، سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کا تاریخی پس منظر سمیت دیگر کتب شامل ہیں۔

فتنہ کسے کہتے ہیں؟

عربی میں فتنہ کہتے ہیں آزمائش کو۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے کسی کا امتحان لیا جائے، وہ اس کے لئے فتنہ " ہے۔ دنیا خود فتنہ ہے۔ مال و دولت فتنہ ہے۔

اولاد فتنہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن : ١٥)

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے۔"

فتنہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حرام اور ناجائز ہیں اور ان سے بچنا ضروری ہے بلکہ یہ اللہ رب العالمین کی عظیم نعمتیں ہیں۔ مال بھی اللہ تعالی کی نعمت ہے اور اولاد بھی۔ بلکہ قرآن مجید میں ایک جگہ مال کو " خیر " کہا گیا ہے۔ ان کے فتنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی یہ نعمتیں تمہارے لئے امتحان اور آزمائش ہیں۔ ان کی قدر کرو ۔ ان کے حقوق ادا کرو۔ ان کی حفاظت کرو لیکن ان کی محبت کو شریعت کے تابع کرو۔ عام طور پر انسان کے دل میں ان چیزوں کی محبت بہت ہوتی ہے اگر یہ محبت شرعی حدود میں رہے اور شریعت کے قواعد کے تابع رہے تب تو کوئی نقصان کی بات نہیں اور اگر یہ محبت ایسا کام کرنے کا تقاضا کرے جو شریعت کی حدود سے باہر ہیں تو یہ انسان کے لئے وبال جان ہیں۔ گویا یہ سب چیزیں انسان کے لئے بہت بڑی آزمائش ہیں۔

(اصلاحی تقریریں جلد 5 صفحہ 128)

مفتی اعظم پاکستان اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کراچی میں انتقال کر گئے

(بشکریہ ڈان نیوز)

مفتی رفیع عثمانیؒ کے بھتیجے سعود عثمانی نے سوشل میڈیا پر بیان میں کہا کہ 'کس دل سے کہوں کہ میرے محبوب چچا مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی ابھی کچھ دیر قبل انتقال فرما گئے'۔

مفتی محمد رفیع عثمانی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، کراچی یونیورسٹی اور ڈاؤ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ رکن، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور زکوۃ و عشر کمیٹی سندھ کے رکن اور سپریم کورٹ آف پاکستان اپیلٹ بینچ کے مشیر بھی رہے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے اور 1986 میں دارالعلوم کراچی کے صدر بنے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کی تعلیم اور خدمات

مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936 کو ہندوستان کے صوبہ اُترپردیش کے ضلع سہارنپور کے مشہور قصبے دیوبند میں تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنما مفتی اعظم محمد شفیع عثمانی کے گھر پیدا ہوئے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کا آغاز دارلعلوم دیوبند سے کیا اور 1947 میں خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو آپ کی عمر 12 سال تھی۔

مفتی رفیع عثمانیؒ نے 1948 میں مسجد باب السلام آرام باغ کراچی سے حفظ قرآن مکمل کیا اور 1951 میں اپنے والد کی قائم کردہ دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی نانک واڑہ سے درس نظامی کی تعلیم کے لیے داخلہ لیا اور ان کا شمار دارالعلوم کے اولین طلبہ میں ہوتا تھا۔

مفتی رفیع عثمانیؒ نے 1960 میں عالم فاضل، مفتی کی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کی ڈگری حاصل کی اور جامعہ دارالعلوم کراچی سے ہی تدریس کا آغاز کیا اور 1971 میں دارالافتا اور دارالحدیث کی ذمہ داریاں سنبھال لی۔

انہوں نے 1976 میں مفتی شفیع عثمانیؒ کے انتقال کے بعد دارالعلوم کراچی کا انتظام سنبھال لیا اور ان کی کاوشوں سے دارالعلوم کراچی کا شمار آج پاکستان کے بڑے تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کو 1995 مفتی اعظم ولی حسن ٹونکیؒ کے انتقال کے بعد علمی خدمات پر علماء کرام نے مفتی اعظم پاکستان کا منصب دیا اور اہم مواقع پر رہنمائی کی۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ نے 2 درجن سے زائد تحقیقی پرچے، کتابیں تحریر کیں، جن میں اختلاف رحمت، فرقہ بندی حرام، دو قومی نظریہ، فقہ میں اجماع کا مقام، یورپ کی جاگیرداری، سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کا تاریخی پس منظر اور مسلکِ دیوبند فرقہ نہیں اتباع سنت سمیت دیگر کتب شامل ہیں۔

تعزیتی پیغامات

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر صدر مملکت، وزیر اعظم اور جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن سمیت دیگر علمائے کرام نے دکھ اور غم کا اظہار کیا۔

صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی نے صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر گہرے رنج اور غم کا اظہار کیا اور انہیں دینی اور علمی خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا۔

انہوں نے کہا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ نے فقہ، حدیث اور تفسیر کے شعبے میں گراں قدر خدمات انجام دیں، مفتی رفیع عثمانیؒ کی دینی اور علمی خدمات، دینی علم کے فروغ میں خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔

مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانیؒ انتقال کر گئے

(بشکریہ انڈیپنڈنٹ اردو)

مفتی رفیع عثمانیؒ تحریک پاکستان کے رہنما اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحبزادے، سر کردہ عالم دین اور 12 کتابوں کے مصنف تھے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی ؒ 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے شہر دیوبند میں پیدا ہوئے تھے۔

معروف عالم دین، مصنف، دارالعلوم کراچی کے سربراہ اور جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی اور پاکستان کے مفتی اعظم محمد رفیع عثمانی 86 برس کی عمر میں انتقال کر گئے ہیں۔ مفتی رفیع عثمانیؒ کراچی میں زیر علاج تھے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ تحریک پاکستان کے رہنما اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی کے بڑے صاحبزادے، سر کردہ عالم دین اور 12 کتابوں کے مصنف تھے۔

دارالعلوم دیوبند، پنجاب یونیورسٹی اور دارالعلوم کراچی میں تعلیم حاصل کرنے والے مفتی محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے شہر دیوبند میں پیدا ہوئے تھے۔

محمد رفیع عثمانیؒ آل پاکستان علماء کونسل، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور حکومت سندھ کی زکوۃ کونسل کے رکن رہ چکے تھے، جبکہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلٹ بینچ کے مشیر بھی رہے۔

مرحوم این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے سنڈیکیٹ ممبر، جامعہ کراچی کے سنڈیکیٹ کے رکن اور وفاق المدارس العربیہ کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے والد محمد شفیع دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم اور تحریک پاکستان کی سر خیل شخصیات میں سے ایک تھے۔

محمد رفیع عثمانی مرحوم نے دارالعلوم دیوبند میں آدھا قرآن حفظ کیا، اور یکم مئی 1948 کو ہجرت کر کے پاکستان آ گئے، جہاں انہوں نے آرام باغ کی مسجد باب الاسلام میں حفظ قرآن مکمل کیا، اور آخری سبق فلسطین کے مفتی اعظم امین الاسلام کے ساتھ پڑھا۔

انہوں نے 1951 میں دارالعلوم کراچی میں داخل ہوئے، اور 1960 میں روایتی 'درس نظامی' میں گریجویشن مکمل کی، اور 'مولوی' اور 'منشی' (مولوی فاضل) کے امتحانات پاس کیے، اور 1960 میں دارالعلوم کراچی میں اسلامی فقہ میں مہارت حاصل کی۔

محمد رفیع عثمانی مرحوم نے 80 کی دہائی کے اواخر میں حرکت الجہاد الاسلامی گروپ کے ساتھ سوویت یونین کے خلاف جہاد میں حصہ بھی لیا۔

کراچی کے اردو ماہنامہ البلاغ، روزنامہ جنگ، اور حرکت الجہاد الاسلامی کے ماہنامہ الارشاد میں انہوں نے 1988 سے 1991 تک کی اپنی جہادی یادداشتیں بھی تحریر کیں، جنہیں بعدازاں 'تیرے پر عصر بندے کے نام' سے کتاب کی شکل میں شائع بھی ہوئیں۔

محمد رفیع عثمانیؒ کی تصانیف میں احکام زکوٰۃ، التعلیقات النفیۃ لفتح الملہم، اسلام میں عورت کی حکمرانی اور نوادر الفقہ شامل ہیں۔

معروف عالم دین مفتی رفیع الدین عثمانیؒ کراچی میں انتقال کر گئے

(بشکریہ اردو نیوز)

معروف عالم دین اور جامعہ دار العلوم کراچی کے رئیس مفتی رفیع الدین عثمانی جمعے کے روز کراچی میں انتقال کر گئے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کے بھتیجے سعود عثمانی نے فیس بک پوسٹ کے ذریعے ان کی موت کی تصدیق کی۔

دوسری جانب دار العلوم کراچی کی جانب سے بھی رفیع عثمانی کے انتقال کی تصدیق کی گئی ہے۔

انہوں نے فیس بک پر لکھا کہ 'میرے محبوب چچا مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی انتقال کر گئے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔'

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ تحریک پاکستان کے رہنما اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔

مفتی رفیع الدین عثمانیؒ وفاق المدارس العربیہ کے سرپرست بھی تھے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936 کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے کئی کتابیں بھی تحریر کیں۔

وزیر اعظم شہباز شریف نے مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر رنج و غم اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔

اپنے تعزیتی پیغام میں وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ کی زندگی تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے وقف رہی۔

جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان نے مفتی محمد رفیع عثمانی کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

جمعے کی رات کو جاری کردہ ایک بیان میں مولانا فضل الرحمان کا کہنا تھا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات سے پاکستان ایک معتدل، بلند پایہ، فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا۔

گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری نے مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ اپنے ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے لیے عظیم نقصان ہے۔

صحیح مرشد کی پہچان

مرشد کی مثال ڈاکٹر کی ہے۔ جس ڈاکٹر کو حکومت کی طرف سے لوگوں کا علاج کرانے کی اجازت ملی ہو اُس سے علاج کرانا تو درست ہے لیکن جس ڈاکٹر کو حکومت نے علاج کرنے کی اجازت نہ دی ہو، اُس سے علاج کرانا عقلمندی نہیں۔ اسی طرح ایسا شخص جس کا مرشد یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ تربیت حاصل کر چکا ہے اور دوسروں کا علاج کر سکتا ہے تو وہ اُسے اپنی طرف سے خلیفہ بناتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُسے اس کا مرشد کیطرف سے دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت مل گئی تو جس شخص کو اس کا شیخ اس طرح کی اجازت دے دے تو اس کے لیے دوسروں کو بیعت کرنا جائز ہے اور دوسروں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اُسے اپنا مرشد بنائیں۔
لیکن یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آج کل سجادہ نشینی کا ایک سلسلہ بھی چل پڑا ہے۔ باپ پیر تھا، اس کے مرید بھی تھے، اس کا انتقال ہوا تو بیٹا اس کے جانشین بن گیا، حالانکہ بسا اوقات ایسا شخص دین پر عمل کرنے والا نہیں ہوتا، تو ایسے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا بالکل جائز نہیں۔ گویا صحیح مرشد ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(1) اُسے اپنے شیخ سے اجازت ملی ہوئی ہو۔

(۲) وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔

(اصلاحی تقریریں جلد 8 صفحہ 157)

مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ انتقال کر گئے

(بشکریہ آج نیوز)

مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دارالعلوم کراچی مفتی رفیع عثمانیؒ طویل علالت کے بعد 88 سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ دارالعلوم کورنگی کراچی کے صدر اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست اعلیٰ تھے جو کہ گزشتہ کئی عرصے سے عارضہ میں مبتلا تھے۔

دارالعلوم کراچی کی جانب سے مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال کی تصدیق کردی گئی اور بتایا گیا ہے کہ مرحوم کی تدفین دار العلوم کراچی کے احاطے میں واقع قبرستان میں ہوگی۔

مرحوم مفتی محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936ء تحریک پاکستان کے رہنما اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ آپ پاکستان کے موجودہ مفتی اعظم اور مشہور درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے رئیس الجامعہ ہیں۔

محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936 کو ہندوستان کے شہر دیوبند میں دیوبند کے عثمانی خاندان میں پیدا ہوئے، مرحوم کا نام اشرف علی تھانوی نے محمد رفیع رکھا تھا۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کے والد محمد شفیعؒ دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم اور تحریک پاکستان کی سرخیل شخصیات میں سے ایک تھے۔ مرحوم مفتی محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی ہیں۔

صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی، وزیراعظم شہباز شریف وزیر داخلہ، وزرائے اعلیٰ مولانا فضل الرحمان سمیت دیگر سیاسی ومذہبی شخصیات نے مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔

ممتاز عالم دین مفتی رفیع عثمانیؒ 86 برس کی عمر میں انتقال کر گئے

(بشکریہ 18 نیوز اردو)

مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے اور 1986 میں دارالعلوم کراچی کے صدر بنے۔ گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری نے مفتی محمد رفیع عثمانی کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے لیے عظیم نقصان ہے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے اور 1986 میں دارالعلوم کراچی کے صدر بنے۔ گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری نے مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے لیے عظیم نقصان ہے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے اور 1986 میں دارالعلوم کراچی کے صدر بنے۔ گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری نے مفتی محمد رفیع عثمانی کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے لیے عظیم نقصان ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، کراچی یونیورسٹی اور ڈاؤ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ رکن، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور زکوٰۃ وعشر کمیٹی سندھ کے رکن اور سپریم کورٹ آف پاکستان اپیلٹ بینچ کے مشیر بھی رہے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو متحدہ ہندوستان کے عالقے دیوبند میں پیدا ہوئے اور 1986 میں دارالعلوم کراچی کے صدر بنے۔ گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری نے مفتی محمد رفیع عثمانی کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے لیے عظیم نقصان ہے۔ دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے مفتی صاحب کی خدمات بے مثال ہیں۔ گورنر سندھ نے کہا کہ ان کے انتقال سے پیدا ہونے واال خال ایک عرصے تک پر نہیں ہو سکے گا۔

مفتی اعظم پاکستان اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر مفتی محمد رفیع عثمانیؒ 86 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ، معروف عالم دین مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔

مرحوم، مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی، جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر اور دارالمدارس العربیہ کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔ وہ تقسیم ہند سے قبل ہندوستان کے صوبے دیوبند میں اکیس جولائی انیس سو چھتیس کو پیدا ہوئے۔

تحریک پاکستان کے رہنما اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی اعظم دیوبند محمد شفیعؒ دیوبندی سے پائی۔ ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا، انہوں نے درجن بھر کتابیں لکھیں جن میں درس مسلم، دو قومی نظریہ، اور نوادر الفقہ قابل ذکر ہیں۔

اللہ والا کسے کہتے ہیں؟

اللہ والا کسے کہتے ہیں؟ اللہ والا وہ آدمی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سمائی ہو۔ وہ گناہوں سے بچتا ہو اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ فرائض و واجبات بھی ادا کرتا ہو۔ اور یہی ذکر اللہ کا بڑا فائدہ ہے کیونکہ جب انسان ہر لمحہ اپنے رب العلمین کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ پروردگار عالم کی عظمت و محبت اور اس کا دھیان انسان کے دل میں جگہ کر لیتا ہے اور انسان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر گناہ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ اگر ایسا شخص گناہ کرے گا بھی تو اسے گناہ میں لذت نہیں آئے گی اور اس کا دل ہر وقت ایسے کاموں کا طالب رہے گا جو کام رب تعالی کی رضا کا ذریعہ بنتے ہوں۔

(اصلاحی تقریریں جلد 9 صفحہ 170)

مفتی رفیع عثمانیؒ کی علمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائینگی

(بشکریہ نوائے وقت)

کراچی جمعیت علمائے اسلام پاکستان اور پی ڈی ایم کے سربراہ مولانا فضل الرحمن کی مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات پر اظہار تعزیت کیلئے جامعہ دارالعلوم کراچی آمد۔ شیخ الاسلام مولانا مفتی رفیع عثمانیؒ اور انکے خاندان سے اظہار تعزیت و دعائے مغفرت کی۔ اس موقع پر مولانا راشد محمود سومرو، مفتی ابرار، قاری محمد عثمان، مولانا محمد غیاث، مولانا سید حماد اللہ شاہ و دیگر موجود تھے۔

مولانا فضل الرحمن نے مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی رحلت پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی وفات سے پاکستان ایک متوازن افکار و نظریات کے حامل معتدل، بلند پایہ فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا۔ ان کی گراں قدر علمی خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔ انہوں نے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی۔

مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ ان کی وفات سے دل رنجیدہ ہے۔ علم و حکمت کا روشن آفتاب غروب ہو گیا۔ قحط الرجال کے دور میں حضرت مفتی صاحب کی رحلت امت مسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ عالمگیر و ہمہ جہت علمی دور کا اختتام ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی ہم سب کو صبر کی توفیق دے۔ حضرت مفتی صاحب کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں متعلقین و تلامذہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا فضل الرحمن نے مزید کہا کہ حضرت کی ساری زندگی خدمت دین سے عبارت تھی۔ انکی لازوال قربانیوں اور جہد مسلسل کا نتیجہ دارالعلوم کراچی جیسے عظیم ادارے کی صورت میں اپنی کرنیں بکھیر رہا ہے، تا صبح قیامت اس ادارے کا فیضان جاری رہے گا جو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کیلئے صدقہ جاریہ ہے۔

معروف عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات کو علماء ودانشوران نے علمی خسارہ قرار دیا

(بشکریہ ہندوستان اردو ٹائمز)

شہر دیوبند سے نسبت رکھنے والے مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دار العلوم کراچی کے مولانا مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال کی خبر سے دیوبند میں ان کے افراد خاندان اور ارباب مدارس میں غم واندوہ کی لہر ہے۔

دار العلوم دیوبند اور جامعہ امام محمد انور شاہ نے ان کے انتقال کو ایک بڑا علمی خسارہ قرار دیا ہے۔دار العلوم کے قائم مقام متہم مولانا عبد الخالق مدراسی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ 21 جولائی 1936 کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ابتدائی قرآنی تعلیم انہوں نے دار العلوم دیوبند میں حاصل کی اور بعد ازاں حالات کی خرابی کے سبب دیوبند سے کراچی کے لئے ہجرت کی۔اللہ نے ان کو عظیم الشان علم عطا کیا تھا۔

انہوں نے تاحیات علمی وفکری اعتبار سے دیوبند کی ترجمانی کی۔انہوں نے کہا کہ مرحوم مفتی محمد رفیع عثمانی کی انتظامی وعلمی اعلیٰ حیثیت کے سبب انہیں پاکستان کے وفاق المدارس کی سرپرستی حاصل تھی۔

مولانا مدراسی نے کہا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال سے دار العلوم دیوبند وانتظامیہ ،اساتذہ وکارکنان اور تمام طلبہ مغموم ہیں،دار العلوم دیوبند نے انتقال کی اطلاع ملتے ہی ایصال ثواب کا نظم کیا۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن اور معروف عالم دین مولانا ندیم الواجدی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانیؒ کا سانحہ وفات پوری علمی دنیا کا ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں ممکن نظر نہیں آتی۔وہ دار العلوم دیوبند کے ایک ایسے فرزند تھے جن کی کوئی تحریر اور تقریر دیوبند کے ذکر سے خالی نہیں جاتی تھی۔وہ جب بھی کہیں ملتے،وہ سب سے پہلے دیوبند اور اہل دیوبند کو پوچھا کرتے تھے۔ایسا لگتا ہے کہ ان کی وفات سے آج پورا دیوبند اور جماعت دیوبند یتیم ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کا نعم البدل ہمیں عطا فرمائے۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات کی خبر نے دنیائے علم و فضل کو افسردہ کر دیا۔ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند نے بھی اس عظیم سانحے پر رنج و غم کا اظہار کیا۔

جامعہ کے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ اس خبر نے علمی دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ عالمِ اسلام کے لیے عموماً اور ایشیائی مسلمانوں کے لیے خصوصاً نعمتِ عظمیٰ تھے۔ ان کے علم، ان کے تقویٰ، ان کی بلند افکار سے ملتِ اسلامیہ کو کافی فائدہ پہونچا۔ مولانا مسعودی نے کہا کہ مفتی صاحب کی وفات یقیناً ایک بڑا خلا ہے، جسے پُر ہونے میں عرصہ لگ جائے گا۔

انہوں نے پاکستان میں دیوبندیت کی بھرپور ترجمانی کی۔ وہ عظیم والد کے عظیم فرزند تھے۔ اپنے والد مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ کی نسبتوں کا انہوں نے جس طرح خیال رکھا، قابلِ رشک ہے۔ وہ نمونے کی شخصیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب کا گھرانہ ایں خانہ ہمہ آفتاب ست کا مصداق ہے۔ ان کے چھوٹے صاحب زادے مفتی محمد تقی عثمانی اس وقت عالمِ علومِ اسلامیہ کے گوہرِ شب چراغ ہیں، اللہ انہیں سلامت رکھے۔ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتا ہے۔

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے استاذِ حدیث و نائب ناظمِ تعلیمات مولانا سید فضیل احمد ناصری نے بھی مفتی اعظم پاکستان کی وفات کو حسرت آیات بتایا۔ انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب فقہ و فتاویٰ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ اردو کے ایک کامل و مکمل ادیب کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ حالات کی منظر کشی اور حقائق کو خوش گوار انداز میں پیش کرنے کے سلیقے سے مالامال تھے۔ ان کی تصنیفات بڑی وقیع ہوا کرتی تھیں۔ ان کی موت درحقیقت عالم کی موت ہے، اللہ انہیں غریقِ رحمت فرمائے۔

اس موقع پر مفتی صاحبؒ کے لیے جامعہ میں ایصالِ ثواب بھی کیا گیا۔ واضح ہو کہ معروف عالم دین مولانا محمد رفیع عثمانیؒ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم وفقیہ مولانا شفیع عثمانیؒ (بانی جامعہ دارالعلوم کراچی) کے صاحبزادے تھے۔ مولانا شفیع عثمانی کو پاکستان میں روحانی اور مذہبی پیشوا کا درجہ حاصل تھا۔ برّصغیر ہندو پاک کے بڑے علمی خانوادوں میں اس گھرانے کا شمار ہوتا تھا۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے حقیقی ماموں زاد بھائی اشرف کریم ''ریٹائرڈ انڈر سکریٹری راجیہ سبھا پارلیمنٹ ہاؤس آف انڈیا'' نے بتایا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کا شمار علمی دنیا میں صف اول کے اہل قلم میں ہوتا ہے۔ ان کی متعدد تصانیف اسلامی دنیا میں ''لائٹ ہاؤس'' کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خاندان میں مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال کی خبر سے صدمہ کا ماحول ہے ، مرحوم کے افراد خاندان میں سے الحاج قاری محمد عاصم کارکن دارالعلوم دیوبند نے کہا کہ ہمارے بھائی اللہ کو پیارے ہو گئے، یہ

اطلاع ہم سب کے لئے باعث صد افسوس ہے۔ دارالعلوم وقف کے استاذ حدیث مفتی محمد عارف قاسمی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کا سانحہ وفات علماء دیوبند وملت اسلامیہ کے لئے عظیم حادثہ ہے، بالخصوص خانوادہ عثمانی کے لئے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا مرحوم کی پوری زندگی جہد مسلسل اور علم دین کی خدمت واشاعت کے لئے وقف تھی، مرحوم علماء وطلبہ عزیز کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے دارالعلوم کراچی کو عالم اسلام میں اپنے زیر اہتمام انفرادی مقام دلایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مفتی اعظم پاکستان اور دارالعلوم کراچی کے صدر مہتمم مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے سانحہ وفات پر آج یہاں آستانہ شیخ الہند پر ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا، جس میں حضرت مفتی رفیع عثمانی کے انتقال پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے انتقال کو عالم اسلام کا بڑا نقصان بتایا گیا۔

اس موقع پر نبیرہ شیخ الہند حاجی ریاض محمود نے اپنے تعزیتی کلمات میں مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ ایک عظیم علمی شخصیت تھیں، جنہوں نہ صرف پاکستان اور برصغیر بلکہ پورے دنیا میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ خاندان بنیادی طور پر دیوبند کا ہے اور مفتی رفیع عثمانیؒ کی پیدائش 21، جولائی 1936ء کو دیوبند میں ہی ہوئی تھی، یہ خانوادہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے گہری نسبت اور انسیت رکھتا ہے، مفتی شفیع عثمانیؒ اور اس کے بعد مفتی رفیع عثمانیؒ و مفتی تقی عثمانی نے ہمیشہ حضرت شیخ الہندؒ کے خاندان سے اپنی قدیم مراسم کو برقرار رکھا ہے، آج مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر بہت صدمہ ہوا ہے، اللہ تعالی مرحوم کی جملہ خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

مفتی اعظم پاکستان رفیع عثمانیؒ کا انتقال، دیوبند میں ہوئے تھے پیدا، نماز جنازہ کل ادا کی جائے گی

(بشکریہ قومی آواز)

رفیع عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی اعظم دیوبند محمد شفیع دیوبندی سے پائی۔

صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مفتی رفیع عثمانیؒ طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال کر گئے،اُن کی عمر 86 برس کی تھی۔رپورٹ کے مطابق مفتی مولانا رفیع عثمانی کی نماز جنازہ کل بروز اتوار 20 نومبر 9 بجے دارالعلوم کورنگی میں ادا کی جائے گی۔ مرحوم رفیع عثمانی جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر اور دارالمدارس العربیہ کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ وہ تقسیم ہند سے قبل ہندوستان کے مشہور قصبہ دیوبند میں 21 جولائی 1936 کو پیدا ہوئے تھے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، کراچی یونیورسٹی اور ڈاؤ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ رکن، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور زکوٰۃ وعشر کمیٹی سندھ کے رکن اور سپریم کورٹ آف پاکستان اپیلٹ بینچ کے مشیر بھی رہے۔

رفیع عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی اعظم دیوبند محمد شفیع دیوبندی سے پائی۔ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا،انہوں نے درجن بھر کتابیں لکھیں۔

مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانیؒ نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کا آغاز دارلعلوم دیوبند سے کیا اور 1947 میں خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو آپ کی عمر 12 سال کی تھی۔ مفتی رفیع عثمانیؒ نے 1948 میں مسجد باب السلام آرام باغ

کراچی سے حفظ قرآن مکمل کیا اور 1951 میں اپنے والد کی قائم کردہ دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی نانک واڑہ سے درس نظامی کی تعلیم کے لیے داخلہ لیا اور ان کا شمار دارالعلوم کے اولین طلبہ میں ہوتا تھا۔

مفتی رفیع عثمانیؒ نے 1960 میں عالم فاضل، مفتی کی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کی ڈگری حاصل کی اور جامعہ دارالعلوم کراچی سے ہی تدریس کا آغاز کیا اور 1971 میں دارالافتا اور دارالحدیث کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

انہوں نے 1976 میں مفتی شفیع عثمانیؒ کے انتقال کے بعد دارالعلوم کراچی کا انتظام سنبھال لیا اور ان کی کاوشوں سے دارالعلوم کراچی کا شمار آج پاکستان کے بڑے تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ کو 1995 مفتی اعظم ولی حسن ٹونکی کے انتقال کے بعد علمی خدمات پر علماء کرام نے مفتی اعظم پاکستان کا منصب دیا اور اہم مواقع پر رہنمائی کی۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانیؒ نے 2 درجن سے زائد تحقیقی مقالے، کتابیں تحریر کیں، جن میں اختلاف رحمت، فرقہ بندی حرام، فقہ میں اجماع کا مقام، یورپ کی جاگیرداری، سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کا تاریخی پس منظر اور مسلکِ دیوبند فرقہ نہیں اتباع سنت سمیت دیگر کتب شامل ہیں۔

ذکر الٰہی تقویت قلب کا ذریعہ

ذکر اللہ کی بدولت دل کو قوت ملتی رہتی ہے اور اس قوت کی وجہ سے انسان مصائب، تکلیف و مشکلات اور پریشانیوں میں گھبراتا نہیں بلکہ اس کی ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے کمر پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ تو ذکر اللہ کے باوجود بھی پریشانی آئے تو قوت و ڈھارس بندھی رہنے سے صبر کی توفیق مل جاتی ہے جو درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور پھر اسی ذکر کی بدولت تکالیف و مصائب میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور زندگی میں راحت و لطف پیدا ہوتا ہے۔

(اصلاحی تقریریں جلد 9 صفحہ 173)

دین کیلئے مفتی رفیع عثمانیؒ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، مصطفیٰ کمال

(بشکریہ باغی ٹی وی)

مصطفیٰ کمال نے کہاہے کہ دین کے لیے مفتی رفیع عثمانیؒ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔اپنے ایک بیان میں چیئرمین پاک سرزمین پارٹی سید مصطفیٰ کمال نے محترم مفتی اعظم پاکستان و صدر جامعہ دارالعلوم کراچی جناب حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ کے انتقال پر گہرے افسوس اور صدمے کااظہار کیاہے۔

چیئرمین پی ایس پی نے کہاکہ حضرت مولانامفتی رفیع عثمانی صاحبؒ کی رحلت سے دنیاجاری فیض سے محروم ہوگئی ہے، دین کے لیے انکی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔

سید مصطفیٰ کمال نے حضرت مولانامفتی رفیع عثمانیؒ کے لواحقین، علماءاور شاگردوں سے دلی تعزیت اورافسوس کااظہار کیا ہے۔

چیئرمین پاک سرزمین پارٹی سید مصطفیٰ کمال نے حضرت مولانامفتی رفیع عثمانیؒ کے درجات کی بلندی اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا بھی کی۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر قبلہ ایاز نے ممتاز عالم دین، سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل مفتی محمد رفیع عثمانی کے سانحہ ارتحال پراپنے تعزیتی بیان میں کہاہے کہ آج ملک، ایک عظیم عالم دین اور فقیہ سے محروم ہوگیاہے۔ملک و قوم کے لئے مفتی محمد رفیع عثمانی کی ملی اور تعلیمی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر قبلہ ایاز نے کہا ہے کہ آپ ایک عظیم مفکر، بلند پایہ رہنما اور اتحاد امت کی ایک توانا آواز تھے۔ آپ نے اپنے تلامذہ اور وابستگان کو ہمیشہ اعتدال اور فرقہ واریت سے دور رہنے کی تعلیم دی جس کی بدولت آپ کے ادارے جامعہ دار العلوم کراچی کی ملک اور بیرون ملک ایک خاص پہچان ہے۔

ڈاکٹر قبلہ ایاز نے کہا کہ آپ کی وفات سے عالم اسلام ایک ممتاز اور اہم شخصیت سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ، مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے، مرحوم رفیع عثمانی مفتی اعظم پاکستان تھے، مرحوم مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع عثمانی کے بیٹے اور مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔

مرحوم مفتی رفیع عثمانی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست بھی تھے۔ مفتی رفیع عثمانیؒ 21 جولائی 1936 کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔

صحبت سے کیا مراد ہے؟

صحبت سے مراد ساتھ رہنا ہے۔ اور صحبت کا بھی اثر بہت ہوتا ہے جیسا کہ اردو میں مثل مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے کہ جب ایک خربوزہ پیلا ہو جاتا ہے تو دوسرے بھی پیلے ہونا شروع ہو جاتے ہیں لیکن بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عاقل، بالغ اور تعلیم یافتہ ہیں ہم اچھی بات کو دیکھ کر اسی کو اپنائیں گے، لوگوں کے اثرات نہیں لیں گے تو سمجھ لیجئے کہ ایک ایسا دھوکہ ہے کہ جو انسان کی سوچ کے مطابق کبھی پورا نہیں ہوتا اور انسان ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا خواہ ادارتا ہو یا بغیر ارادے کے۔ چنانچہ اگر فاسق و فاجر کی صحبت اختیار کرے گا تو یہ فسق و فجور اس کے اندر بھی آجائے گا اور اگر پہلے جھوٹ بولنے کی عادت تھی پھر سچے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو رفتہ رفتہ اسکے جھوٹ میں کمی آجائے گی۔ معلوم ہوا کہ ایک تو حصول تقوی فرض ہے، دوسرے یہ کہ حصول تقوی کے لیے سچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے اور تیسری بات یہ کہ اس سے صدق کی اہمیت واضح ہو گئی۔

کہ یہ ایسی عظیم الشان صفت ہے جو انسان مقتدا اور پیشوا اور اس کے ساتھ رہنے والوں کو متقی بنا دیتی ہے۔

(اصلاحی تقریریں جلد 2 صفحہ 92)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کا انتقال ہو گیا

(بشکریہ ہم نیوز)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی تصدیق جامعہ بنوریہ کے ترجمان نے کی ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ، مفتی شفیع عثمانیؒ کے صاحبزادے اور مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے، وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔

صدر جامعہ دار العلوم کراچی مفتی رفیع عثمانیؒ کی عمر 86 سال تھی، وہ 21 جولائی 1936 کو دیوبند میں پیدا ہوئے تھے۔

گورنر سندھ کامران خان ٹیسوری نے ممتاز عالم دین اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

پی ڈی ایم کے سربراہ اور امیر جمعیت العلمائے اسلام (ف) مولانا فضل الرحمان نے مفتی محمد رفیع عثمانی کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ دل رنجیدہ اور غمزدہ ہے، پاکستان ایک معتدل، بلند پایہ اور مفتی سے محروم ہو گیا ہے۔

مولانا فضل الرحمان نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا کہ مفتی محمد رفیع عثمانی کی گراں قدر علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پاک سرزمین پارٹی کے سربراہ سید مصطفیٰ کمال نے مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی دین کے لیے خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

ممتاز عالم دین مفتی رفیع عثمانیؒ انتقال کر گئے

(بشکریہ جنگ نیوز)

صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مفتی رفیع عثمانی طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال کر گئے،اُن کی عمر 86 برس تھی۔

مرحوم، مفتی تقی عثمانی کے بڑے بھائی، جامعہ دارالعلوم کراچی کے صدر اور دارالمدارس العربیہ کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔

وہ تقسیم ہند سے قبل ہندوستان کے صوبے دیوبند میں اکیس جولائی انیس سو چھتیس کو پیدا ہوئے۔

تحریک پاکستان کے رہنما اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی اعظم دیوبند محمد شفیع دیوبندی سے پائی۔

ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا،انہوں نے درجن بھر کتابیں لکھیں جن میں درس مسلم،دو قومی نظریہ، اور نوادر الفقہ قابل ذکر ہیں۔

صدر مملکت نے مفتی رفیع عثمانیؒ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی رفیع عثمانی نے فقہ، حدیث اور تفسیر کے شعبے میں گراں قدر خدمات انجام دیں، مرحوم کی دینی اور علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان نے کہا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات سے پاکستان ایک متوازن افکار و نظریات کے حامل، معتدل، بلند پایہ فقیہ اور مفتی سے محروم ہو گیا۔

سربراہ جے یو آئی نے کہا کہ ان کی گراں قدر علمی خدمات کو یاد رکھا جائے گا، انہوں نے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی۔

پاکستان علماء کونسل نے مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کیا ہے۔

حافظ محمد طاہر محمود اشرفی کا کہنا ہے کہ مفتی رفیع عثمانیؒ عالم اسلام کے عظیم علمی روحانی شخصیت تھے، متعلقین، محبین اور اہل خانہ سے تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔

گورنر سندھ کامران ٹیسوری نے معروف عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کیلئے عظیم نقصان ہے۔ مولانا طارق جمیل نے مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیعؒ کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔

کیا تھا ہمارے پیغمبروں کا یقین !...

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملنا

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

مچھلی کا پیٹ، گپ اندھیرا، رب کو پکارا اور نجات مل گئی۔!!

کہاں ہے ہمارا یقین؟؟ چھوٹی سی مشکل، پریشانی پہ سب سے پہلے ہمارے منہ سے نکلتا ہے کہ اللہ تعالی میرے ساتھ ہی ایسا کیوں کرتا ہے۔!!

ایک دفعہ دل سے یقین کے ساتھ دُعا تو کریں اور یاد رکھیں کہ ربّ کے فیصلے سب سے بہترین ہیں!!...

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا۔!!

حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

کتنی خوبصورت دعا ہے نا۔!!

کیا ہم کبھی آگ میں گرے۔؟؟

نہیں ناں تو ہم اپنی عام سی مشکل کے لئے کیوں چھوٹی سی دعا نہیں مانگ سکتے۔!!

کیوں ہم شکوہ زندگی سے نکال نہیں دیتے؟؟ انبیاء اکرام علیہم السلام کی سنت ہمیں بتلاتی ہے جب بھی کوئی مشکل وقت آئے تو اللہ سے دعا مانگو،

اپنے رب پہ بھروسہ اور توکل کریں، اللہ کی رضا پہ راضی ہو جائیں تا کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے۔!!

اور کس دن ہم نے اپنے رب کو راضی کر لیا اس دن یہ تمام پریشانیاں اور مصائب کافور ہو جائیں گے

ان شاءاللہ

مفتی اعظم پاکستان رفیع عثمانیؒ کا انتقال، صدر، وزیر اعظم کا اظہار افسوس

(بشکریہ جی این این نیوز)

وزیر اعظم شہباز شریف اور صدر مملکت عارف علوی نے مفتی اعظم پاکستان نے معروف عالم دین مفتی رفیع الدین عثمانی کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔

اسلام آباد سے جاری بیان میں وزیر اعظم شہباز شریف نے کہا کہ مفتی رفیع عثمانی کی زندگی تبلیغ واشاعتِ اسلام کے لیے وقف رہی۔ ان کی ملی اور دینی خدمات کو تادیر یاد رکھا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ مفتی رفیع عثمانی کی اتحاد بین المسلمین کے لیے گراں قدر خدمات رہیں، اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی نے بھی معروف عالم دین اور صدر جامعہ دار العلوم کراچی مفتی رفیع عثمانی کے انتقال پر گہرے رنج و غم اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔

تعزیتی بیان میں صدر مملکت نے مفتی رفیع عثمانی کی دینی اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے فقہ، حدیث اور تفسیر کے شعبے میں گراں قدر خدمات انجام دیں، مفتی رفیع عثمانی کی دینی اور علمی خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔ صدر مملکت نے مرحوم کے بلندی درجات اور لواحقین کیلئے صبر جمیل کی دعا کی۔

سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب جمعہ کو وہ دارلعلوم کراچی میں خالق حقیقی سے جاملے۔ ان کی نمازِ جنازہ بروز ہفتہ صبح 9 بجے دار العلوم کراچی میں ادا کی جائے گی۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کی تعلیم اور خدمات

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، کراچی یونیورسٹی اور ڈاؤ یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ ممبر، اسلامی نظریاتی کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور زکوۃ و عشر کمیٹی سندھ کے ممبر اور سپریم کورٹ آف پاکستان اپیلٹ بنچ کے مشیر بھی رہے ہیں۔ تحریک ختم نبوتؐ، دفاع صحابہ، مذہبی سیاسی تحریکوں میں نمایاں کردار رہا ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936ء میں ہندوستان کے صوبہ اُترپردیش کے ضلع سہارنپور کے مشہور قصبہ دیوبند میں تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنماء مفتی اعظم محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کے گھر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کا آغاز دارلعلوم دیوبند سے کیا۔

1947 میں خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو آپ کی عمر 12 سال تھی، 1948 میں مسجد باب السلام آرام باغ کراچی سے حفظ قرآن کی تعلیم مکمل کی۔ 1951 میں اپنے والد کی قائم کردہ دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی نانک واڑہ سے درس نظامی کی تعلیم کے لئے داخلہ لیا، آپ کا شمار دارالعلوم کے اولین طلبا میں ہوتا ہے، جہاں سے 1960ء میں عالم فاضل، مفتی کی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کی ڈگری حاصل کی۔

جامعہ دارالعلوم کراچی سے ہی تدریس کا آغاز کیا، 1971 میں دارالافتاء اور دارالحدیث کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوئی اور 1976 میں مفتی شفیع رحمہ اللہ کے انتقال سے دارالعلوم کے انتظام وانصرام آپ کے کندھوں پر آیا، آپ کی شبانہ روز انتھک جدوجہد ہے کہ دارالعلوم کا شمار آج پاکستان کی منفرد، منظم بڑی جامعات میں ہوتا ہے۔

1995ء مفتی اعظم ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کے انتقال ہوا تو اعلیٰ ترین علمی خدمات پر مشاہیر علماء کرام نے مفتی اعظم پاکستان کا عہدہ آپ کے سپرد کر دیا اور ہر موقع پر آپ نے قوم کی بھرپور رہنمائی فرمائی،

آپ ایک نابغہ روزگار علمی شخصیت، ملک وملت کے لیے علمی اور سماجی گراں قدر خدمات ہیں، 2 درجن سے زائد ضخیم تحقیقی، علمی واصلاحی کتب اور دیگر شہ کار کتب تصنیف فرمائی، جن میں اختلاف رحمت، فرقہ بندی حرام، دو قومی نظریہ، فقہ میں اجماع کا مقام، یورپ کا جاگیرداری، سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کا تاریخی پس منظر اور مسلکِ دیوبند فرقہ نہیں اتباع سنت سمیت دیگر کتب شامل ہیں۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر امارت اسلامیہ افغانستان نے تعزیتی پیغام جاری کردیا

(بشکریہ اے آر وائے نیوز)

کابل: مفتی رفیع عثمانیؒ کے انتقال پر امارت اسلامیہ افغانستان نے تعزیتی پیغام جاری کیا ہے۔

تفصیلات کے مطابق پاکستان کے جید عالم دین مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی وفات پر امارت اسلامیہ افغانستان نے تعزیتی پیغام میں نہایت دکھ کا اظہار کیا ہے۔

پیغام میں کہا گیا کہ نہایت دکھ اور پریشانی کے ساتھ یہ خبر ملی کہ پاکستان کے جید عالم دین اور جامعہ دار العلوم کراچی کے مہتمم مفتی محمد رفیع عثمانی انتقال کر گئے۔

مرحوم نے تمام عمر علم دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی اور نہایت احسن طریقے سے اپنی ذمہ داری سرانجام دی، انھوں نے علم دین کی بہترین خدمت کی، اور پس ماندگان میں ہزاروں شاگرد سوگوار چھوڑ گئے۔

پیغام میں کہا گیا ہے کہ امارت اسلامیہ افغانستان مرحوم کی وفات پاکستان سمیت تمام امت مسلمہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان سمجھتی ہے۔

پیغام میں دعا کی گئی کہ اللہ تعالی مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس غیر معمولی مصیبت میں خاندان، متعلقین اور شاگردوں سمیت تمام علمی دنیا کو صبر جمیل اور اجر عظیم نصیب فرمائے۔

مفتی رفیع عثمانیؒ کی وفات عظیم سانحہ ہے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

(بشکریہ جسارت نیوز)

مفتی رفیع عثمانیؒ کی وفات عظیم سانحہ ہے، ان کی وفات ایسے وقت ہوئی جب راہنماء کی ضرورت ہے، لاکھوں علماء ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، مفتی رفیع عثمانیؒ کی دینی خدمات کو خراج تحسین، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی کے انتقال پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سندھ کے امیر وممتاز عالم دین علامہ احمد میاں حمادی، علامہ محمد راشد مدنی، مفتی محمد طاہر مکی، جامعہ ندوۃ العلوم ختم نبوت کے قاری عبدالرحمان الخذیفی، جامعہ مدنیہ کے مفتی احمد اللہ بلوچ، جامعہ محمدیہ کے مفتی محمد یعقوب مگسی، جامعہ علم وعمل کے مفتی حبیب الرحمان السعید ودیگر سندھ بھر کے علماء وکلاء اور دانشوران نے کہا ہے کہ مفتی رفیع عثمانی کی وفات سے نہ پُر ہونے والا خلا پیدا ہوا ہے ان کی اساری زندگی دین کی خدمت وطن عزیز کی حفاظت کرتے گزری۔

مفتی طاہر مکی نے کہا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ اتحاد بین المسلمین کے سچے داعی تھے، فرقہ پرستی کو انہوں نے سختی سے کچلا۔ انہوں نے کہا کہ مفتی رفیع عثمانیؒ کی وفات ایسے موقع پر ہوئی ہے جب ان جیسی شخصیات کی رہنمائی کی امت مسلمہ کو اشد ضرورت ہے۔ مفتی طاہر مکی نے کہا کہ پورے ملک کے دینی مدارس علماء طلباء ہر ذی شعور طبقہ ان کی وفات پر سوگوار ہے۔

مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانیؒ انتقال کر گئے

(اناللہ وانا الیہ راجعون)

(بشکریہ روزنامہ اسلام)

مفتی اعظم پاکستان، سرپرست وفاق المدارس العربیہ اور دالعلوم کورنگی کراچی کے مہتم مفتی محمد رفیع عثمانیؒ طویل علالت کے بعد 86 سال کی عمر میں انتقال کر گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی 21 جولائی 1936ء کو بھارت کے علاقے دیوبند میں پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد اور تحریک پاکستان کے سر گرم رہنما مفتی محمد شفیع عثمانی دار العلوم دیوبند میں استاذ تھے۔

مفتی محمد رفیع عثمانیؒ دارالعلوم کراچی کے بانی، نامور مفسر قرآن، فقیہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے بڑے صاحبزادے اور معروف عالم دین اور وفاق المدارس العربیہ کے صدر مفتی محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں آدھا قرآن حفظ کیا، اور یکم مئی 1948 کو ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ انہوں نے آرام باغ کی مسجد باب الاسلام میں قرآن حفظ مکمل کیا، اور آخری سبق فلسطینی مفتی اعظم امین احسینی کے ساتھ پڑھا۔ وہ 1951 میں دارالعلوم کراچی میں داخل ہوئے، اور 1960 میں روایتی "درس نظامی سے فارغ التحصیل ہوئے 1378ھ میں، انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی" اور "منشی" (جسے "مولوی فاضل" بھی کہا جاتا ہے) کے امتحانات پاس کیے۔

انہوں نے 1960 میں دارالعلوم کراچی میں اسلامی فقہ (افتا) میں مہارت حاصل کی۔ مفتی رفیع عثمانی نے مفتی رشید احمد لدھیانوی سے صحیح بخاری، اکبر علی سہارنپوری سے صحیح مسلم، موطاامام محمد اور سنن نسائی محبان محمود سے، سنن ابوداؤد ریاضی اللہ اور جامع الترندی سلیم اللہ خان سے پڑھی۔ انہوں نے سنن ابن ماجہ کے کچھ حصوں کا محمد حقیق سے مطالعہ کیا اور ریاضت اللہ کی سرپرستی میں اس کا مطالعہ مکمل کیا۔ انہیں حسن بن محمد المسیٹ، محمد ادریس کاندھلوی محمد شفیع دیوبندی، محمد طیب قاسمی، محمد زکریا کاندھلوی اور ظفر احمد عثمانی نے حدیث کی ترسیل کا اختیار دیا تھا۔ مفتی محمد رفیع عثمانی آل پاکستان علماء کونسل، اسلامی نظریاتی

کونسل، رویت ہلال کمیٹی اور حکومت سندھ کی زکوۃ کونسل کے رکن بھی رہے، وہ شریعت اپیلٹ بیچ، سپریم کورٹ آف پاکستان کے مشیر بھی رہے، انہوں نے وفاق المدارس العربیہ کی امتحانی کمیٹی کے رکن کے طور پر خدمات انجام دیں۔

مفتی رفیع عثمانیؒ این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی اور جامعہ کراچی کے سنڈیکیٹ کے رکن تھے، اور وفاق المدارس العربیہ کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھے۔ مرحوم نے ساری زندگی دار العلوم کراچی کے احاطے میں اپنے والد کی مسند علم وارشاد پر قرآن وسنت کی تعلیم دیتے گزاری۔ مفتی رفیع عثمانی نے عربی اور اردو میں تقریباً 27 کتابیں تصنیف کیں۔ 1988 سے 1991 تک انہوں نے اپنی جہادی یادداشتیں دار العلوم کراچی کے اردو ماہنامہ البلاغ کے علاوہ اردو روزنامہ جنگ اور HUJL سے تعلق رکھنے والے اردو ماہنامہ الارشاد میں شائع کیں۔ یہ جہادی یادداشتیں بعد میں تیرے پر اسرار بندے کے نام سے ایک کتاب میں شائع ہوئیں۔ ان کا شمار پاکستان کے سرکردہ علم میں ہوتا تھا۔ مرحوم کئی ماہ سے علیل تھے۔ مرحوم کی تدفین دار العلوم کراچی کے احاطے میں واقع قبرستان میں کی جائے گی۔

گناہ سے بچنے کا طریقہ

گناہ سے بچنے کے لیے مضبوط ہمت اور پختہ ارادہ چاہیے۔ آپ نیک ماحول اور صحبت اختیار کریں اور اگر ان گناہوں سے بچنا مشکل ہو رہا ہو تو یہ سوچیں کہ اگر اس گناہ کرتے وقت مجھے میرے والدین (یا کوئی بھی ایسے رشتہ و تعلق والا شخص جس سے انسان اپنا گناہ چھپانا چاہے مثلاً اساتذہ یا شاگرد وغیرہ) دیکھ لیں تو کیا میں ان کے سامنے یہ گناہ کر سکوں گا؟ یا شرمندہ ہوں گا؟ پھر یہ سوچیں کہ جب میں والدین کے سامنے گناہ سے شرماتا ہوں تو اللہ تعالیٰ جو ہر وقت مجھے دیکھ رہے ہیں، جو میرے خالق اور حقیقی محسن ہیں اور حساب وکتاب پر مکمل قادر ہیں، ان کے سامنے میں کس منہ سے حاضر ہوں گا، نیز یہ سوچیں کہ قیامت کے دن اگر والدین، بیوی بچوں، بہن بھائیوں، اساتذہ، شاگرد، دوستوں اور تمام مخلوق کے سامنے بتادیا کہ فلاں بن فلاں نے فلاں دن فلاں وقت یہ گناہ کیا ہے، تو اس وقت آدمی شرم سے پانی پانی ہو جائے گا، قیامت کا وہ منظر سوچیں تو امید ہے کہ گناہوں کا ترک کرنا آسان ہو جائے گا۔

مفتی رفیع الدین عثمانیؒ برصغیر ہند و پاک جامع کمالات و صفات کے حامل شخصیت تھے

(بشکریہ کشمیر عظمی نیوز)

نئی دہلی مفتی اعظم پاکستان اور دار العلوم کراچی کے صدر مولانا و مفتی رفیع الدین عثمانیؒ کے سانحہ ارتحال پر رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے آل انڈیا تنظیم علماء حق کے قومی صدر مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی نے کہا کہ مولانا جامع کمالات وصفات شخصیت تھے، وہ تقوی وطہارت اور پرہیز گاری و دین داری کا مجسم پیکر تھے۔انہوں نے تنظیم کی طرف سے جاری تعزیتی بیان میں کہا کہ وہ نہ صرف برصغیر ہند و پاک میں بلکہ پوری دنیا میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، وہ قدیم وجدید اور عصری تعلیم یافتہ دانشوران غرضے کہ سبھی حلقوں میں مقبول تھے۔اور دیگر فقہی مسالک سے جزوی اختلاف کے باوجود ان کے ساتھ گفت و شنید کرتے رہا کرتے تھے۔

انہوں نے کہا کہ وہ مفسر قرآن اور سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی کے فرزندار جمند اور نامور عالم دین مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے برادر حقیقی تھے۔

آپؒ کی ولادت باسعادت ہندستان کے مشہور اور مردم خیز قصبہ دیوبند میں ۱۹۳۶ئمیں ہوئی تھی، ابھی حفظ قرآن ہی کررہے تھے کہ تقسیم ہند کا دردناک والم ناک واقعہ پیش آگیا اور آپ اپنے والد کے ہمراہ عالمی نقشے پر رونما ہونے والے نئے ملک پاکستان میں منتقل ہو گئے۔

بقیہ تعلیم وہیں مکمل کی اور ۱۹۶۰ءمیں تعلیم کی تکمیل کے بعد دار العلوم کراچی میں ہی مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ کا انداز تدریس بہت نرالا تھا، مسائل و مباحث کو اپنی قوت تفہیم اور سنجیدہ علمی وفنی انداز سے بالکل پانی کر دیتے تھے، وہ الفاظ کے پیچوں میں الجھنے کے بجائے آسان، سلیس اور عام فہم زبان میں درس دیا کرتے تھے۔

وہ متن حدیث پر مرکوز رہتے ہوئے مسائل ومباحث کی تشریح وتفسیر کرتے تھے اور ان مسائل کو جدید عصری انداز میں عصر حاضر کے نئے نئے مسائل پر منطبق کرتے تھے۔ آپ موقع اور مناسبت کے لحاظ سے طلبہ کو لطائف وظرائف سے بھی محظوظ فرماتے تھے۔ مولانا قاسمی نے ان کی شخصیت کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ فقہ وفتاوی میں آپ بہت ہی محتاط رویہ اختیار کرتے تھے اور فتوی دینے میں آپ کا طریقہ کار وہی تھا جو آپ کے والد ماجد مفتی شفیع عثمانیؒ کا تھا۔

ایک لکڑہارے کا قصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت جو کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا، جس کو جنات ہوا میں لے کر چلتے تھے، پرندوں کا سایہ ہوتا تھا اور کتنی ہی مخلوقات ساتھ ساتھ چلتی تھیں، اسی شاہانہ آب وتاب کے ساتھ تخت سلیمانی اڑا جا رہا تھا کہ اسے دیکھ کر جنگل میں ایک لکڑہارے کے منہ سے بے اختیار نکل گیا: "سبحان اللہ! آل داؤد کی کیا شان وشوکت ہے۔

ہوا نے فوراً یہ آواز حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچا دی، حضرت نے تخت اُتارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ: اسی لکڑہارے کے پاس لے چلو۔ لکڑہارا تھر تھر کانپنے لگا کہ معلوم نہیں مجھ سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟ اس بے چارے کو خوف کی وجہ سے یاد بھی نہ رہا تھا، کچھ دیر سوچ کر کہا کہ میں نے تو صرف یہی کہا تھا: ''سبحان اللہ! آل داؤد کی کیا شان ہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ: تجھے لشکر سلیمانی دیکھ کر رشک آیا لیکن تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ تو نے جو "سبحان اللہ کہا تھا اس کے سامنے ایسے ہزاروں لشکروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تجھے معلوم بھی نہیں کہ صرف ایک مرتبہ "سبحان اللہ کہنے سے تجھے کتنا اونچا مقام مل گیا ہے۔

(جنت کا آسان راستہ صفحہ نمبر 23)

مفتی رفیع عثمانیؒ کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں،

مولانا شیر احمد

(بشکریہ اردو پوائنٹ)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان روڈ لاہور کے رہنمائوں مولانا شیر احمد الکوثر اسلامک سنٹر، قاری محمد شفیق حسن ٹائون، مولانا زاہد مدثر، قاری محمد ہارون، مولانا عمر فاروق، مولانا نظام الدین اشرفی نے مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ مفتی محمد رفیع عثمانی کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں، حضرت کی وفات بہت بڑا نقصان ہے انکی تحقیقاتی دینی علمی خدمت سنہری حروف میں لکھی جائیں گی، مفتی رفیع عثمانی نے زندگی دین اسلام کی اشاعت اور قران وسنت کے پیغام کو عام کرنے میں گزاری۔

انہوں نے مزید کہا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی ساری زندگی علوم نبوت کے فروغ اور دینی جدوجہد میں گزری دنیا بھر میں ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد ہیں ان کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی ان کا یوں رحلت کر جانا علماء کرام کو سوگوار کر گیا ہے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماں کا کہنا تھا کہ مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کی علمی ودینی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور انکی لازوال جدوجہد کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا انہوں نے مفتی محمد رفیع عثمانی مرحوم کی بخشش ومغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا کی اور جملہ پسماندگان سے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی۔

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

رحمہ اللہ کی وفات پر

شاعرانہ کلام

الوداع مفتی اعظمؒ الوداع

(مفتی عبداللہ بن عباس)

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

وہ گلشن شفیع کے غمخوار باغباں تھے
وہ ضیوف علم دیں کے فیاض میزباں تھے
وہ علم و آگہی کی پر نور کہکشاں تھے
حافظ فقط نہیں تھے وہ عاشق قرآن تھے
وہ فہم فقہ و فتوی کی زمیں کے آسماں تھے
میزاب قاسمی تھے اشرف کی وہ زباں تھے

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

اسلاف کی نشانی اور ان کے ترجماں تھے
غیور اک مجاہد جذبوں کی داستاں تھے
اعلاء کلمۃ اللہ کا سوز جاوداں تھے
آزادی وطن کی معصوم اک اذاں تھے
اس ارض پاک پر وہ رحمت کا سائباں تھے

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

وہ امن و آشتی اور وحدت کے پاسباں تھے
اللہ کی قسم وہ مخلص تھے مہرباں تھے
دنیا کو چھوڑ وہ جنت میں جا بسے ہیں
آغوش پدر و مادر میں جا کے سو گئے ہیں

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين آمين آمين

چہرہ گلاب جیسا آنکھیں عقاب جیسی
روشن جبیں تھی ان کی ماہ تاب جیسی
تھا رعب و دبدبہ بھی جاہ و جلال بھی تھا
حد سے نہیں گزرنا یہ اعتدال بھی تھا
علم و عمل کا پیکر وہ عکس عارفیؒ تھے
محتاط منتظم تھے گویا کہ تھانویؒ تھے

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

یا رب! تو ان کے بھائی کو حوصلہ عطا کر
ہر ایک بوجھ ان کے کاندھوں پہ آگیا ہے
حضرت تقی کو مولا تو عمر نوح عطا کر
ان کا وجود امت کے درد کی دوا ہے

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

الوداع مفتی اعظم الوداع

دار العلوم ان کے ہے ذوق کا نظارہ
دیوار اور ہر در یہ فلک تلک مینارہ
شاہرائیں صاف ستھری ہر اک چمن ہے اجلا
ان کی نظافتوں کا یہ حسین استعارہ
ان کی نفیس طبع ان کی سلیم فطرت
ہر یاد کر رہی ہے میرے دل کو پارہ پارہ

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

رب اغفر وارحم وأنت خیر الراحمین آمین آمین

مفتی زبیر اشرف فرزند و جانشیں ہیں
ان کی روش پہ قائم اس فکر کے امیں ہیں
یہ اپنے پیارے چچا کے سائے میں مکیں ہیں
عمران اور حسان دونوں ہی نازنیں ہیں
ہمیں ان سے پیار بے حد یہ اساتذہ ہمارے

اولاد اولیاء ہیں پرنور یہ ستارے

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

ابن عباس بس کر تو اور کیا کہے گا
ہر اک ادا نرالی کس کس کو تو لکھے گا
سارا یہ خانوادہ الغرض ہے چنیدہ
یاسین سے یاماں تک ہر ایک برگزیدہ

الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع
الوداع مفتی اعظم الوداع

خدا کی پا گئے قربت، مرے مفتی رفیع صاحبؒ

(عثمان عباسی)

خدا کی پا گئے قربت، مرے مفتی رفیع صاحبؒ
جہاں سے ہو گئے رخصت مرے مفتی رفیع صاحبؒ

انھیں کی بزم سے پھوٹے، ہمیشہ علم کے چشمے
محافل کی رہے زینت، مرے مفتی رفیع صاحبؒ

عجب کردار کے مالک۔۔۔ عجب افکار کے حامل
مکمل تابعِ سنّت۔۔۔ مرے مفتی رفیع صاحبؒ

ترے جانے سے اہلِ علم و دانش آبدیدہ ہیں
دِلوں میں خوب ہے رقّت مرے مفتی رفیع صاحبؒ

نہ بھولے گی ہمیں تفسیر، سنّت، فقہ کی صورت
تمہاری دین کی خدمت، مرے مفتی رفیع صاحبؒ

حدیث و فقہ کی مسند کو یونہی چھوڑ کر غمگیں
چلے ہیں جانبِ جنّت، مرے مفتی رفیع صاحبؒ

وہ جس انسان کی عثماں! تلافی بھی نہیں ممکن
وہی پر سوز شخصیت، مرے مفتی رفیع صاحبؒ

تم ہمیں جہنم بھیجنا چاہتے ہو

تمام اساتذہ اکرام مہتمم صاحب کے دفتر کے سامنے جمع تھے۔ دفتر کا دروازہ بند تھا۔اور اندر سے صدرِ جامعہ کی غصہ والی آواز باہر آ رہی تھی۔شاید وہ کسی پر غصہ ہو رہے تھے۔صدرِ جامعہ بار بار یہ جملہ دہرا رہے تھے۔

"تم ہمیں جہنم بھیجنا چاہتے ہو"

اور یہ جملہ دفتر کے باہر جمع اساتذہ اکرام کے کان سے ٹکرا رہا تھا، تمام اساتذہ تڑپ اُٹھے۔جب صدرِ جامعہ خاموش ہو جاتے تو جامعہ کے نائب صدر اس جملہ کو دہرانے لگ جاتے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ دونوں شخصیات ناظم مطبخ (لنگر خانہ) پر غصہ ہو رہے تھے۔ دراصل واقعہ کچھ یوں ہوا کہ رمضان میں طلباء اور اساتذہ کے لیے باہر سے عمدہ کھانا آتا تھا۔جو کہ طلباء اور اساتذہ کے لیے ناکافی ہوتا۔ اس لیے اُس سالن کے ساتھ مدرسہ کا سالن ملایا جاتا، اور اسی سالن سے بَعِوَضِ قیمت (یہ شخصیات اس سالن کی قیمت ادا کرتی تھیں) سالن ان دونوں شخصیات کے گھر جاتا تھا۔اب ناظم مطبخ (لنگر خانہ) ان دونوں شخصیات کے گھر خالص سالن بھیج دیتا اور اُن کے حصہ میں جامعہ کا سادہ سالن نہیں ملاتا تھا۔اور یہ بات ان شخصیات کو ناگوار تھی کہ طلبہ کے حق میں سے اُن کو تو اچھا سالن ملے اور طلبہ ان سے کم درجہ کا سالن کھائیں۔ بآلاخر ان دونوں شخصیات سے سالن کے تناسب کے لحاظ سے جو رقم بنتی تھی اسے فوراً جامعہ میں جمع کروایا۔اور ناظم مبطخ کو سخت تنبیہ کہ وہ اُن کے لیے جہنم جانے کا سبب نہ بنے۔یہ واقعہ ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم کراچی کا ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی رحمہ اللہ، (صدر جامعہ دارالعلوم کراچی) کا ہے۔

یہ تھی ان حضرات کے تقویٰ کے ایک جھلک

آج ہے افسردہ دل وہ حق کے داعی کھو گئے

(حافظ عمیر)

آج ہے افسردہ دل وہ حق کے داعی کھو گئے
مفتی رفیعؒ ہمارے ہم سے رخصت ہو گئے
دشمن اسلام سے وہ برسر پیکار تھے
پیارے آقا کی محبت سے یونہی سرشار تھے
چھوڑ کر یہ دار فانی جنتوں میں سو گئے

آج ہے افسردہ دل وہ حق کے داعی کھو گئے
مفتی رفیعؒ ہمارے ہم سے رخصت ہو گئے
وہ جہاں کے حسن تھے وہ اک نڈر انسان تھے
ہر گھڑی باطل کے سر پر تند رو طوفان تھے
جنتیں ان کی مقدر ان کے جیسے جو گئے

آج ہے افسردہ دل وہ حق کے داعی کھو گئے
مفتی رفیعؒ ہمارے ہم سے رخصت ہو گئے
درس اور تدریس میں وہ لاجواب تھے لاجواب
دور تاریکی میں تھے وہ اک چمکتا مہتاب

طلبا و علماء یوں غم کے مارے ہو گئے

آج ہے افسردہ دل وہ حق کے داعی کھو گئے
مفتی رفیعؒ ہمارے ہم سے رخصت ہو گئے
مفتی رفیعؒ ہمارے ذی قدر رہنما تھے
کیسے یوں سجاد بچھڑے وہ دلوں کے بادشاہ
رو رہی ہے ہر کلی ہر آنکھ سے آنسو گئے

آج ہے افسردہ دل وہ حق کے داعی کھو گئے
مفتی رفیعؒ ہمارے ہم سے رخصت ہو گئے

ریل کے کانٹے کا فرق شروع میں معمولی ہوتا ہے

حضرت والد ماجد (مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ) مثال دیا کرتے تھے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ریلوے کی لائنیں جہاں سے مڑتی ہیں اور ان کا کانٹا بدلا جاتا ہے تو شروع شروع میں سیدھی لائن اور بدلی جانے والی لائن میں صرف ایک انچ کا فرق ہوتا ہے۔ پھر ڈیڑھ انچ کا، پھر دو انچ کا، دو تین منٹ کے یہ فرق فٹوں (Foots) میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پانچ چھ منٹ کے بعد دونوں کا رخ بالکل واضح طور پر جدا ہو جاتا ہے۔ کوئی نسبت باقی نہیں رہتی۔ یہی اثر صحبت کا ہوتا ہے کہ کچھ عرصے بعد بالکل واضح تبدیلی آجاتی ہے۔ جس کو دوسرے لوگ بھی محسوس کرتے ہیں اور خود انسان کو اس کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔

(اصلاحی تقریریں جلد پنجم صفحہ 161)

فلک سے ٹوٹا ہے ایک ستارہ

(حافظ فصیح آصف)

فلک سے ٹوٹا ہے ایک ستارہ
ھے چھایا ہر سو اک اندھیارہ

ہر ایک منظر پہ تاریکی ہے
ھوا ہے دھندلا ہر ایک نظارہ

تھا بالیقیں ایک بحر حکمت
علوم کا اک اتھاہ دھارا

تفقہ دیں کا تھا وہ دریا
کہ جس کا کوئی نہ کنارہ

ہمیں عطا وسعت نظر کی
فراخ سینہ کیا ہمارا

بلند فکری کے موتیوں سے
ہمیں سنوارا ہمیں نکھارا

تھا شستہ گفتاری کا نمونہ
شیریں بیانی کا استعارہ

کوئی مخالف بھی روبرو ہو
کرخت لہجہ نہ تھا گوارا

کہاں سے ہم لائیں کوئی تجھ سا
کہاں سے ثانی ملے تمہارا

ہمارے حق میں یہ ہے قیامت
چمن میں تجھ بن کریں گزارا

کہاں جارہے ہیں؟

(حافی رفیق)

اکابرِ ہمارے کہاں جا رہے ہیں؟
نبیؐ کے دلارے کہاں جا رہے ہیں؟

نبیؐ کے وارث، وہ قرآن کے حافظ
دیوبند کے سارے کہاں جا رہے ہیں؟

نماز ان کی بالا، عبادت بھی اعلی
خدا کے وہ پیارے کہاں جا رہے ہیں؟

عذاب آسماں سے ٹلے ان کے صدقے
چمک دار تارے کہاں جا رہے ہیں؟

نبی کی سدا پیروی کرنے والے
وہ نورانی چہرے کہاں جا رہے ہیں؟

کسی نے رضائے الٰہی میں جاں دی
ہمارے سہارے کہاں جا رہے ہیں؟

جنہیں دیکھ کر یاد آ جائے اللہ
کہ ایسے ستارے کہاں جا رہے ہیں؟

علم نافع کی طلب، ہر حال میں اللہ کا شکر اور دوزخ سے پناہ

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ

ترجمہ:

اے اللہ! جو کچھ علم تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو میرے لیے نفع مند بنادے (یعنی مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق دے) اور مجھے وہ علم عطا فرما جو میرے لیے نافع ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اللہ کے لیے حمد وستائش ہے ہر حال میں اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخیوں کے حال سے۔ (سنن الترمذي، 587/5، مصر)

جب کوئی مصیبت پہنچے (اگرچہ کانٹا ہی لگ جائے) تو یہ پڑھے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ اْجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ، وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا

ترجمہ:

بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں، اور ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ! میری مصیبت میں مجھے اجر دے، اور اس کے بدلے میں مجھے اس سے اچھا بدل عنایت فرما۔ (صحیح مسلم، 631/2، بیروت) علم میں اضافہ کے لیے یہ پڑھے

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا

ترجمہ:

اے میرے پروردگار! مجھے علم میں بڑھا۔ (سورۃ طہ، 114)

چلے گئے ہیں یہاں سے رفیع عثمانیؒ

(ڈاکٹر اظہر خالد)

چلے گئے ہیں یہاں سے رفیع عثمانیؒ
نا پائیدار جہاں سے رفیع عثمانیؒ

وہ اپنی ذات میں اپنی مثال آپ ہی تھے
میں لاؤں ان سا کہاں سے رفیع عثمانیؒ

جدائی آپ کی سب پر بہت ہی بھاری ہے
بتاؤں کیسے زباں سے رفیع عثمانیؒ

بفضل رب تیری صحبت میں آ کے دل کتنے
بدل گئے تھے بیاں سے رفیع عثمانیؒ

یہ سارا جامعہ دار العلوم اب دیکھو
سسک رہا ہے فغاں سے رفیع عثمانیؒ

قضائے رب پہ ہیں راضی سبھی مسلماں بھی
دعائیں کرتے زباں سے رفیع عثمانیؒ

یہ میرا دل بھی بہت ہی ملول ہے اظہر
روانگی کے سماں سے رفیع عثمانیؒ

مشائخ فرماتے ہیں

مشائخ فرماتے ہیں جو پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اسے مندرجہ ذیل فوائد نصیب ہوتے ہیں

۱۔روزی کی تنگی دور ہوگی۔

۲۔عذابِ قبر سے حفاظت نصیب ہوگی۔

۳۔پل صراط پر سے بجلی کی طرح گذرے گا۔

۴۔جنت میں بلاحساب وکتاب داخل ہوگا۔

ترکِ نمازماعت کے نقصانات: جو شخص نماز باجماعت میں سستی کرتا ہے،اسے مندجہ ذیل فوائد نصیب ہوتے ہیں۔

۱۔اس کے رزق سے برکت اٹھ جائیگی۔

۲۔اس کی کمائی میں برکت نہ ہوگی۔

۳۔اس کے چہرے سے صالحین (نیک بختوں) کی نشانی (علامت) اٹھالی جائے گی۔

۴۔لوگوں کے دلوں اس کے لئے بغض پیدا کردیا جائے گا۔

۵۔اس کی روح بھوکی پیاسی قبض کی جائے گی۔

۶۔نزع روح (سکرات) کے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

۷۔قبر میں منکر نکیر کی گرفت سخت ہوگی

۸۔اس کے باقی اعمال صالحہ بھی قبول نہ ہوں گے (روح المعانی)

مغموم فضائیں ہیں سنسان ہے مے خانہ

(مفتی محمد رحیق حنفی قاسمی سیتاپوری)

مغموم فضائیں ہیں سنسان ہے مے خانہ
اے شیخ رلاتا ہے یوں تیرا چلے جانا

تو فخرِ عزیمت تھا تو لشکرِ یوبند تھا
کیا خوب ہے باطل کا بس نام سے تھرانا

گنجینۂ الفت تو امت کی محبت تو
دیوانہ ہے تیرا ہر اصحاب کا دیوانہ

اظہار کی جرأت تو احقاق کی ہمت تو
یاد آئے گا بے باکی کا درس پڑھا جانا

تفسیر بیانی ہو یا فقہی مسائل ہوں
یاد آئے گا ہم سب کو وہ طرزِ حکیمانہ

ڈھونڈے گے کہاں تجھ سا، پائیں گے کہاں تجھ سا
اے مردِ مجاہد ہم نے تجھ سا کہاں پانا

علماء کی ہیں آنکھیں نم طلبہ بھی ہیں محوِ غم
فرقت پہ تری مشکل ہے قلب کو سمجھانا

بالقلب رحیق اپنے غفار سے عارض ہے
بارانِ عنایت ان کی قبر پہ برسانا

الحمد للہ

تَمَّتْ بِالْخَیر